T
L
P

ووٹ دو کرین کو بدلو اس نظام کو



سیاسی نمائدوں کے انتخاب کی جگہ دینی نمائدوں کا انتخاب ناگزیر ہے
قائداعظم اور اقبال کا تصور دین و سیاست، اسلام اور جمہوریت
امیداوار کے لیے شرائط اہلیت نہ ہونے کے غلط نتائج
اسلام میں امیدوار اسمبلی کے لئے شرائط
امیدوار انتخابات کی اہلیت کے لیے سات شرطیں معتبر ہیں
وہ امیدوار جن کو منتخب نہ کیا جائے
امیدوار کو منتخب کرنے والوں (ووٹروں) کے لیے شرائط
کیا ووٹ کا دین سے کوئی تعلق نہیں
نوازشریف کے تینوں ادوار کے سیاہ کرتوت
سیکولر پارٹیوں کی طرف سے انتخاب لڑنا کیسا ہے؟
امیدوار کی شرعی حثیت
ووٹر جو نا اہل کو اہل قرار دیں گے برابر کے مجرم ہوں گے
آرٹیکل 62 اور 63 کی رو سے پارلیمنٹ کے رکن بننے کی اہلیت



T
L
P

ووٹ، ووٹر، اور دینی سیاست کی شرعی حثیت

تحریک لبیک پاکستان کے مشن پر مجموعہ تقاریر اور بہترین کتاب

بسم الله الرحمن الرحيم

ما بقاء الأمة بعد شتم نبيها

١٤٣٨

مَا بَقَاءُ الأُمَّةِ بَعْدَ شَتْمِ نَبِيِّهَا

اُس اُمّت کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں جس کے نبی کی توھین کی جائے

حضور ﷺ کے دین کو **تخت** پر لانا ہے

پرچی «ووٹ» کی کیا حیثیت ہے

حضور ﷺ کیلئے تو گردنیں بھی حاضر ہیں





تحریکِ لبیک پاکستان

تحریک لبیک پاکستان

نگران اور ممبران کیلئے چند ہدایات و تجاویز

از: علامہ مولانا سید عنایت الحق شاہ سلطانپوری ضلعی صدر

تحریک لبیک پاکستان راولپنڈی ڈویزن

موضوعات:



تحریک لبیک پاکستان کی قیادت اور کارکنان اور متعلقین کیلئے چند ہدایات و تجاویز

از: علامہ مولانا عنایت الحق شاہ سلطانپوری ضلعی صدر تحریک لبیک پاکستان راولپنڈی ڈویزن

حب الوطنی **اہل سنت وجماعت** کے خون میں شامل ہے تاریخ اس پر شاہد ہے اور اسکے لئے علمائے اہل سنت و جماعت نے مرکزی کردار ادا کیا ہے ، اور عوام اہل سنت نے بھی قیام پاکستان میں بہت قربانیاں دیں اور اسلام کے نام پر ملک حاصل کیا مگر آج قومی تاریخ کا وہ نازک موڑ ہے کہ عالمی طاغوتی طاقتیں اسلامی جمہوریہ پاکستان کی نظریاتی اساس اور جغرافیائی سرحدوں پر اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل کے لئے قومی یکجہتی اور مذہبی ہم آہنگی کو آزادی اظہار کے جواز کی آڑ میں اسلامی جمہوریہ پاکستان کو دنیا کے نقشے سے مٹانے کے لئے سرگرم عمل ہیں ۔ اسلام نے نظام سلطنت و حکومت کاواضح طریق دیا ہے تو پھر ہم کیوں غیروں کے مرتب کردہ نظام کو لے کر چل رہے ہیں؟ یہ ایک بہت بڑا صدمہ اور لمحہ فکریہ ہم سب مسلمانوں کیلئے کہ ہم جس نظام حیات پر یقین رکھتے ہیں وہ دنیا میں کہیں بھی عملی طور پر نظر نہیں آتا ہے۔لہٰذا **"تحریک لبیک پاکستان"** کی قیادت نے باقاعدہ قومی سیاسی عمل میں حصہ لینے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ یہ تحریک **علامہ خادم حسین رضوی** کی قیادت میں

علماء ومشائخ کی موجودگی میں پاکستان کو ناپاک سیاسی عزائم سے آزاد کرواکر پاکیزہ سیاست کو پروان چڑھانا ، خائن اور کرپٹ قیادت سے قوم کو آزادی دلانا، لبرل ازم اور سیکولرازم کے نام پر اسلامی جمہوریہ پاکستان کو کفرستان بنانے کے سازشوں کی راہ میں انشاءاللہ **"تحریک لبیک پاکستان"** مستقبل قریب میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار ثابت ہو گی۔
آج ملک کی نام نہاد مذہبی سیاسی جماعتیں اسلام کی خدمت وحفاظت کے بجائے اقتدار اور مفادات کے درپے ہیں۔ سیاسی جماعتیں خود آمریت کو پروان چڑھارہی ہیں لبرل حکمرانوں نے مسلمانوں سے اسلامی تشخص کو بھی نہیں چھوڑا اور ختم نبوت کے قانون میں بھی ردوبدل کرکے جہاں مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو مجروکیا، دوسری طرف قومی خزانہ بے دردی سے لوٹا گیا، غریبوں کا نام لے کر غریبوں سے جینے مرنے کا حق بھی سلب کرلیا گیا ۔ اس پس منظر میں **"تحریک لبیک یا رسول اللہ ﷺ"** کے نام سے شروع ہونے والی تحریک "مضبوط اسلامی ریاست بنانے کے عزم کر چکی ہے۔ غازی صاحب کے عشق رسول ﷺ کو جاری و ساری رکھتے ہوئے **"اسلامی جمہوری سیاست"** ہمارا طریقہ

"تحفظ ناموس رسالت ﷺ" ہمارا مشن اور **"نظام مصطفی ﷺ"** کا نفاذ ہماری منزل ہے۔

"تحریک لبیک پاکستان" کو انتخابی نشان بھی الاٹ کردیا ہے۔الیکشن کمیشن کی جانب سے جاری نوٹیفکیشن کے مطابق **"تحریک لبیک پاکستان"** نے 19 ستمبر کو الیکشن کمیشن میں انتخابی نشان الاٹ کرنے کے لئے درخواست دی تھی جسے منظور کرتے ہوئے انہیں کرین کا انتخابی نشان دے دیا گیا ہے۔" تحریک لبیک یارسول اللہ کے نام سے خادم حسین رضوی نے نئی سیاسی جماعت کی بنیاد رکھی تھی تاہم اسے الیکشن کمیشن نے رجسٹر ڈ نہیں کیا تھا جس کے بعد انہوں نے **"تحریک لبیک پاکستان"** کے نام سے اپنی سیاسی جماعت بنانے کا اعلان کیا تھا۔ پارٹی نے این اے120 کے ضمنی انتخاب میں تیسری پوزیشن حاصل کی تھی اور اب ہم پورے پاکستان میں کرین کے انتخابی نشان کے ساتھ انتخابات میں حصہ لیں گے۔

ہم سب اس بات سے بخوبی آگاہی رکھتے ہیں کہ پاکستان آزاد تو اسلام کے نام پر ہوا تھا مگر اس پر مفاد پرست اور مغرب نواز حکمرانوں نے اس نام نہاد جمہوریت انتہائی فرسودہ، باطل شیطانی نظام بنا دیا گیا ہے جہاں

اسلام اور اسلامی اصول و عقائد کی پاسداری نہیں کی جا رہی۔ مسلمانوں کے ایمان پرڈاکے ڈالے جارہے ہیں نام نہادجمہوریت ہمارے ملک میں ہے وہ جبر، منافقت و خود غرضی کا دوسرا نام ہے۔کیا کبھی کسی نے یہ دیکھا کہ ہمارے ارکان اسمبلی نے قانون بناتے ہوئے قرآن و حدیث کی کتابیں اپنے سامنے رکھی ہوں؟ یا قرآن و حدیث کا کوئی حکم ، شریعت و فقہ کے کوئی مسائل ہماری اسمبلیوں میں زیر بحث آئے ہوں؟ یا کوئی قانون تجویز کرتے ہوئے قرآن و حدیث سے کوئی راہنمائی لی گئی ہو؟ بلکہ اسلام مخالف قوانین کو اسمبلی میں پاس کروادیا جاتا ہے اورسب جاننے کے باوجود پھر عملی طور پر اس باطل نظام کا حصہ بننا اس کی حمایت اور اس کو سپورٹ کرنے والی بات ہے۔

اگر ہم یہ سب جانتے ہوئے بھی باطل اور مغرب نواز حکمرانوں کو جمہوریت کی حمایت میں ووٹ دے دیں اور اس کو سپورٹ کرنے لگ جائیں گے تو پھر انقلاب کس نے لانا ہے؟ رسول اللہ اس مقصد کیلئے ہم سب مل کر ملک میں ایک حقیقی عالمی اسلامی فلاحی انقلاب برپا کرنے کیلئے متحدہ اور مسمم جدو جہد کرنی ہو گی۔اس سلسلے میں کچھ تجاویز اور گزارشات بہت اہم ہیں جو کہ میلاد کمیٹیوں اور عشاق رسول ﷺ کیلئے خاص طور پر اور ہر محب وطن پاکستانی کیلئے ہیں۔نظام بدلنے کیلئے کوشش ضرور کرنی چاہیئے ہر مشکل کے بعد آسانی ہے اور نظامِ قدرت ہے کہ شہادتوں کی منزلوں نے یزیدیت کو ہمیشگی کی شکست سے دوچار کیا ہے۔غازیانِ ناموسِ رسالت نے ایمان کی فصل کو سرسبز وشاداب کیا ہے۔ مشنِ عشق رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم فروزاں ہوا ہے۔مستقبل کے لیے عزائم جواں ہوئے اور ہر خرمنِ باطل کے لیے عشاقِ بارگاہِ رسالت کا ذوقِ جنوں خیز سوہانِ روح ثابت کریں، ہر قسم کے مصائب و آلائم کی پروہ کیے بغیر حقیقی عالمی اسلامی فلاحی نظام حیات کو نافذ کرنے کیلئے کمربستہ ہو جائیں۔

*****

تحریک لبیک پاکستان کے اغراض ومقاصد

(1)پاکستان کا مطلب کیا؟ "لاالہ الااللہ" دستورِ ریاست کیا ہو گا؟ "محمد رسول اللہ ﷺ" ۔

(2)اسلام کی تعلیم اشاعت و تبلیغ کرنا۔

(3)شریعت مصطفیٰ ﷺ کے خلاف ہونے والی سازشوں کا سدِباب کرنا۔

(4)عقیدہ ختمِ نبوت ﷺ اور عقیدہ ناموسِ رسالت ﷺ کی اشاعت و ترویج کرنا۔

(5) "نظام مصطفیٰ ﷺ" کے نفاذ کے لئے تمام ضروری اقدامات کرنا۔

(6)اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مسلمانوں کی علمی، فکری، عملی اور اخلاقی تربیت کرنا۔

(7)"امربالمعروف"اور "نھی عنِ المنکر"کے تحت عوام وخواص بالخصوص حکام کو تقوٰی اختیار کرنے کی نصیحت کرنا اور "نظام مصطفیٰ ﷺ"کے نفاذ کی ترغیب دینا۔

(8)اسلافِ امت کے عظیم کارناموں سے لوگوں کو روشناس کروانا۔

(9)صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنھم، اہلِ بیت عظام رضی اللہ تعالٰی عنھم اور اولیاءکرام رحمۃ اللہ تعالٰی علیھم کے ایام منانا.

(10)غازیانِ اسلام رحمھم اللہ کے مقام و مرتبہ کو اجاگر کرنا.

(11)پاکستان اولیاء کرام رحمھم اللہ کا فیضان ہے، ہم اس کو اسلام کا مضبوط قلعہ بنائیں گے.

ان تمام نکات کو عملی طور پر نافظ کرنے کیلیئے ہم سب کو کوشش کرنی ہو گی پاکستان بھر میں جہاں کہیں بھی ماہ میلاد میں حضور ﷺ کی آمد کی خوشیاں اور جشن منایا جاتا ہے تمام عاشقوں سے گزارش ہے کہ وہ ایمانی غیرت اور حب الوطنی کا ثبوت دیتے ہوئے حقیقی عالمی اسلامی فلاحی نظام حیات کو نافذ کرنے کیلیئے کمربستہ ہو جائیں اور عملی طور پر تحریک لبیک پاکستان کیلیئے کام کریں۔

****

نظام مصطفیٰ ﷺ کا کام کیسے کریں؟

1۔غیر متحرک سنیوں کو "نظام مصطفیٰ ﷺ"کی طرف ترغیب دینا۔

2۔تمام علاقائی میلاد کمیٹیوں کے دفاتر "تحریک لبیک پاکستان"کے سیاسی دفاتر میں تبدیل کیا جائے اور مرکزسے منسلک ہوکر عام انتخابات تک ان سے سیاسی اور تحریکی مقاصد حاصل کیا جائیں۔

سیاسی دفاتر اور ممبران کیلئے "تحریک لبیک پاکستان"کیلئے خصوصی ہدایات۔

۱۔رابطہ نمبر کے ساتھ سنی ووٹز کی رجسٹریشن کی جائے۔

۲۔ "نظام مصطفیٰ ﷺ" کیلئے آگاہی مہم کا آغاز کیا جائے۔

۳۔مقرر حضرات "نظام مصطفیٰ ﷺ" اور دستور ریاست کا شعور بیدار کریں۔

۴۔میلاد ﷺ کے بعد ان کو سیاسی دفاتر کو"تحریک لبیک پاکستان"کیلئے انہیں انتخابات تک چلایا جائے۔

۵۔رابطہ مہم کا آغاز کیا جائے۔لوگوں سے انکے گھر گھر جاکر انفرادی طور پر رابطہ کی جائے۔

۶۔نوجوانوں اور طالب علموں کی منظم تشکیلی مہم چلائی جائے اور ڈیوٹیاں لگائی جائیں۔

۷۔خواتین کی میلاد کمیٹیوں کی مبلغہ اور معلمہ کی ذہن سازی کی جائے۔جوصرف گھروں تک محدود کام کریں۔

۸۔طالبعلموں کی ذہن سازی کی جائے۔

۹۔اشتہارات،پرنٹنگ اور پینا فلیکس کے حوالے سے علاقائی سطح پر کام کیا جائے۔

۱۰۔سُنی مساجد کی انتظامی کمیٹیوں کو عملی طورپر **"تحریک لبیک پاکستان"** میں شامل کیا جائےاوررجسٹرڈ کیا جائے۔

۱۱۔فلاحی کام کرنا بیوہ ،یتیم ،معذور، اور مستحق افراد کی علاقائی سطح پر امداد کی جائے۔

۱۲۔ویلفیئر سوسائٹی بنائی جائیں **"تحریک لبیک پاکستان"** کے دفاترسے اہلسنت کے مسائل کو حل کیا جائے

۱۳۔ہفتہ وار محافل منعقد کی جائیں اور ماہانہ گیارہویں شریف اور عرس کے موقع پر تمام میلاد کمیٹیاں اور اراکین کو علاقائی سطح پر جمع کریں اور **"تحریک لبیک پاکستان"** کی سیاسی تحریک کے اغراض ومقاصد پر روشنی ڈالیں۔خصوصی ٹیمیں تشکیل دے کرکام کیاجائے۔

۱۴۔علاقے کی تمام چھوٹی اور بڑی میلاد کمیٹیوں کو ایک دفتر سے منسلک کر کے "نظام مصطفیٰ ﷺ" کے لیے عملی اقدامات کیے جائیں۔

۱۵۔پہلے سے موجود غیر سیاسی میلاد دفاتر کو مستقل سیاسی مقاصد کے استعمال کرنے کے لیے تبدیل کرنے کیلئے یاپھرانھیں قائل کیاجائے۔

۱۶۔جس علاقے میں **"تحریک لبیک پاکستان"** سیاسی دفاتر قائم نہیں ہیں ان میں تحریک کے دفاتر قائم کیے جائیں۔

۱۷۔شہرمیں ایک مرکزی دفتراور باقی ثانوی حثیت سے بنائے جائیں۔

۱۸۔تمام ممبران اورکارکنان اپنے اپنے حلقے کے مرکزی دفتر سے منسلک رہیں۔

۱۹۔اشتعال انگیزی اور غیر قانونی کاموں سے پرہیز کریں۔

۲۰۔ڈور ٹو ڈور پیغام کو عام کیا جائے۔

۲۱۔طلبا کی ذہن سازی پر خصوصی توجہ دیں۔

۲۲۔نگران اور ممبران کو الگ الگ **"تحریک لبیک پاکستان"** کے کارڈ بنا کر تقسیم کیے جائیں۔

۲۳۔ووٹروں کی تعلیمی قابلیت پر تحریک کے عملی کام کرنے والے لوگوں رجسٹریشن کی جائے۔

۲۴۔علماٗ حضرات کو جمعے کی تقاریر میں **"نظام مصطفیٰ ﷺ"** کو بطور دستورریاست کی اہمیت کو اجاگر کیا جائے۔اور **ختم نبوت** کے موضوع کو بھی بیان کیا جائے۔

۲۵۔ہر میلاد، گیارہویں، ماہانہ ، ہفتہ وار اور عرس /اور ہر نماز کے بعد لوگوں کی ذہن سازی کی خصوصی نشست قائم کی جائے اور مستند عالم دین اور تحریک کے ذمہ دار رکن کی تقاریر کروائی جائیں / جمعے کی نماز کے بعد خصوصی طور پر مستند اور اصلاحی تحریری مواد لوگوں میں تقسیم کیا جائے۔

۲۶۔**اکابرین اہلسنت وجماعت** کی کاوشیں اور ان کا **تحریک آزادی پاکستان** میں عملی کردار کے حوالے سے روشنی ڈالی جائے۔

۲۷۔ووٹ کے اہل اور نااہل نیک اور بد فاسق اور فاجر اور ظالم لوگوں کو ووٹ دینے کی ممانعت اور ووٹ یابیعت کی اہمیت کو قرآن وحدیث کی روشنی میں اجاگر کیا جائے۔

۲۸۔کفار اور یہود ونصاریٰ کی ملک دشمن سازشوں کو بے نقاب کرنے کی معلومات دی جائے۔

۲۹۔**"نظام مصطفیٰ ﷺ"** کے لیے چندے کے لیے ایماندار اور قابل اعتماد شخص کو چنا جائے اور چندے کے لیے مخیر حضرات کے پاس وفد کی صورت میں جائیں۔

۳۰۔جلسے جلوس کی شکل میں منظم انداز سے کام کیا جائے۔

۳۱۔سوشل میڈیا اور انٹر نیٹ پر مؤثر کام کرنے کے لیے ٹیمیں تشکیل دی جائیں جو اس پر دن رات کام کریں۔علاقائی کام کو روزانہ کی بنیاد پر تصاویر کی شکل میں نشر کیا جائے۔ہر ممبر اپنے اپنے کام کی تصاویر اتارے

۳۲۔خبر کوئی بھی ہو **"تحریک لبیک پاکستان"** کی آفیشل ویب سائٹ اور فیس بک پیج سے مستند خبر کو ہی اعتماد میں لیا جائے گا افواؤں اور غیر مصدّقہ اطلاعات اور اخبار ات سے پرہیز کیا جائے۔منفی تبصرہ سے پرہیز کیا جائے۔مشہور پیج یہ ہیں:خادم حسین رضوری افیشل۔رضوی میڈیا۔

۳۳۔علاقائی اخبار میں یا نیشنل اخبار میں اپنے سیاسی نمائندے کی کارکردگی کی خبریں لگائی جائیں۔اور ایک دو افراد مسلسل اس کام پر ہی لگائے جائیں۔

۳۴۔دیگر معاملات و اختلافات قائدین کی رہنمائی میں حل کیے جائیں۔

۳۵۔دفاتر کے اندر غیر شرعی اور لا یعنی گفتگو ، لڑائی ،جھگڑے سے گریز کیا جائے۔صرف مقصد کی بات کی جائے۔

۳۶۔دفاتر کے انتظامی معاملات میں صرف اہل سنت وجماعت حنفی بریلوی رضوی سوچ کے حامل افراد کو ہی اختیار دیا جائے۔

۳۷۔ممبران کو کامیاب بنانے کیلیئے ہر ممکن کوشش کی جائے۔ نگران اپنے کام کی تصاویر ہر روز نشر کرے

38-تحریک کے کاموں کے دوران اگر قانونی اور افرادی مدد درکار ہو تو تحریک کے ذمہ داران سے رابطہ کریں۔

39-ہر موقع پر خصوصی نشست ، بمع میز اور کرسیاں اور ایک رجسٹر پر لوگوں کی رجسٹریشن کی جائے اور عوامی مقامات بس سٹینڈ وغیرہ پر بھی روزانہ کی بنیاد پر نشستیں بنائی جائیں۔جس میں ایک پمفلٹ دیا جائے۔

40-ہر یونیورسٹی ، و کالج سٹوڈنٹ سوسائٹی ، اور یونین، انجمن ، و دینی تنظیمات اپنے اپنے حلقے میں آگاہی مہم چلائیں۔اور مرکز سے منسلک رہیں۔

41- تحریک کے کام کیلئے ٹائم ٹیبل ایک چارٹ کی طرح بنا کر دفتر میں آویزاں کریں اور رجسٹر پر کارکنان کی حاضری لگوائیں تاکہ کام کی تقسیم با آسانی کی جاسکے۔

42- اپنے علاقے کی یونین، کمیٹیاں، اور اصلاحی و تعمیری کمیٹیاں، انجمن تاجران، اور ٹرانسپورٹ یونین، پرائیویٹ اداروں کے عہدے داران اور بازار کی ایسوسیشن وغیرہ سے وفد کی صورت میں ملاقات کریں۔ اور انھیں پیغام پہچائیں۔

43- اپنے تحریکی کاموں کی تصاویر اور ویڈیو ضرور محفوظ کریں اور اسے سوشل میڈیا پر اور مرکزی پیجز پر ضرور بھیجیں

44۔ اپنے سوشل میڈیا پیج بنانے میں پیج کے آخر میں علاقے کا نام اور حلقہ این اے۔ ضرور لکھیں۔ اور پوسٹوں پر بھی اپنے حلقے کا نام ضرور آویزان کریں۔

45- فرقہ واریت اور عقیدے کے اختلافی امور میں بحث سے پرہیز کیا جائے، صرف مقصد کی بات کی جائے۔

46- ہر جمعۃ المبارک کے بعد الیکشن تک فلیگ مارچ کیا جائے جس میں تمام ممبران اور تحریک کے لوگ شامل ہوں

تنظیم کے ذمہ داران اور نگرانوں کے لیے چند نصیحتیں۔

یعنی آپ کتنے ہی بڑے ذمہ دار کیوں نہ ہوں اپنے آپ کو ماتحت اوردوسرے بھائیوں کو اپنا نگران تصور کریں۔ پھر جو بات آپ اپنے لئے پسند کر تے ہیں وہی اپنے دیگر دوستوں کے لئے بھی پسند کریں مثلاً ہر ماتحت یہ پسند کر تا ہے کہ میرا نگران میرے ساتھ شفقت کے ساتھ پیش آئے میرے مسائل اور میری اراء سنے علاقائی اور قومی مسائل پر گذراشات سنے اور ذاتی مسائل میں سے ،اگر میں بیمار ہوجاؤں تو میری عیادت کرے،مجھے کوئی مشکل درپیش ہو تو میری مدد کرے ، میرا کوئی نقصان ہوجائے تو میری بھر پور دل جوئی کرے، تحریک کے کاموں کے سلسلے میں میری عملی طور پر رہنمائی کرے نہ کہ ذرا سی غلطی پر جھاڑنا اور طنز و تنقید کے تیر برسانا شروع کر دے

، وغیرہ۔خود کو ماتحت تصور کرنے کی صورت میں آپ کو نہایت آسانی سے معلوم ہوجائے گا کہ آپ کے ماتحت دیگر دوست آپ سے کس قسم کے سلوک کی توقع رکھتے ہیں؟

(1) "جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے کسی رعایا کا نگران بنایا پھر اس نے ان کی خیر خواہی کا خیال نہ رکھا اس پر جنت کو حرام کر دیگا۔"(بخاری ج ۲ ص ۱۰۵۸)

(2) "تم سب نگران ہو اور تم میں سے ہر ایک سے اُس کے ماتَحت افراد کے بارے میں پوچھا جائے گا۔"(مجمع الزوائد ج۵ ص ۲۰۷)

(3) " جو نگران اپنے ماتحتوں سے خِیانت کرے وہ جہنَّم میں جائے گا۔"(مسند امام احمد بن حنبل ج ۵ ص۲۵)

(4) "اِنصاف کرنے والے قاضی پر قِیامت کے دن ایک ساعَت ایسی آئے گی کہ وہ تمنّا کریگا کہ کاش ! وہ آدمیوں کے درمیان ایک کھجور کے بارے میں بھی فیصلہ نہ کرتا۔"(مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۹۲)

(5) "جو شخص دس آدمیوں پر بھی نگران ہو قیامت کے دن اسے اس طرح لایا جائے گا کہ اس کا ہاتھ اس کی گردن سے بندھا ہوا ہو گا۔اب یا تو اس کا عدل اسے چھڑائے گا یا اس کا ظُلم اسے عذاب میں مبتَلا کریگا۔"

(السنن الکبریٰ للبیھقی ج ۳ ص ۱۲۹)

(6) (دعائے مصطَفٰے صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہ وسلم)" اے اللہ ! جو شخص اس اُمّت کے کسی مُعاملے کا نگران ہے پس وہ ان سے نرمی برتے تو تُو بھی اس سے نرمی فرما اور ان پر سختی کرے تو تُو بھی اس پر سختی فرما۔" (کنزالعُمّال ج ٦ ص ۸۰)

(7) "اللہ تعالیٰ جس کو مسلمانوں کے اُمُور میں سے کسی مُعامَلے کا نگران بنائے پس اگر وہ ان کی حاجتوں ، مفلِسی اور فقَر کے درمیان رکاوٹ کھڑی کر دے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی حاجت ، مفلِسی اور فقَر کے سامنے رُکاوٹ کھڑی کرے گا۔" (الترغیب و الترھیب ج ۳ ص ۱۷۷)

(8) "جو شخص رَحم نہیں کرتا ، اُس پر رَحم نہیں کیا جاتا۔اللہ تعالیٰ اُس پر رَحم نہیں کرتا جو لوگوں پر رَحم نہیں کرتا۔"(مشکوٰۃ المصابیح باب البِرِّوَالصِّلۃ ص۴۲۱)

(9)حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضورسرورِکونین صَلَّی اللہ تَعَالیٰ علیہ وَالہٖ وَسلَّم نے ارشاد فرمایا، "تم میں سے کوئی شخص کامل مومن نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ وہ اپنے دوسرے مسلمان بھائی کیلئے بھی وہی پسند کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔" (مسلم ،کتاب الایمان ، باب الدلیل علی ان من خصال الایمان ان یحب لاخیہ ، رقم ۴۵، ص۴۲)

***

نگران اور ممبران کو کن خصوصیات کا حامل ہونا چاہیئے۔

استقامت اور ثابت قدمی ،فراست ۔علمائے کرام سے مشورہ۔ تجربہ کار ہونا۔ اپنی پسند اور نا پسند کی نفی ۔ مشاورت سے امیر مقرر کرنا۔ لوگوں کی رائے کا احترام کرنا۔ امیر کا عاجز اور صاحب اخلاص ہونا۔ امین اور ایماندار ہو کر کام کرنا اپنی عادت بنائیں ۔خادم بن کر کام کریں ۔ مشکلات درپیش ہونے کی صورت میں صلوٰۃ الحاجات ،وغیرہ کا اہتمام کرنا ۔دھڑے بازی اور گروپ بازی سے پرہیز کریں۔اختلاف کی صورت میں حسن اخلاق سے کام لیں۔ہر قسم کی بے احتیاطی سے پرہیز کریں۔ ذاتی غرض کی وجہ سے کسی بھی سنی کو اپنا مخالف نہ بنائیں ۔ روز کا م روز کے فارمولے پر کام کیا جائے ، کل کوئی اور کام ہو گا۔ ایسا کام نہ کیا جائے جسکی وجہ سے تحریک پر کوئی انگلی اٹھائے۔ تنظیمی کاموں کی تقسیم کاری کی ضرورت۔ فرصت کے اوقات دفتر میں دینااور تنظیمی کاموں کو انجام تک پہچانا۔ اکابر کے فضائل اور قربانیوں کا ذکر کرنا۔ ریاکاری اور بخل سے اجتناب ۔احساس ذمہ داری پیدا کرنا۔احساس ذماداری۔ان تمام خصوصیات کا حصوق کامیابی کیلئے نہایت ضروری ہے۔

ذمہ داران کیلئے ہدایت تحریک کے عملی کاموں کے متعلق

جس کام کی رغبت ہو دوسروں کو ترغیب دینا۔ آپس کے اختلاف میں علمائے کرام کی خدمت میں حاضر ہونا

چندے کے متعلق اہم ہدایات اور چند احتیاطیوں کا جاننا بھی ضروری ہے۔وقت کی تقسیم کار جانتا ہو

ہفتہ وار مہم کاوقت اور اہداف مقرر کرنا اور انھیں حاصل کرنے کیلیئے مناسب اقدامات کرنا۔ قائدین کی آواز پر لبیک کہنا۔ تحریکی اور اصلاح کیلیئے حضرت علامہ خادم حسین رضوی اور دیگر علمائے اہلسنت کے خطبات سننااور انہیں عام کرنا۔

جن کا بیان ہوا ان پر عمل کر کے ہم بہت جلد اپنے اہداف حاصل کر سکتے ہیں۔

***

تحریک کے کارکنان کے لیے چند ضروری نصیحتیں

مثالی نصیحت :

ایک دن خلیفۃ المسلمین فاروقِ ثانی حضرت سیدناعمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ محترمہ نے آپ سے عرض کی،" مجھے کچھ نصیحت فرمایئے۔"تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا

"سنو!جب میں نے دیکھا کہ اس امت کے ہر سرخ و سفید کی ذمہ داری میرے کندھوں پر ڈال دی گئی ہے توجھے فوراًدُور دراز کے شہروں اور زمین کے اطراف و اکناف میں رہنے والے بھوک کے مارے ہو ئے فقیروں ،بے سہارا مسافروں ،ستم رسیدہ لوگوں اور اس قسم کے دوسرے افراد کا خیال آیا اور میرے دل میں یہ احساس پیدا ہوا کہ قیامت کے دن اللہ عزوجل مجھ سے میری رعایا کے بارے میں باز پُرس فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ کے پیارے حبیب ،حبیبِ لبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان تمام لوگوں کے حق میں میرے خلاف بیان دینگے۔یہ سوچ کر میرے دل پر ایک خوف طاری ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں میرا کو ئی عذر قبول نہیں

فرمائے گا اور میں اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حضور کسی قسم کی صفائی پیش نہیں کر سکوں گا ۔یہ سوچ کر مجھے خود پر ترس آتا ہے اور میری آنکھوں سے آنسوؤں کا سمندر امنڈ آتا ہے۔اس حقیقت کو میں جتنا یاد کر تا ہوں، میرا احساس اتنا ہی بڑھتا چلا جاتاہے۔"

پھر آپ نے اپنے بچوں کی امّی سے مخاطب ہوکر فرمایا،" اب آپکی مرضی ہے اس سے نصیحت حاصل کریں یا نہ کریں۔"(تاریخ الخلفاء،ص۱۸۹)

***

تحریک کے کاموں میں سب سے بڑی رُکاوٹ

تحریک کے کاموں کی تقسیم کے بہترین اور عمدہ نتائج کے حصول میں سب سے بڑی رُکاوٹ تساہل یعنی سُستی و غفلت بھی ہے۔یاد رکھئے! تساہل ایک مُوذِی(مُو۔ذی)یعنی تکلیف پہنچانے والا مرض ہے جس کا اپنی ذات سے دُور کرنا بے حد ضروری ہے۔اِس مرض سے غیر ذمہ داری کے جراثیم پر ورش پاتے ہیں ،جس کے سبب سخت تنظیمی نقصان کا اندیشہ رہتا ہے۔بہتر طریقہ:

روز کا کام روز کل نیا کام ہو گا۔ کے فارمولے پر عمل کریں۔

کارکنان ذمہ داران ہمیشہ سستی اور غفلت سے پرہیز کریں۔

ایک شخص کو گھر کی نگہداشت کی ذِمّہ داری دی گئی ،وہ رات کو چولھا جلتا چھوڑ کر سوگیا۔رات آگ نے پورے گھر کو جلا کر راکھ کردیا۔اب اگر وہ کہہ دے کہ میں کیا کرتا میں تو سویا ہوا تھا ،مجھے کیا معلوم آگ کس طرح لگ گئی۔یقینا اِس کا یہ عُذر قبول نہیں کیا جائیگا بلکہ اِس کو یہ بات باور کرائی جائیگی کہ آپ پہلے آگ بجھاتے پھر سوتے۔کاش!غفلت و سُستی سے چھُٹکارا نصیب ہو جائے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْعِجْزِ وَالْکَسَلِ۔

ترجمہ:اے اللہ عَزَّوَجَلَّ میں کمزوری و سُستی سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔

ضیاعِ اوقات کے چندا مور۔

(۱) بے جا ٹیلیفون(موبائل) کا اِستعمال ۔

(۲) لوگوں سے غیر ضروری میل جول۔

(۳) فُضُول کلام کی عادتِ بَد۔

(۴) اپنے روزمَرّہ کے معمولات کا جائزہ نہ لینا ۔

(۵) خلوت نشینی سے اِجتناب۔

(۶) جلد بستر نہ چھوڑنے کا مَرَض۔

(۷) "پھر کبھی"والا مزاج۔

(۸) اپنی ذات میں تنظیم کی کمی ۔

(۹) اپنے جذبات پر قابو نہ ہونا۔

(۱۰) گِردوپیش کے ماحول اور لوگوں کی ذہنی سَطْح کو سمجھنے کی صلاحیت کا نہ ہونا۔

(۱۱)روز کاکام روزنہ کرنا، آج کاکم کل پرٹالنااور احساس ذمہ داری سے بھاگنا۔

تجربہ کار ہونے کیلئے چند تجاویز

1- بذات خود کام کرناجس سے تجربہ بھی ہوجائے گااور عزت بھی حاصل ہوگی۔

2- بلند حوصلہ سے کام کرنا،ہمت نہ ہارنا۔

3- کام کرنے سے خود اعتمادی کا حاصل ہونا۔

4- صلاحیتوں کے مطابق کام کرنا عہدوں کی تقسیم مناسب کرنا۔

5- مشکل کام کو گروپ یا ٹیم ورک میں کام کرنا۔

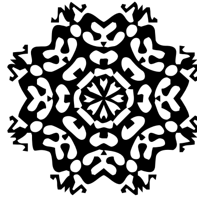
6- علی صبح اپنا کام شروع کرنا۔

7- اشتہارات اور پینا فلکس لگانے کا کام رات کے پچھلے پہر کریں۔

8- اپنے کاموں کو خود اکیلے کریں اور دوسروں پر بوجھ نہ بنیں۔

حضرت سَیِّدُنَا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کے کام کرنے کا انداز یقیناکامِل و اَکمل تھا۔آپ رضی اللہ تعالی عنہ کے دیئے ہوئے اُصولوں پر عمل آج بھی جاری ہے ، آپ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں **"کسی ایسے شخص کو کوئی ایسا کام سِپُرد نہ کیاجائے کہ جس کے کرنے کی اُسے رَغبت نہ ہو اور جس کے بارے میں وہ پوری طرح مطمئِن نہ ہو (سِوائے مجبوری کے)تاکہ کارکردگی بہتر ہو۔"** تقسیم کاری کے عمل کو بہتر بنانے اور اِس سے بہتر نتائج حاصل کرنے کے لئے ایک اور اہم تقاضا یہ بھی ہے کہ صلاحیتوں کے مُطابِق تقسیم کی جائے۔یعنی تحریک کے بھائیوں کی دِلچسپی ، تَجُرِبات اور قابِلیت کے مُطابِق انہیں تحریک کا کام سِپُرد کیا جائے۔آخر میں میں دعاگو ہوں کہ اللہ اس **"تحریک لبیک پاکستان"** کے ساتھ کارکنان اور ذمہداران کو ایلکشن میں نتائج کی بہتری کے ساتھ ساتھ اُس کی تنظیمی صلاحیتوں کو بھی نکھار نصیب ہو۔آمین۔

* *



بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

اس تکوینی نظام کو چلانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے روز ازل سے لیکر آج تک اور آج سے لیکر قیامت تک کے لئے انسان کو خلیفۃ فی الارض بنا کر بھیجا، انسانوں کی رہنمائی اور دنیاوی نظام کو چلانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء ورسل کو ایک ضابطہ حیات ایک قانون دیکر مبعوث فرمایا تاکہ انسان عدل وانصاف و بھائی چارگی ساتھ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی پوری پوری پاسداری کرتے ہوئے آزادانہ زندگی گزاریں، اور اس کو علم کی دولت سے سرفراز فرمایا تاکہ اچھے برے کی تمیز کرسکے اور کسی کے ساتھ ناانصافی نہ ہو، اور دنیامیں امن سکون رہے کسی کی حق تلفی نہ ہو، جیساکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا۔

اسلام میں انسانوں میں کوئی تقسیم نہیں کوئی انسان کسی جغرافیائی علاقے سے تعلق رکھتا ہو، رنگ اس کا کوئی سا بھی ہو، وہ تعلیم یافتہ ہو یا جاہل، دولت مند ہو یا نان شبینہ کا محتاج، انسان ہونے کے اعتبار سے وہ اسی زنجیر کی ایک کڑی ہے جسے ہم نوع انسانی کہتے ہیں۔ انسانی حقوق میں رنگ و نسل اور جغرافیہ کے حوالے سے کوئی فرق نہیں۔ جو حقوق ابوبکر و عمر (رض) کو خالص عرب ہونے کے لحاظ سے حاصل ہیں وہی حقوق بلال حبشی، صہیب رومی، حسن بصری اور سلمان فارسی کو حاصل ہیں۔

انسان اور کسی جن کو انسان اور جن ہونے کے لحاظ سے تو کسی پر کوئی برتری نہیں، البتہ ان میں اگر کوئی فرق ہو سکتا ہے تو وہ ان کے حاکم حقیقی کے اعتبار سے ہو سکتا ہے۔ جس طرح کسی ملک میں رہنے والے شہری، اس وقت تک سب برابر ہیں۔ جب تک وہ اس ملک کے اقتدار کو تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن جب ان میں سے کوئی اس ملک کی مقتدر ذات کا انکار کر دیتا ہے، تو وہ فوراً دوسروں سے الگ ہو جاتا ہے۔

ملک کا قانون حرکت میں آتا ہے اور اب انکار کرنے والے کے ساتھ بالکل مختلف سلوک ہوتا ہے۔ یہی حال اس زمین پر بسنے والوں کا بھی ہے کہ ان میں سے جو لوگ اللہ کی حاکمیت کو اور اس کے دیئے ہوئے قانون کو تسلیم کر کے مومن بن جاتے ہیں۔ تو وہ اللہ کے پسندیدہ بندے ٹھہرتے ہیں اور جو اسے ماننے یا اس کے قانون کو ماننے سے انکار کر دیتے ہیں، تو انہیں منکر اور باغی قرار دے کر اپنے پسندیدہ اور فرماں بردار بندوں سے الگ کر دیا جاتا ہے۔ پیش نظر آیات میں اسی بنیادی حقیقت کے اعتبار سے انسانوں کی تقسیم کی گئی ہے۔ ہمارے تمام مسائل کا حل دین اسلام میں ہے افسوس کہ ہم یہود و نصاریٰ کے بنائے ہوئے قوانین اور دیگر سائنسی ایجادات کی وجہ سے ان کی طرف میلان رکھتے ہیں، مگر ہمیں دوبارہ دین کو مکمل اپنا کر اس کو تخت پر لانا ہوگا۔ اور چور لوٹیروں سے اور غداروں سے ملک کو بچانا ہوگا۔

اللہ رب العزت ہم کو اپنی بندگی اور مخلوقِ خدا کی خدمت کی توفیق عطافرما کر ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطافرمائے، بروز محشر آقا ﷺ کی شفاعت نصیب فرمائے وطن عزیز پاکستان کو امن وسلامتی کا گہوارہ بنائے۔ ملک پاکستان میں نظام مصطفی ﷺ نافذ فرمائے۔ مسلمانوں کو آپس میں اتفاق واتحاد نصیب فرمائے۔ اللہ رب العالمین آقائے دوجہاں سرور کون ومکاں ﷺ کی سچی اور پکی غلامی نصیب فرمائے۔ کفار ومشرکین، منافقین، حاسدین اور غداروں کی سازشوں کے مقابلے مسلمانوں۔ کو اتفاق واتحاد سے انکا مقابلہ کرنے اور دین اسلام کو نافظ فرمانے کیلئے پیش خدمت حضور ﷺ کے غلاموں کا دونوں جہانوں میں بول بالا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الامین

اللہ ہم سب کو اس کاوش میں کامیاب فرمائے اور ہماری غیب سے مدد فرمائے۔ آمین۔

حصہ اول

امیدوار کی شرعی حثیت

طلب منصب کی تحقیق

ہمارے ملک میں طریق انتخاب کی یہ بہت بڑی خامی ہے کہ قومی یا صوبائی اسمبلی کی نشست کیلیے ہر امیداوار از خود کھڑا ہوتا ہے۔ حالانکہ اسلام میں از خود عہدہ کی طلب کرنا ممنوع ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری ۲۶۱ھ کی روایت

حضرت ابو موسیٰ اشعری (رض) بیان کرتے ہیں کہ میں اور میرے دو عم زاد نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ! اللہ نے جن چیزوں پر آپ کو ولایت دی ہے' ان میں سے بعض پر ہمیں امیر بنادیں' دوسرے نے بھی اسی طرح کہا : آپ نے فرمایا بخدا ! ہم اس شخص کو کسی منصب پر امیر نہیں بنائیں گے جو اس کا سوال کرے گا' اور نہ اس کو جو اس کی حرص کرے گا۔ (صحیح مسلم' ج ۳' رقم الحدیث : ۱۷۳۳' مطبوعہ دارالفکر' بیروت)

صحيح البخاري: كِتَابُ الأَحْكَامِ بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ الحِرْصِ عَلَى الإِمَارَةِ

7149. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ العَلَاءِ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدٍ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا وَرَجُلَانِ مِنْ قَوْمِي فَقَالَ أَحَدُ الرَّجُلَيْنِ أَمِّرْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَقَالَ الآخَرُ مِثْلَهُ فَقَالَ إِنَّا لَا نُوَلِّي هَذَا مَنْ سَأَلَهُ وَلَا مَنْ حَرَصَ عَلَيْهِ۔

حکم: صحيح

ترجمہ :

ہم سے محمد بن علاء نے بیان کیا، کہا ہم سے ابواسامہ نے بیان کیا، ان سے بریدہ نے، ان سے ابوبردہ نے اور ان سے ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنی قوم کے دو آدمیوں کو لے کر حاضر ہوا۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ یا رسول اللہ ! ہمیں کہیں کا حاکم بنادیجئے اور دوسرے بھی یہی خواہش ظاہر کی۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :

"ہم ایسے شخص کو یہ ذمہ داری نہیں سونپتے جو اسے طلب کرے اور نہ اسے دیتے ہیں جو اس کا حریص ہو"۔

اعتراض:

حضرت یوسف (علیہ السلام) نے (عزیز مصر سے) کہا' ملک کے خزانے میرے سپرد کردیجئے میں حفاظت کرنے والا بھی ہوں اور علم بھی رکھتا ہوں۔

پہلا جواب:

یہ استدلال اس لیے صحیح نہیں ہے کہ یہ شریعت سابقہ ہے اور شریعت سابقہ کے جو احکام ہماری شریعت کے خلاف ہوں' وہ ہم پر حجت نہیں ہوتے۔ ہمارے لیے یہ حکم ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا بخدا ہم اس شخص کو عامل نہیں بنائیں گے جو اس کو طلب کرے گا اور نہ اس شخص کو عامل بنائیں گے جو اس کی حرص کرے گا۔

دوسرا جواب:

یہ ہے کہ حضرت یوسف (علیہ السلام) نبی تھے اور نبی کا تقویٰ قطعی اور یقینی ہوتا ہے' نبی کو وحی کی تائید حاصل ہوتی ہے' اور وہ اپنے افعال کے متعلق اللہ کی رضا سے مطلع رہتے ہیں' جبکہ عام آدمی کا تقویٰ قطعی اور یقینی نہیں ہوتا اور غیر قطعی کو قطعی پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت یوسف (علیہ السلام) کا عہدہ طلب کرنا اللہ تعالیٰ کی اجازت سے تھا' جو ان کو وحی سے حاصل ہوئی اور عام آدمی کے حق میں یہ متصور نہیں ہے۔

خدمت کے لیے منصب کو طلب کرنا

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب کوئی منصب کا اہل ہو' اس کا محض خدمت کے لیے منصب کو طلب کرنا ضرورت کی بناء پر جائز ہے۔ ہمیں اس قاعدہ کی صحت سے انکار نہیں ہے' لیکن جو چیز ضرورت کی بنا پر جائز کی گئی ہو' اس کو صرف ضرورت کی حد تک محدود رکھنا صحیح ہے۔ اس کو عام رواج اور معمول بنالینا صحیح نہیں ہے' مثلاً جب کوئی حلال چیز کھانے کے لیے دستیاب نہ ہو تو ضرورت کی بنا پر شراب اور خنزیر کی حرمت ساقط ہو جاتی ہے' لیکن اگر کوئی شخص ضرورت کے حوالے سے خنزیر اور شراب کو کھانے پینے کا عام معمول بنالے' تو یہ صحیح نہیں ہے۔

موجودہ طریقہ انتخاب کا غیر اسلامی ہونا

پاکستان میں انتخاب کے موقع پر ہر حلقہ انتخاب سے بکثرت امیدوار از خود کھڑے ہوتے ہیں اور زر کثیر خرچ کرکے اپنے لیے کنوینسنگ کرتے ہیں اور مخالف امیدوار کی کردار کشی کرتے ہیں اور اس سلسلے میں غیبت' افتراء اور تہمت کی تمام حدود کو پھلانگ جاتے ہیں۔ اور یہ طریقہ اسلام میں بالکل ناجائز ہے' اور ہر امیدوار کے متعلق یہ کہنا کہ یہ ضرورت کی بناء پر کھڑا ہوا ہے' بداہۃ باطل ہے۔ کیونکہ ہر حلقہ انتخاب سے بکثرت امیدوار کھڑے ہوتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے بارے میں یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ چونکہ اور کوئی اہل ہیں تھا' اس لیے یہ سب امیدوار کھڑے ہوگئے ہیں۔

امیدوار کے لیے شرائط اہلیت نہ ہونے کے غلط نتائج:

درحقیقت پاکستان کے آئین میں طلب منصب کی اجازت دینا ہی غیر اسلامی دفعہ ہے۔ جو امیدوار انتخاب کے لیے کھڑے ہوتے ہیں' ان ہی میں سے منتخب افراد آگے چل کر وزیر اعظم' صدر مملکت اور وزراء اعلی کا انتخاب کرتے ہیں اور یہی لوگ اسمبلی میں جاکر کسی قانون کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ ملک کے سربرآوردہ علماء اور دانشوروں پر مشتمل اسلامی نظریاتی کونسل اتفاق رائے سے کسی قانون کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کرتی ہے' لیکن وہ اس وقت تک نافذ نہیں ہوسکتا جب تک کہ قومی اسمبلی اس کو منظور نہ کرے اور قومی اسمبلی کے ممبروں کے لیے اسلامی علوم یا مروجہ علوم میں کسی علم کی کوئی شرط نہیں ہے۔ نیکی اور تقوی کی مبہم شرائط رکھی گئی ہیں اور ان کا دیانت داری سے متعلقہ امیدواروں پر اطلاق بھی نہیں کیا جاتا۔ حال ہی میں صدر مملکت چیف الیکشن کمشنر اور بالواسطہ طور پر کہہ چکے ہیں کہ ان کا اطلاق کون کرے گا؟ اور کبھی وہ کہتے ہیں کہ ایسے کڑے معیار پر کون اترے گا؟ گویا وہ بالواسطہ طور کہہ رہے ہیں کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور کی دفعات ۶۲ اور ۶۳ ناقابل عمل ہیں۔ نیز سیاسی تجربہ اور تدبر کی حتی کہ مرد ہونے کی بھی کوئی شرط نہیں ہے۔ دفتر میں کلرک بھرتی ہونے کے لیے بھی کم از کم میٹرک پاس ہونے کی شرط ہوتی ہے۔ بس چلانے والے ڈرائیور کے لیے بھی تجربہ کی شرط ہوتی ہے لیکن اس ملک کو چلانے کے لیے امیدواروں کے علم اور تجربہ کی کوئی شرط نہیں ہے۔ ہر فاسق وفاجر' جاہل اور ناتجربہ کار شخص خواہ مرد ہو یا عورت' انتخاب کے لیے کھڑا ہوسکتا ہے اور پیسہ اور اثر ورسوخ کے زور پر اسمبلی میں پہنچ کر صدر مملکت' وزیر اعظم' وزیر اعلی یا کسی بھی محکمہ کا وزیر بن سکتا ہے۔ اور وہ دینی علم' تجربہ اور اچھے کردار کے بغیر بھی اسلامی نظریاتی کونسل کی پیش کردہ سفارشات کو مسترد کرسکتا ہے' اور کسی بھی قانون کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کرسکتا ہے۔ مدت حکومت ختم ہونے سے قبل تمام ممبران قومی اسمبلی نے بڑی عیاری سے اپنے مفاد کیلئے الیکشن کمیشن کے رائج شدہ فارم میں تحریف کرتے ہوئے اپنے لیئے راہ ہموار کی مگر سپریم کورٹ کے حکم پر یہ مسلہ حل ہوا۔

اسلام میں از خود کھڑے ہونے والے کی شرائط

اسلام میں امیدوار اسمبلی کے لئے شرائط

امیدوار انتخابات کی اہلیت کے لیے سات شرطیں معتبر ہیں :

علامہ ابوالحسن علی ماوردی متوفی ۴۷۶ھ لکھتے ہیں :

(۱)۔وہ شخص مسلمان ہو اور فرائض اور واجبات پر دائماً عمل کرتا ہو، سنن اور مستحبات پر بکثرت عمل کرتا ہو اور محرمات اور مکروہات تحریمیہ سے دائماً اجتناب کرتا ہو اور مکروہات تنزیہہ سے بکثرت بچتا ہو۔

(۲) اس کو اس قدر علم حاصل ہو جس سے وہ پیش آمدہ مسائل کو حل کرنے کے لیے اجتہاد کر سکتا ہو۔

(۳) اس کے حواس سلامت ہوں، یعنی سماعت، بصارت اور گویائی پوری طرح کام کرتی ہو۔

(۴) اس کے اعضاء صحیح اور سلامت ہوں تاکہ وہ بخوبی کام کر سکے۔

(۵) وہ صاحب رائے ہو جس سے وہ ملک کے داخلی اور خارجی مسائل کی پیچیدہ گتھیوں کو سلجھا سکے۔

(۶) وہ شجاع اور بہادر ہو تاکہ ملت بیضاء کی حفاظت اور دشمنوں سے جہاد میں دلیری سے حصہ لے سکے۔

اضافی شرط

وہ شخص نسباً قریش ہو کیونکہ بکثرت احادیث میں اس کی تصریح ہے اور مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے۔

(الاحکام السلطانیہ ص ۶، مطبعۃ المصطفیٰ البابی، مصر، ۱۳۹۳ھ)

تبصرہ:

کسی ایک ملک کے سربراہ کے تقرر کے لیے یہ شرائط نہیں ہیں، ہمارے زمانے میں بعض ثقہ علماء نے بھی اس معاملہ میں دھوکا کھایا اور خلافت کبریٰ کی شرائط کو ایک ملک کی سربراہی پر محمول کیا اور مملکت پاکستان کی سربراہی کے لیے بھی قریشی ہونے کو لازمی شرط قرار دیا، حالانکہ قرشی ہونا تمام عالم اسلام کی سربراہی کے لیے شرط ہے، کسی ایک ملک کی سربراہی کے لیے قرشی ہونا شرط نہیں ہے۔اخذ سعیدی، تبیان القرآن

علامہ تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ کی نظر میں امیدواروں کیئے شرائط

علامہ تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ نے ان شرتوں کے علاوہ کچھ مزید شرطیں بھی بیان کی ہیں اور وہ یہ ہیں:

(۱) وہ شخص آزاد ہو، کیونکہ غلام اپنے مولیٰ کی خدمت میں مشغول رہتا ہے اور لوگوں کی نگاہوں میں حقیر ہوتا ہے۔

(۲) وہ شخص مرد ہو، کیونکہ (حدیث صحیح کے مطابق) عورتیں ناقصات عقل اور ناقصات دین ہیں۔

(۳) وہ شخص عاقل اور بالغ ہو کیونکہ بچہ اور مجنون ملک اور عوام کی مصلحتوں کو سمجھنے اور ان میں تصرف کرنے سے قاصر ہے۔

(۴) خلیفہ کے لیے معصوم ہونا شرط نہیں ہے، کیونکہ خلفاء راشدین معصوم نہیں تھے۔

(۵) خلیفہ کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے تمام لوگوں سے افضل ہو کیونکہ حضرت عمر (رض) نے انتخاب خلیفہ کے لیے چھ شخص مقرر کیے تھے اور ان میں بعض، بعض سے افضل تھے۔

امیدوار کو ہر پہلو سے دیکھے پھر انتخاب کرے۔

ووٹ ڈالنے سے پہلے یہ سوچ لینا چاہیئے کہ کیا یہ میرا یہ منتخب امیدوار جس کے حق میں میں فیصلہ دے رہا ہوں اسلامی وانسانی زندگی کے ان تمام منزلوں میں درست ہے، ایسا نہ ہو کہ معاشرے کے ایک رخ کے لیے درست ہو اور باقی کے لیے غلط ہو اور یہ بھی ضروری ہے کہ امیدوار کا انتخاب انسان کے انفرادی کردار کے لحاظ سے بھی درست ہو اور اجتماعی ملکی واسلامی لحاظ سے بھی بہترین ہو اور ظاہری نتائج کے لحاظ سے بھی اور گہرے اور عمیق نتائج کے لحاظ سے بھی بہتر ہو۔ لیکن ہمیں انسان کی انفرادی کردار کے ساتھ ساتھ اس انسان کے دین کے بارے میں پتا ہونا چائیئے اور اس کی ایفیلیشن، یا پارٹی رکینت بھی دیکھنی ہوگی کہ کیا اس امیدوار کی رکنیت ایسی پارٹی کے ساتھ تو نہیں جو کہ اسلام دشمن اور ملک دشمنی میں کوئی منفی کردار رکھتی ہے۔

وہ امیدوار جن کو منتخب نہ کیا جائے چند مثالیں:

منتخب کرنے والے امیدوار کا تعلق ایسی سیاسی پارٹی سے نہ ہو جو ختم نبوت اور سرکار ﷺ کی ناموس کی غداری میں مشہور ہو کا سہولت کار رہا ہو؟

مثلاً اگر کسی امیدوار کا تعلق ایسی سیاسی پارٹی سے ہو جو سود کے جواز اور رضامندی کے قائل ہوں۔

منتخب کرنے والے امیدوار کا تعلق ایسی سیاسی پارٹی سے نہ ہو جو ہم جنس پرستی یا بچوں کے ساتھ زنا اور لواطت کے مکروہ کام میں تو ملوس ہو

منتخب کرنے والے امیدوار کا تعلق ایسی سیاسی پارٹی سے نہ ہو جو کہ کرپشن اور ملکی سلامتی پر سودے بازی اور غداری میں مشہور ہو۔

حاصل کلام

مذکورہ بالا تمام گفتگو سے معلوم ہوا کہ اپنے آپ کو عہدہ و منصب کے لئے پیش کرنا، اور قیادت و سیادت، حکومت و امارت کی ذمہ داری کے لئے عوام میں خود کو بحثیت امیدوار پیش کرنا، انتخابات میں خود امیدوار بننا اور عوام کی ذہن سازی کرنا کہ مجھے منتخب کرو، اور یہ اظہار کرنا میں اس عہدے کا مستحق ہوں، اس کے واسطے اشتہار بازی کرنا، اپنی مدح سرائی کرنا، اور مخالف پارٹی کی برائی کرنا کہ وہ اس کا اہل نہیں ہے بلکہ میں ہی اس کا اہل ہوں، میں ہی آپ کے ووٹ کا صحیح حق دار اور مستحق ہوں، لہٰذا مجھے ہی ووٹ دو، یہ طریقہ شریعت کے خلاف ہے، اور قرآن و سنت کے بالکل مخالف ہے۔ اس لئے الیکشن میں اپنے آپ کو نمائندہ بنا کر پیش کرنا از روئے شرع درست نہیں ہے۔ امیدوار وہی صحیح ہے جو شرعی تقاضوں پر پورا اترتا ہو۔

باب دوم

ووٹ کی تعریف اوراسکا شرعی حکم

امیدوار کو منتخب کرنے والوں (ووٹروں) کے لیے شرائط

علامہ ابوالحسن ماوردی نے امیدواروں کو منتخب کرنے والوں کے لیے بھی تین شرطیں مقرر کی ہیں :

(۱) انتخاب کرنے والے عادل ہوں۔

(۲) ان کو اس قدر علم ہو کہ کون شخص منصب کا اہل ہے اور کون نہیں۔

(۳) وہ صحیح رائے اور حسن تدبیر کے حامل ہوں تاکہ وہ صحیح تر اور موزوں تر شخص کو منتخب کرسکیں۔ (الاحکام السلطانیہ ص ٦، مصر، ۱۳۹۳)

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ۭ قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۭ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۭ وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۲۴۷

مال ودولت یااعلیٰ خاندان کا ہونا معیار نہیں

محض مال ودولت یااعلیٰ خاندان کا ہوناہی امارات کے لیے کافی نہیں بلکہ اس کام کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں کچھ اصول مقرر ہیں جن کی بناء پر کسی شخص کو امارات کے عہدے پر فائز کیا جاتا ہے۔سب سے پہلی بات جو پیغمبر نے کہی قال ان اللہ اصطفہ علیکم اس شخص کو اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمایا ہے۔لہٰذا اس میں کسی کے ذاتی اختلاف کو دخل نہیں ہونا چاہیے اور دوسری بات یہ کہ وزادہ بسطۃً فی العلم والجسم اللہ نے اسے علم اور جسم میں وسعت دی ہے یعنی اس میں یہ خوبی ہے کہ وہ علم میں بھی تم سے زیادہ ہے۔اور جسمانی طاقت کے لحاظ سے بھی تم میں سے زیادہ قوی ہے۔ یہاں پر علم سے مراد سیاسی علم یعنی نظام حکومت چلانے کی صلاحیت ہے۔جہاں تک دینی علم کا تعلق ہے وہ تو نبی کے پاس تھا، تاہم اللہ تعالیٰ نے سیاسی علم طالوت کو عطا کیا تھا۔امیر کے لیے جسمانی طور پر صحت مند ہونا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ غیر صحت مند یا بیمار اور لاغر شخص نظام حکومت کو بطریق احسن انجام نہیں دے سکتا۔طالوت تیس سال کا وجیہہ نوجوان تھا۔قدرآور صحت مند تھا۔لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اسے اس کام کے لیے منتخب فرمایا تھا اور اس انتخاب پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا تھا۔جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کو نبی منتخب فرمایا۔اسی طرح اس نے طالوت کو بادشاہت کے لیے منتخب فرمایا۔

ووٹ کی شرعی حیثیت

فی زمانہ الیکشن جمہوری نظام میں ہوتے ہیں۔ جمہوریت کو ایک ایجنڈے کے تحت "عالمی سلوگن" بنادیا گیا ہے اور پوری انسانیت کو باور کروایا گیا ہے کہ ان کی کامیابی و کامرانی اور ان کے تمام بنیادی حقوق کا حصول جمہوری نظام میں پنہاں ہیں۔ یہی کچھ عالم عربی اور مسلم دنیا کے عوام و خواص کے دل و دماغ میں نقش پتھر کی طرح راسخ کیا گیا ہے۔ چونکہ ہم ایک مسلم ریاست کے باسی ہیں اور پھر اسی ریاست کے ایک ایسے خطے کے شہری ہیں جو آج کے جدید دور میں اپنی آئینی و شہری حیثیت سے ناآشنا ہے بلکہ محروم ہے۔اسی خطہ بے آئین میں بہت جلد الیکشن ہونے والے ہیں۔اس لیے ضروری سمجھا کہ عامۃ الناس کو بالعموم اور خاصۃ الناس کو بالخصوص الیکشن، ووٹ، ووٹر، کینڈیڈیٹ کی شرعی حیثیت ، فی زمانہ اس کی افادیت و اہمیت اور جمہوری نظام کی کارستانیوں کے ساتھ اس کے دلکش سلوگن سے بھی آگاہ کروں۔

ووٹ یا الیکشن در حقیقت جمہوری ممالک کے لیے بہت ہی خاص موقع ہوتا ہے۔ چوں کہ انتخابات کے عمل کا سارادار ومدار ووٹ پر ہوتا ہے اس لیے یہ جانالازم ٹھہرتا ہے کہ ووٹ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

یہ جاننااز حد ضروری ہے کہ ووٹ کہا کس چیز کا جاتا ہے یعنی ووٹ کی تعریف کیا ہے۔

A vote is a formal expression of an individual's choice in voting, for or against some motion (for example, a roposed resolution), for or against some ballot question, for a certain candidate, a selection of candidates, or a olitical party.

Encyclopedia of brantica. Refrence

ایک انگلش ڈکشنری میں یوں لکھا دیکھا۔

to express your choice or opinion, especially by officially writing a mark on a paper or by raising your hand or speaking in a meeting:

اکسفرڈ انگلش ڈکشنری سے رجوع کیا تو وہاں ووٹ کی ڈیفینیشن کچھ یوں ملی۔

A formal indication of a choice between two or more candidates or courses of action, expressed typically through a ballot or a show of hands.

بعض مسلم مفکرین اور علماء نے قیاس کے ذریعے موجودہ ووٹ کی شرعی حیثیت بیان کی ہے۔انہوں نے ووٹ کو گواہی یعنی شہادت، وکالت، امانت، مشورہ اور سفارش وغیرہ سے تعبیر کیا ہے چند علما نے ووٹ کی موجودہ تعریف قضا کی بھی کیے۔

ووٹ کی شرعی حیثیت

”ووٹ کی شرعی حیثیت : ووٹ (vote) انگریزی زبان کا لفظ ہے۔اس کا عربی متبادل انتخاب اور تصویت ہے۔جب کہ اس کا اردو متبادل ہے نمائندہ چننا، حق رائے دہی کا استعمال کرنا ہے۔جمہوری ممالک میں پارلیمنٹ اسمبلی، کونسل ،بلدیہ یا اس جیسے اداروں کے لیے عوام کے ذریعہ نمائندہ چننے کا عمل ووٹ پر منحصر ہوتا ہے؛چوں یہ کہ اصطلاح مستحدث اور نئی ہے۔حکومت سازی کے لیے انجام دیا جانے والا یہ عمل چوں کہ عہد سلف میں موجود نہیں تھا،اس لیے اس کا استعمال قرآن وحدیث میں نہیں ہوا ہے،لیکن معنوی اور اصولی طور پر اس کے لیے ذخیرۂ شریعت میں ہدایتیں موجود ہیں۔شرعی نقطۂ نظر سے ووٹ کی متعدد حیثیتیں ہو سکتی ہیں۔(’جمہوری نظام میں الیکشن اور اسلامی نقطہ نظر“)

کیا ووٹ کادین سے کوئی تعلق نہیں

عام طور پر لوگ ووٹ دینے کو ایک ایسا معاملہ سمجھتے ہیں جس کا دین سے کوئی تعلق نہیں مگر ایسا نہیں ووٹ دیا جائے مگر دین کیلئے دین کی سربلندی کیئے جس کی وجہ سے وہ کسی احساس ذمہ داری سے بے خبر اس کو استعمال کرتے ہیں۔بلکہ اکثر اوقات ایسے شخص کے حق میں استعمال کرتے ہیں جو فکر آخرت سے بے خبر ہوتا ہے جس کے اثرات اس دنیا میں بھی سب کو بھگتنے پڑتے ہیں اور آخرت میں بھی اس کی جواب دہی کرنے پڑے گی۔اس لیے ضروری ہے کہ ووٹ کی شرعی حیثیت واضح کردی جائے تاکہ ہر ووٹ دینے والا اس کی اہمیت کو سمجھے اور سوچ سمجھ کر اپنے ووٹ کو دین کی سربلندی اور اسلام کی تقویت کیلئے استعمال کرے۔

ووٹ ایک جدید اصطلاح ھے

ووٹ ایک جدید اصطلاح ہے۔عہدِ رسالت مآب ﷺ، عہدِ خلافتِ راشدہ اور قرونِ اُولیٰ میں اس کے ہم معنی کوئی اصطلاح رائج نہیں ہوئی، یہ جدید جمہوری دور کی اصطلاح ہے۔عہدِ رسالت مآب ﷺ، عہدِ خلافت راشدہ اور بعد کے ادوار میں ہمیں "بیعت" کی اصطلاح ملتی ہے، جو قرآن وحدیث میں بھی مذکور ہے۔عہدِ رسالت میں مختلف مواقع پر بیعت کی مندرجہ ذیل صورتیں ہمیں ملتی ہیں: (1) قبولِ اسلام کے لیے "بیعت علی الاسلام"، (۲) ہجرت کے موقع پر "بیعت علی الہجرۃ"، (۳) جہاد کے موقع پر "بیعت علی الجہاد"، سلمہ بن اکوع سے نبی ﷺ نے دو مرتبہ جہاد پر بیعت لی۔یزید بن ابی عبید کہتے ہیں: میں نے سلمہ سے کہا: آپ کس چیز پر بیعت کرتے تھے،انہوں نے کہا: موت پر، (صحیح البخاری:4169)"۔(۴) ایک بیعت مُحرَّمات ومُنکَرات کے ترک کرنے اور مامورات پر عمل کرنے کے بارے میں تھی، جو الممتحنہ :12 میں مذکور ہے اور اسے "بیعتِ مومنات" بھی کہا جاتا ہے، مگر یہ مومنات کے ساتھ خاص نہیں ہے، عبادہ بن صامت بیان کرتے ہیں کہ ہم نے بیعتِ عقبہ اُولیٰ کے موقعے پر رسول اللہ ﷺ سے

عورتوں والی بیعت کی، کیونکہ اس وقت تک جہاد فرض نہیں ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد بیعتِ امارت یا بیعتِ خلافت تھی، جو کئی صدیوں تک رائج رہی۔

ووٹ قضا اور فیصلہ ہے

قضاکی تعریف:

(آیت)''ولایجرمنکم شنان قوم علی ان لاتعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی''۔(المائدہ:۸)

ترجمہ : کسی قوم کی عداوت تمہیں بے انصافی پر نہ ابھارے۔ تم عدل کرتے رہو' وہ خوف خدا کے زیادہ قریب ہے۔

طالب علم کا پرچہ چیک کرکے جو نمبر لگاتا ہے وہ اس کی قضا اور فیصلہ ہے۔ اسی طرح جو افسر گاڑی کی فٹ نیس کا سرٹیفکیٹ دیتا ہے' یا میٹر کو صحیح قرار دیتا ہے' یہ اس کی قضا اور فیصلہ ہے اور ڈاکٹر جو سرٹیفکیٹ دیتا ہے یہ اس کی ماہرانہ رائے ہے۔ یہ تمام امور مشابہ بالقضاء ہیں' شہادت نہیں۔ پس دینے کے لیے ضروری ہے کہ وہ کہے میں شہادت دیتا ہوں جیسا کہ ہم عنقریب باحوالہ بیان کریں گے۔ اس لیے اگر یہ لوگ غلط فیصلہ کریں گے اور خلاف واقعہ تحریر کریں گے' تو عدل کے خلاف ہوگا' اور ظلم اور جھوٹ ہوگا' اور یہ کام موجب لعنت ہیں اور گناہ کبیرہ ہیں' لیکن یہ شہادت کی تعریف میں نہیں آتے۔ اب ہم آپ کے سامنے شہادت کی تعریف اور ارکان بیان کر رہے ہیں۔

بحوالہ : تبیان القرآن، غلام رسول سعیدی

مفتی منیب الرحمٰن صاحب کا موقف

ہماری رائے میں مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر ووٹ کی یہ حیثیتیں محلِ نظر ہیں: جس قضا یا عدالت میں گواہی دی جاتی ہے، اُسے اُس کے ردّ و قبول کا اختیار ہوتا ہے،

جبکہ جائز ووٹ کو الیکشن کا عملہ یا ریٹرننگ آفیسر رد نہیں کرسکتا۔ اسی طرح کسی کے حق میں سفارش کی جائے، تو جس کے پاس سفارش کی جارہی ہے، شریعت کی رُو سے اُسے اُس کے رد و قبول کا اختیار ہوتا ہے، جو حدیثِ پاک سے ثابت ہے، لیکن پولنگ اسٹیشن کا پریذائیڈنگ آفیسر یا عملہ یا ریٹرننگ آفیسر ازروئے قانون کسی جائز ووٹ کو رد کرنے کا اختیار نہیں رکھتے۔

اسی طرح موکّل اپنے وکیل کو معزول کرنے کا اختیار رکھتا ہے، جب کہ ووٹ دیتے ہی موثر ہو جاتا ہے، اس کے بعد ووٹر نہ اپنے امیدوار کو معزول کر سکتا ہے اور نہ اپنے ووٹ کو منسوخ کر سکتا ہے۔

منتخب امیدوار کی نااہلی کو جانچنے اور نااہلی کی بنیاد پر معزول کرنے کا اختیار الیکشن کمیشن یا الیکشن ٹریبونل یا اعلیٰ عدالتوں کے پاس ہوتا ہے، ووٹرز کے پاس نہیں ہوتا۔

پس ہماری رائے میں ووٹ قضا ہے، جس طرح ہمارے نظامِ عدالت میں ماتحت عدالتوں میں ایک جج فیصلہ کرتا ہے، مگر ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ میں فیصلہ کبھی ایک جج کرتا ہے، اسے Single Bench کہتے ہیں، کبھی دو یا تین جج کرتے ہیں، اسے Small Bench کہتے ہیں، کبھی اس سے زیادہ جج کرتے ہیں، اسے Larger Bench کہتے ہیں اور اگر کبھی عدالت کے تمام جج صاحبان کسی مقدمے کا فیصلہ کرنے بیٹھ جائیں، تو اسے Full Court کہتے ہیں۔ دو ججوں کی رائے مختلف ہو جائے تو ریفری جج مقرر کیا جاتا ہے، دو سے زیادہ ججوں پر مشتمل بنچ کی صورت میں اگر ان کے درمیان اتفاقِ رائے نہ ہو سکے تو کثرتِ رائے سے فیصلہ ہوتا ہے۔ لہٰذا ایک حلقۂ انتخاب میں کل ووٹروں کی مثال ایک جیوری یا عدالت کی ہے، اگر ووٹ از روئے قانون درست ہے، تو اُسے کوئی رد نہیں کر سکتا، اگر کرے گا تو عدالت میں چیلنج کیا جا سکتا ہے۔

ملکی قانون میں انتخاب کے موقع پر جو ووٹر انتخاب میں حصہ نہیں لیتے، وہ اپنے حقِ قضا سے محروم ہو جاتے ہیں اور جو حصہ لیتے ہیں، اُن کی رائے قضا میں شامل ہوتی ہے اور فل کورٹ کی طرح اکثریت کا فیصلہ جس امیدوار کے حق میں آئے، وہ منتخب ہو جاتا ہے۔

امیدوار کو کسی بھی درجے کے امتحان یا کسی منصب کے امتحان میں کامیاب یا ناکام قرار دینا بھی قضا ہے، اسی طرح وفاقی اور صوبائی پبلک سروس کمیشن یا کسی بھی سلیکشن بورڈ کی حیثیت بھی قضا کی ہے۔

پس جب ووٹرز کے پاس منصبِ قضا آئے اور وہ عدل پر مبنی فیصلے نہ کریں، تو اُن کا یہ توقع رکھنا عبث ہوگا کہ جس امیدوار کے بارے میں انہوں نے فیصلہ کرتے وقت اپنے آپ پر اور پوری قوم پر ظلم کیا ہے، وہ عدل کا علمبردار ہوگا، یہ ببول کا درخت لگا کر گلاب کے پھولوں یا انگور کے خوشوں کی تمنّا کرنے کے مترادف ہے۔ مفتی منیب الرحمٰن صاحب، نوائے وقت اخبار ۲۲ نومبر

بیعتِ عام مسجد نبوی میں اور خلفائے راشدین کے دور میں

خلفائے راشدین بیعتِ عام مسجد نبوی میں لیتے تھے، اُس کی حیثیت آج کے Vote of Confidence کی تھی۔ فرق یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بیعت غیر مشروط تھی، انبیائے کرام اللہ تعالیٰ کے چنیدہ ہوتے ہیں اور اُن کے علم کا منبع وحیِ ربّانی ہوتا ہے، لہٰذا اُن کے فرامین کو رد کرنے کا اختیار کسی کے پاس نہیں ہے، جبکہ اُولی الامر یا حاکمِ وقت کی اطاعت قرآن وسنت کی موافقت کے ساتھ مشروط ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "پس اگر تمہارا ان سے کسی چیز میں اختلاف ہو جائے، تو اُس (درپیش مسئلے) کو اللہ اور اس کے رسول (یعنی قرآن وسنت) کی طرف لوٹا دو، (النسآء: 59)"۔ اللہ تعالیٰ کی منشا قرآن سے اور رسول اللہ ﷺ کی منشا حدیث سے معلوم ہوگی، یہ بات ذہن میں رہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی منشا

ایک دوسرے کی ضد نہیں ہیں، بلکہ ایک ہی ہیں۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اور جس نے رسول کی اطاعت کی، اُس نے (در حقیقت) اللہ (ہی) کی اطاعت کی، (النسآء: 80)"، ہمارے موجودہ دستوری نظام میں بھی حاکم کا حکم اگر آئین وقانون کے خلاف ہو، تو اُسے عدالت میں چیلنج کیا جاسکتا ہے اور جس کا موقف آئین وقانون کے مطابق ہوگا، عدالت اُس کی توثیق کرے گی۔

امانت کی ادائیگی قرآن وحدیث کی روشنی میں

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔"بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں انہی لوگوں کے سپرد کرو جو اِن کے اہل ہیں"۔(سورۃالنساء ۸۵)

اللہ رب العالمین کا کروڑوں ہاشکر عظیم ہے کہ آقائے دوجہاں سرور کون ومکاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو ساری انسانیت کے لئے ہدایت اور رحمت والا نبی بر حق بنا کر بھیجا ہے۔نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے۔ہم سبھی جانتے ہیں حضرت عثمان ابن طلحہ جو کعبہ کے کلید بردار تھے۔

آقا ﷺ نے جب چابیاں دوبارہ حضرت عثمان بن طلحہؓ کو واپس کرنا چاہیں۔تو پھر دوسرے صحابہ کرام علیہم الرضوان نے خواہش کی یہ خدمت ہمارے سپرد کی جائے اور چابی ہم کو عنایت ہوں اور ہم اپنی تحویل میں رکھیں۔اللہ کے رسول ﷺ نے ان کی یہ بات رد کرتے ہوئے فرمایا یہ چابیاں مجھے امانت کے طور پر دی گئیں ہیں۔حسب سابق یہ چابیاں حضرت عثمان بن طلحہؓ کو عطا ہوئیں۔اور آج تک انہی کی اولاد میں یہ چابی ہے۔عثمان بن طلحہؓ یہ امانتداری ملاحظہ کرکے ایمان لے آئے۔

حضرت صدرالافاضل نعیم الدین مرادآبادی قدس سرہ نے فرمایا

صحیح تر یہی ہے کہ حضرت عثمان بن طلحہؓ ۸ھ میں یعنی فتح مکہ سے قریباًدوسال قبل اسلام لاچکے تھے۔واللہ اعلم اس آیت کریمہ کا نزول اگرچہ خاص موقعہ پر ہوامگر حکم عام ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔"بے شک ہم نے امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کی تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کردیااور وہ اس سے ڈرگئے اور انسان نے اسے اٹھالیابے شک وہ اپنی جان کو مشقت میں ڈالنے والابڑانادان ہے"۔(سورۃالاحزاب ۷۲)

دینِ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے۔جس نے ہماری زندگی کے ہر شعبہ میں رہنمائی فرمائی ہے اسلام ہمیں اخوت اور بھائی چارے کا درس دیتا ہے۔حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے کا حکم دیتا ہے۔اسلام ایک اچھا معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے اس لئے وہ معاشرے کو اخلاقِ فاضلہ پر استوار کرتا ہے

اسلام اپنے پیروکاروں کو حکم دیتا ہے کہ وہ رذائلِ اخلاق (بُرے اخلاق) سے پرہیز کریں اور فضائلِ اخلاق کو اپنائیں۔اسلام جن اخلاقِ فاضلہ کی تلقین کرتا ہے۔

ان میں سے ایک "امانت" بھی ہے۔امانت داری ایک ایسا وصف ہے جسے مومن کی صفت بتایا گیا اور جس میں یہ خوبی نہیں وہ منافق قرار دیا گیا ہے۔

حدیث مبارکہ:

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا "منافق کی نشانیاں تین ہیں۔جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے،جب وعدہ کرتا ہے تو وعدہ خلافی کرتا ہے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرتا ہے۔(متفق علیہ) یعنی جب اسے رازداں بنایا جاتا ہے تو وہ اس راز کو دوسروں تک پہنچا دیتا ہے یا امانت واپس کرنے سے انکار کر دیتا ہے یا امانت کا تحفظ نہیں کرتا یا اسے اپنے استعمال میں لاتا ہے۔امانت کی حفاظت کرنا مقربین،انبیاء علیہم السّلام اور نیک بندوں کا شیوہ رہا ہے۔

ووٹر کا ووٹ کاسٹ کرنا ہی صحیح فیصلہ ہے شرعی حق کو استعمال کرنا چاہئیے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ووٹ کو شرعی طور پر کاسٹ کرنا ضرور بھی ہے اور شرعی تقاضا بھی اور در حقیقت ووٹ ایک حق ہے جس کے ساتھ کسی دوسرے کا حق متعلق ہو اور اس کی حفاظت اور ملت کی طرف اس کی ادئیگی ہر حالت میں انسان پر لازم ہے۔اس لئے بجا طور پر کیا جا سکتا ہے کہ :

ا۔ ووٹر کے پاس اسکا ووٹ امانت ہے۔

چند مفکرین کے نزدیک انتخابات میں ووٹ کی شرعی حیثیت کم از کم ایک شہادت کی ہے جس کا چھپانا بھی حرام ہے،اور اس میں جھوٹ بولنا بھی حرام،اس پر کوئی معاوضہ لینا بھی حرام،اس میں محض ایک سیاسی ہار جیت اور دنیا کا کھیل سمجھنا بڑی بھاری غلطی ہے،آپ جس امیدوار کو ووٹ دیتے ہیں،شرعاً آپ اس کی گواہی دیتے ہیں کہ یہ شخص اپنے نظریے اور علم و عمل اور دیانت داری کی رو سے اس کام کا اہل اور دوسرے اُمیدواروں سے بہتر ہے،جس کام کے لیے یہ انتخابات ہو رہے ہیں،اس حقیقت کو سامنے رکھیں تو اس سے مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں :

ا)...آپ کے ووٹ اور شہادت کے ذریعہ جو نمائندہ کسی اسمبلی میں پہنچے گا،وہ اس سلسلے میں جتنے اچھے یا برے اقدامات کرے گا،ان کی ذمہ داری آپ پر بھی عائد ہوگی،آپ بھی اس کے ثواب یا عذاب میں شریک ہوں گے۔

۲)...اس معاملہ میں یہ بات خاص طور پر یاد رکھنے کی ہے کہ شخصی معاملات میں کوئی غلطی بھی ہو جائے، تو اس کا اثر بھی شخصی اور محدود ہوتا ہے، ثواب و عذاب بھی محدود، قومی اور ملکی معاملات سے پوری قوم متاثر ہوتی ہے اس کا ادنیٰ نقصان بھی بعض اوقات قوم کی تباہی کا سبب بن جاتا ہے، اس لیے اس کا ثواب و عذاب بھی بہت بڑا ہے۔

۳)...سچی شہادت کا چھپانا از روئے قرآن حرام ہے، اس لیے آپ کے حلقہ انتخاب میں اگر کوئی صحیح نظریہ کا حامل و دیانت دار نمائندہ کھڑا ہے، تو اس کو ووٹ دینے میں، کوتاہی کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

۴)...جو امیدوار نظامِ اسلامی کے خلاف کوئی نظریہ رکھتا ہے، اس کو ووٹ دینا ایک جھوٹی شہادت ہے، جو گناہ کبیرہ ہے۔

۵)...ووٹ کو پیسوں کے معاوضہ میں دینا بدترین قسم کی رشوت ہے، اور چند ٹکوں کی خاطر اسلام اور ملک سے بغاوت ہے، دوسروں کی دنیا سنوارنے کے لیے اپنا دین قربان کر دینا کتنے ہی مال و دولت کے بدلے میں ہو، کوئی دانشمندی نہیں ہوسکتی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ وہ شخص سب سے زیادہ خسارے میں ہے، جو دوسرے کی دنیا کے لیے اپنا دین کھو بیٹھے۔

2. مملکت کے حاکم، وزراء، افسران اور حکام پر فرض ہے کہ وہ ملک کے اندر صحیح عدل وانصاف قائم کریں۔ مناصب وعہدے دیتے پر دیانت داری کا مظاہرہ کریں اور صرف اہل اور امین افراد کو عہدے تفویض کریں۔ نیز اپنی رعایا کے تمام بنیادی حقوق کی پاسداری کریں اور رعایا کی جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت کرنا بھی حاکم پر فرض ہے۔

ہم سب کو زندگی کی صورت میں بہت عظیم نعمت عطا ہوئی ہے، اس کا تقاضا ہے کہ ہم اپنی زندگی ایسی عظیم اور قیمتی نعمت کو ضائع نہ کریں بلکہ ہم اپنی زندگی کو اللہ تعالیٰ کی عبادت وریاضت اور اطاعت، اس کے پیارے رسول ﷺ کی اطاعت واتباع اور دینِ اسلام کی تبلیغ اور ترویج واشاعت کیلئے وقف کردیں۔ بہ قولِ شاعر

میری زندگی کا مقصد تیرے دین کی سرفرازی

میں اسی لیے مسلماں میں اسی لیے نمازی

پیکرِ دیانت وامانت

صاحبِ اُسوۂ حسنہ، پیکرِ خلقِ عظیم حضور سیّدِ عالم ﷺ کی مبارک سیرتِ طیبہ میں عفّت وپاکیزگی، زُہد وتقویٰ، سخاوت وایثار، عدل وانصاف اور حسنِ عہد ووفاء ایسی عظیم صفاتِ حمیدہ میں سے "دیانت وامانت" کو یہ خصوصیت اور امتیاز حاصل ہے کہ کفارِ مکہ ایسے آپ کے جان لیوا دشمن بھی آپ کی ان صفاتِ جمیلہ کے پیشِ نظر اپنا سارا مال ومتاع آپ کی خدمتِ عالیہ میں بہ طورِ امانت رکھواتے تھے اور وہ تسلیم کرتے تھے کہ اس روئے زمین حضور سیّدِ عالم ﷺ سے زیادہ سچا اور امین کوئی نہیں ہے۔

اعلا نِ نبوت سے قبل ھی حضو ر نبی کر یم ﷺ سا رے عر ب و عجم میں ’’صا دق ‘اور ’’امین ‘‘

اعلانِ نبوت سے قبل ہی حضور نبی کریم ﷺ سارے عرب و عجم میں ’’صادق ‘اور ’’امین ‘‘کے مبارک القاب سے ملقب تھے۔ قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی (متوفی544ھ) لکھتے ہیں کہ کعبہ کی از سر نو تعمیر کے موقع پر جب تعمیر وہاں تک پہنچی ، جہاں حجرِاسود نصب کرنا تھا تو قبائل قریش میں جھگڑا ہو گیا کیونکہ ہر قبیلے کی یہ خواہش اور تمنا تھی کہ حجرِاسود کو اس کی جگہ پر وہ نصب کرے۔ چنانچہ اس کشمکش میں قریب تھا کہ ایک خون ریز جنگ جاری ہو جاتی۔ اچانک کسی نے یہ تجویز پیش کی کہ کل صبح جو شخص سب سے پہلے خانہ کعبہ کے اندر داخل ہوگا، اسے ہم اپنا ثالث بنالیں گے یا یہ سعادت اسے حاصل ہوگی۔

چنانچہ دوسرے دن جب صبح طلوع ہوئی تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ وہ پہلے شخص ہیں ، جو سب سے پہلے حرم کعبہ میں داخل ہوئے ہیں۔ حضور سیّدِ عالم ﷺ کو دیکھ کر سب کے دل مطمئن ہو گئے اور سب خوشی سے یہ کہنے لگے ......ھٰذَا اَلامِیْن قد رضینا بہ......یعنی ’’یہ محمد ﷺ ہیں ، یہ امین ہیں ہم ان (کے ثالث ہونے) پر راضی ہیں ‘‘۔ (الشفاء : جز1 صفحہ 78، مطبوعہ دار الفکر بیروت 1415ھ)

اندازہ کیجئے کہ جب کفارِ مکہ نے صبح سویرے حضور نبی کریم ﷺ کو سب سے پہلے حرم کعبہ میں داخل ہوئے دیکھا تو سب ہی پکار اُٹھے کہ یہی وہ پیکرِ دیانت وامانت ہیں۔ یہ اس بات کی واضح ترین دلیل ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے جس شہر میں اپنا بچپن، لڑکپن اور دورِ جوانی گزارا تھا، اس شہر کے باشندے آپ کو ’’امین ‘‘ کے عظیم لقب سے پکارتے تھے۔

خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ’’جنگ مدائن ‘‘کی عظیم فتح کے موقع پر بہت قیمتی ساز و سامان مجاہدین اسلام کے قبضے میں آیا۔ مالِ غنیمت میں ایوانِ کسریٰ کے دروازے کا ـــــ’’پردہ ‘‘بھی تھا جو حملہ کے دوران جل گیا تھا۔ یہ پردہ اتنا قیمتی تھا کہ اس سے دس لاکھ مثقال (تقریباًایک سو دس من) سونا برآمد ہوا جو تقریباًایک کروڑ درہم میں فروخت ہوا۔ مالِ غنیمت میں طرح طرح کے نوادِرات اور ایرانی بادشاہوں کی تلواریں، خنجر، زرہیں، تاج زرّیں اور مختلف اقسام کے قیمتی قیمتی ملبوسات کے علاوہ تقریباً تیس کھرب (تین ہزار ارب) دینار بھی نقد حاصل ہوئے۔ یہ تمام کا تمام مالِ غنیمت اسلامی سپہ سالار حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

حافظ عمادالدین اسماعیل بن کثیر شافعی (متوفی774ھ) لکھتے ہیں : ’’اس قدر بیش قیمت اور بے حد و بے حساب مال و متاع ملنے اور اس مال کو بیت المال میں جمع کرانے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بے اختیار رو پڑتے ہیں۔ قریب میں بیٹھے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ :

’’امیر المؤمنین ! یہ تو بڑی خوشی و مسرت کا مقام ہے اور آپ رو رہے ہیں ؟‘‘

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

''بلا شبہ یہ بہت خوشی کا مقام ہے، لیکن یہ آنسو تو خوشی کے آنسو ہیں کہ اس عظیم قوم نے امانت کا حق ادا کر دیا ہے، بے شک یہ بہت بڑے امین ہیں''۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا''کیوں نہ ہوں، جب آپ خود امانتدار ہیں تو آپ کی رعایا اور قوم بھی امانت دار ہوگی، اگر (بالفرض) آپ خائن ہوتے تو آپ کی رعایا اور قوم بھی خیانت کرے گی''۔(البدایہ والنہایہ: جلد 5 صفحہ 139، مطبوعہ دارالفکر بیروت 1393ھ)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مدائن (ملک شام کے ایک شہر کا نام ہے، جو''مدین ابن ابراہیم' کے نام سے موسوم ہے) کے سفر میں دولڑکیوں کی بکریوں کے پینے کیلئے پانی پلانے میں مدد دی اور اُس کی کوئی اجرت ان سے نہیں لی۔ان دونوں لڑکیوں نے اپنے باپ حضرت شعیب علیہ السلام سے آپ کی بڑی تعریف و توصیف کی اور سفارش کی کہ آپ اُن کو اپنا خدمتگار رکھ لیجئے۔اس موقع پر قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قَالَتْ اِحْدٰهُمَا یٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ٘ اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ۝

ترجمہ:''ان دو عورتوں میں سے ایک نے (اپنے والد سے) کہا، اے ابا جان! اس شخص کو اپنا خدمت گار رکھ لیجئے، بہترین آدمی جسے آپ ملازم رکھیں، وہی ہو سکتا ہے جو طاقت ور بھی ہو اور امانت دار بھی ہو''۔(سورۃ القصص آیت 26)

قرآن پاک کی اس آیت کریمہ میں سب سے بہتر نوکر اور ملازم ((Employee کی پہچان یہ بتائی گئی ہے کہ جس کام اور منصب ((Post کیلئے اُس کو رکھا جائے، اس کام کی پوری اہلیت اور طاقت رکھتا ہو اور اس کام کو وہ پوری امانتداری سے ادا کرے۔اس سے یہ اصول فراہم ہوا کہ ملازم میں خاص کر دو صفتیں ضرور ہونی چاہئیں۔ایک کام کی قوت وصلاحیت اور دوسری امانت داری ہونی چاہئے۔اس لئے جس کو جس کام کا اہل سمجھ کر رکھا جائے، وہ اس کی اہلیت کا پورا ثبوت دے اور اپنے فرائض منصبی کو پوری امانتداری اور انصاف کے ساتھ انجام دے۔

امانتداری کی عظمت وفضیلت اورآیاتِ قرآن

قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے متعدد آیات مبارکہ میں ہمیں دیانت داری اور امانت داری کا حکم دیا ہے۔چنانچہ ارشادِ خداوند قدوس ہے:''بے شک اللہ تم کو یہ حکم دیتا ہے کہ تم امانت والوں کو اُن کی امانتیں ادا کر دو اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو''۔(سورۃ النساء: آیت 58)

ایک اور مقام پر یوں ارشاد ہوتا ہے:

فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْیُؤَدِّ الَّذِی اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْیَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ۔

ترجمہ: ''پس اگر تم میں سے ایک کو دوسرے پر اطمینان ہو، تو وہ جسے اس نے امین سمجھا تھا، اسے چاہئے کہ وہ اس کی امانت ادا کردے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے جو اس کا پروردگار ہے''۔ (سورۃ البقرہ: آیت 283)

سورۃ الانفال میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِکُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے خیانت نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو، درآں حالیکہ تم کو علم ہے''۔ (سورۃ الانفال: آیت 27)

قرآن مجید جن مؤمنین کو فوز و فلاح کا مژدہ اور خوشخبری دیتا ہے ان میں امانتوں کی ادائیگی کرنے والے اور وعدوں کی پاس داری کرنے والے بھی شامل ہیں۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِاَمٰنٰتِھِمْ وَعَھْدِھِمْ رٰعُوْنَ﴾

ترجمہ: ''اور (وہ لوگ کامیاب مومن ہیں) جو اپنی امانتوں اور اپنے وعدوں کی پاس داری کرنے والے ہیں''۔ (سورۃ المومنون: آیت 8)

اسی طرح ایک اور مقام پر امانت داروں کو ان مؤمنین میں شامل ہونے کا مژدہ سنایا ہے جو جنت میں داخل کئے جائیں گے۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِاَمٰنٰتِھِمْ وَعَھْدِھِمْ رٰعُوْنَ﴾

ترجمہ: ''اور وہ (مؤمنین جنت میں جائیں گے) جو اپنی امانتوں اور اپنے وعدوں کی پاسداری کرنے والے ہیں''۔ (سورۃ المعارج: آیت 32)

امانتداری کی عظمت وفضیلت اور احادیث مبارکہ

رسول اکرم ﷺ نے متعدد احادیث مبارکہ میں ہمیں دیانت داری اور امانت داری کا حکم فرمایا ہے، جس سے امانتداری کی اہمیت اور عظمت وفضیلت کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو تمہارے پاس امانت رکھوائے، اس کی امانت ادا کرو اور جو تمہارے ساتھ خیانت کرے، اس کے ساتھ بھی تم خیانت نہ کرو''۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ: ''منافق کی تین خاص نشانیاں ہیں: (۱) جب وہ بات کرے، تو جھوٹ بولے (۲) جب وہ وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے (۳) اور جب اس کے پاس امانت رکھوائی جائے تو اس میں خیانت کرے''۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہسے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ''چار چیزیں ایسی ہیں کہ جب وہ تمھیں حاصل ہو جائیں اور دنیا کی اور کوئی چیز تمھیں حاصل نہ ہو تو کوئی افسوس کی بات نہیں۔ وہ چار چیزیں یہ ہیں:

(۱) امانت کی حفاظت (۲) بات کی سچائی (۳) حسنِ خلق (۴) اور رزق حلال''۔

(مسند امام احمد، ابن کثیر، طبرانی)

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم مجھے چھ چیزوں کی ضمانت دو تو میں تمہیں جنت کی ضمانت (اور بشارت) دیتا ہوں:

(۱) جب تمہارے پاس امانت رکھوائی جائے تو امانت ادا کرو (۲) جب تم کسی سے کوئی عہد کرے تو اس کو پورا کرو (۳) جب بات کرو تو سچ بولو (۴) اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرو (۵) اپنی نظریں نیچی رکھو (۶) اور (بلاضرورت) اپنے ہاتھ (کسی کے آگے) نہ پھیلاؤ''۔ (شعب الایمان)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ''اس شخص کا ایمان کامل نہیں جس میں امانتداری نہیں وہ شخص دیندار نہیں اور جس کے پاس عہد کی پاسداری نہیں اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے، اس وقت تک آدمی کا دین درست نہیں ہوتا جب تک کہ اس کی زبان درست نہ ہو اور اس کی زبان اس وقت تک درست نہیں ہوتی جب تک اس کا دل درست نہ ہو۔ اور وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا، جس کی اذیت سے اس کے پڑوسی محفوظ نہ ہوں۔ عرض کی گئی کہ یا رسول اللہ ﷺ! اذیت کیا ہے''؟۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آدمی کا (باتوں اور مال وغیرہ میں) ملاوٹ کرنا اور ظلم کرنا اذیت ہے''۔

(کنزالعمال: جلد 2 صفحہ 62)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ''مجالس کی گفتگو امانت ہوتی ہے، ماسوا اس کے کہ کسی کا ناجائز خون بہانا ہو یا کسی کی آبروریزی کرنی ہو یا کسی کا مال ناحق طریقے سے حاصل کرنا ہو''۔ (سنن ابی داؤد)

یعنی اگر ایسی کوئی بات ہو تو اس کے صاحبِ حق کو اطلاع دے کر خبردار کر دینا چاہئے تاکہ وہ آنے والی مصیبت کا خاطر خواہ دفاع کر سکے اور ہونے والے مالی و جسمانی نقصان اور خسارے سے بچ جائے۔ اور اس کے علاوہ مجلس میں جو بات کہی جائے وہ اس مجلس کی امانت ہے۔ مجلس والوں کی اجازت کے بغیر اس کو دوسروں میں نقل کرنا اور پھیلانا جائز نہیں ہے۔

اسی طرح ایک حدیث مبارک میں آپ انے ارشاد فرمایا کہ: المستشار موٴتمن...... یعنی جس شخص سے کوئی مشورہ لیا جائے تو وہ بھی امین ہے۔ اس پر لازم ہے کہ صحیح مشورہ دے اور جو اس کے نزدیک مشورہ لینے والے کے حق میں بہتر اور مفید ہوگا اور اگر جانتے بوجھتے غلط مشورہ دے دیا تو یہ امانت میں خیانت ہے۔ اسی طرح کسی نے آپ کو اپنا کوئی راز بتا دیا تو یہ بھی امانت ہے اور اس کی پاسداری کرنا بھی ہر حالت میں لازمی ہے۔

حقوق اللہ میں امانتداری کا مفہوم

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی عبادت کیلئے منتخب فرمایااور یہ بہت بڑی سعادت اور اعزاز کی بات ہے۔اللہ تعالیٰ کے ساتھ امانتداری کا مفہوم یہ ہے کہ :

"اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے احکاماتِ امر و نہی کے مطابق پورا عمل کیاجائے" یعنی شریعت مطہرہ نے جن اوامر (عبادات ومعاملات اوراخلاقیات) پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے ان پر کماحقہٗ عمل کیا جائے اور جن نواہی (ممنوعات،گناہوں اوراخلاقِ رذیلہ) سے بچنے کا حکم دیا ہے ان سے اجتناب کیا جائے۔

چنانچہ امانت ودیانت میں سب سے مقدم حقوق اللہ کی ادائیگی ہے اور انسان کا مقصد تخلیق بھی صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت وبندگی ہے۔چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ O

ترجمہ: "اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کیلئے ہی پیدا کیا ہے"۔

(سورۃالذاریات: آیت 56)

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت وبندگی کرنا انسان پر سب سے بڑا فرض ہے۔اس کا پورا کرنا انسان پر ہر حالت میں لازم ہے اور یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کا حق ہے کہ بندہ صرف اور صرف اسی کی عبادت و بندگی بجالائے۔ اسی کو حاکم مطلق اور رازقِ مطلق مانے۔ اسی کے آگے اعترافِ بندگی میں اپنا سر جھکائے۔اسی کی طرف اپنی حاجتوں، مصائب، تکالیف اور آلام میں رجوع کرے۔اسی پر کامل بھروسہ رکھے اور اسی سے ہی ظاہر و باطن میں ڈرے۔

انسان کا ایک اعزاز یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی نعمتوں کا امین بنایا اور اس پر اعتماد فرمایا کہ وہ امانت میں خیانت کا ارتکاب نہیں کرے گا۔ہاتھ، پاؤں، جسم و جان، اہل و عیال، مال و متاع اور دنیا کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت اور امانت ہے اور انسان اس کا امین ہے۔لہٰذا انسان پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت کو اس کی مرضی کے مطابق اور اس کے رسول ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی روشنی میں استعمال کرے۔

انسان کا معاملہ اپنے رب کے ساتھ ہوتا ہے یا مخلوق کے ساتھ اور ہر معاملہ میں اس پر لازم ہے کہ وہ اس معاملہ کو امانت داری کے ساتھ انجام دے۔اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ معاملہ میں دیانت وامانت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام پر عمل کرے اور جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے،ان سے مکمل اجتناب کرے۔چنانچہ زبان کی امانت یہ ہے کہ اس کو جھوٹ، چغلی، غیبت، کفر وشرک اور بے حیائی کی باتوں میں استعمال نہ کرے......آنکھ کی امانت یہ ہے کہ اس سے حرام چیزوں اور بے حیائی کے کاموں کی طرف نہ دیکھے......کان کی امانت یہ ہے کہ اس سے موسیقی،

فحش باتیں، جھوٹ، غیبت اور کسی کی بدگوئی نہ سنے...... ہاتھوں کی امانت یہ ہے کہ ان سے چوری، ڈاکہ قتل، ظلم اور کوئی ناجائز کام نہ کرے...... منہ میں لقمہ حرام نہ ڈالے، شراب وغیرہ نہ پیئے...... اور پیروں کی امانت یہ ہے کہ جس جس جگہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے منع فرمایا، وہاں نہ جائے اور تمام اعضاء سے وہی کام کرے جن کاموں کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ (بتصرف تفسیر تبیان القرآن: ج ۲ ص ۷۰۱۔۷۷۰)

اللہ تعالیٰ کے ساتھ امانتداری کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ علماء کرام عامۃ المسلمین کی صحیح رہنمائی کریں اور مسلکی تعصب کے بغیر عقائد و مسائل کو بیان کریں اور احکام و مسائل میں افراط و تفریط سے گریز کریں اور اعتدال کی راہ کو اپنائیں اور اگر اہل علم پر جب حق و صواب واضح ہو جائے تو ہٹ دھرمی، انانیت، مسلکی تعصب اور دنیاوی مفادات سے بالاتر ہو کر حق اور سچ کو قبول کرے اور صرف حق اور سچ کا ساتھ دے۔

اسی طرح اہل علم محراب ومنبر اور مسند افتاء وقضاء کی ذمہ داریوں کو احسن طریقے سے پورا کریں اور جو علم انہوں نے حاصل کیا ہے وہ علم دوسروں تک پہنچائیں اور اس میں بخل سے کام نہ لیں اور کسی بھی موقع پر فتویٰ فروشی، ناجائز حیلہ بازی اور ہیرا پھیری کے جرم کا ارتکاب نہ کریں۔

اسی طرح بعض لوگ حضور سید عالم ﷺ کی عظمت و فضائل، معجزات، کمالات اور خصائص کے بیان کرنے میں بھی بخل اور کتمان سے کام لیتے ہیں اور بعض لوگ فضائل و کمالات تو اکثر بیان کرتے رہتے ہیں لیکن اعمالِ صالح، روزمرہ کے دینی مسائل اور اصلاح معاشرہ سے بہت حد تک غفلت برتتے ہیں، اس سلسلہ میں اہل علم کو اپنے علم کے ساتھ انصاف کرنا چاہیئے۔

اسی طرح کچھ اہل علم دن رات حصولِ دنیا میں لگ کر حقوق اللہ کی ادائیگی میں سستی اور کوتاہی کرتے ہیں اور بعض لوگ تبلیغ دین اور نعت خوانی پر تھوڑے سے دنیاوی مال ومفادات کا منہ مانگا معاوضہ طے کرتے ہیں۔ بعض لوگ علم دین اور وعظ و نصیحت حاصل کرنے کے بجائے میوزیکل نائٹ کی طرز پر رات گئے تک مذہبی مجالس کا انعقاد تو کرتے ہیں، لیکن فرائض میں کوتاہی کر جاتے ہیں، الغرض ہر مسلمان پر اللہ تعالیٰ کے حقوق، عبادات، معاملات اور اخلاقیات پر عدل کے ساتھ عمل کرنا ضروری ہے اور اپنی بساط اور طاقت کے مطابق امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی بھی لازمی ہے۔

حقوق العباد میں امانت داری کا مفہوم

بندوں کے باہمی حقوق وفرائض اور لین دین کے معاملات میں امانت و دیانت کا مفہوم اور دائرۂ کار بہت وسیع ہے۔ ہر مسلمان پر دوسرے مسلمانوں کے کچھ حقوق عائد ہوتے ہیں، خصوصاً معاشرتی زندگی میں ایک انسان کے حقوق، دوسرے انسان کے فرائض ہوتے ہیں اور ایک کے فرائض دوسرے کے حقوق ہوتے ہیں اور ہر ایک پر لازم ہے کہ وہ اپنے فرائض مکمل دیانت داری کے ساتھ سرانجام دے۔

مفسر قرآن علامہ غلام رسول سعیدی اپنی تفسیر ــــ تبیان القرآن میں رقم طراز ہیں:

"تمام مخلوق کی امانت ادا کرنا، اس میں یہ امور داخل ہیں۔ اگر کسی شخص نے کوئی امانت رکھوائی تو اس کو واپس کرنا،—ناپ تول میں کمی نہ کرنا، لوگوں کی عیوب بیان نہ کرنا، حکام کا عوام کے ساتھ عدل کرنا، علماء کا عوام کے ساتھ عدل کرنا بایں طور پر ان کی صحیح رہنمائی کرنا، تعصب کے بغیر اعتقادی مسائل کو بیان کرنا، اس میں یہود کے لئے بھی ہدایت ہے کہ سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کے جو دلائل تورات میں مذکور ہیں، ان کو نہ چھپائیں اور بیوی کیلئے ہدایت ہے کہ شوہر کی غیر موجودگی میں اس کی عزت اور اس کی مال کی حفاظت کرے اور جس شخص کا گھر میں آنا اسے ناپسند ہو، اس کو نہ آنے دے، تاجر ذخیرہ اندوزی اور بلیک مارکیٹنگ نہ کریں، جعلی دوائیں بنا کر لوگوں کی جان سے نہ کھیلیں، کھانے پینے کی اشیاء میں ملاوٹ نہ کریں، ٹیکس بروقت اور صحیح ادا کریں، اسمگلنگ کرکے کسٹم ڈیوٹی نہ بچائیں، سودی کاروبار نہ کریں، ہیروئن، چرس اور دیگر نشہ آور اور مضر صحت اشیاء فروخت نہ کریں، بیوروکریٹس رشوت نہ لیں، سرکاری افسران اپنے محکمہ سے ناجائز مراعات حاصل نہ کریں، ڈیوٹی پر پورا وقت دیں، دفتری اوقات میں غیر سرکاری کام نہ کریں۔ نیز لکھتے ہیں کہ "حکومتی ارکان اور وزراء جو قومی خزانے اور عوام کے ٹیکسوں سے بلاوجہ غیر ملکی دوروں پر غیر ضروری افراد کو اپنے ساتھ لے کر جاکر اللّے تللے اور عیاشیاں کرتے ہیں، وہ بھی عوام کی امانت میں خیانت کرتے ہیں، اسکولز اور کالجز میں اساتذہ اور پروفیسر حضرات پڑھانے کے بجائے گپ شپ کرکے وقت گزار دیتے ہیں، یہ بھی امانت میں خیانت ہے"۔ (تفسیر تبیان القرآن، جلد ۲ص ۱۰۷)

ریاستی عہدوں ومناصب پراہل اورباصلاحیت افراد کا تقرر

اسی طرح اسلامی ریاست میں ریاستی وانتظامی امور کے جتنے بھی عہدے اور مناصب ہیں، عدل وانصاف اور دیانت کا تقاضا ہے کہ ان عہدوں اور مناصب پر اہل، باصلاحیت اور امانتدار افراد کا تقرر کرنا چاہئے نہ کہ یہ عہدے سیاسی رشوت اور اقرباپروری کی نذر کردیئے جائیں اور جب کسی منصب وعہدے پر کسی نااہل اور جاہل کا تقرر ہوتا ہے تو معاشرہ میں بدامنی، ظلم وزیادتی اور بے چینی آنا لازمی امر ہے اور حضور اکرم ﷺ نے اس کو قیامت کی علامت قرار دیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

ترجمہ: "جب امانت ضائع کردی جائے، تو پھر قیامت کا انتظار کرو"۔ صحابی نے پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ! امانت کیسے ضائع ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: "جب کوئی منصب کسی نااہل کے سپرد کردیا جائے تو پھر قیامت کا انتظار کرو"۔ (صحیح بخاری: رقم الحدیث: ۵۹)

استاذی المکرم فقیہہ ملت پروفیسر مفتی منیب الرحمٰن صاحب "تحفۃ النساء" میں رقم طراز ہیں...... "حکومت کے مناصب اور عہدے بھی اللہ اور قوم کی امانت ہوتے ہیں، خاص طور پر مناصب عدل اور ایسے حکومتی عہدے جن سے عوام کے حقوق وابستہ ہیں اور جن کے اختیار میں قوم کی دولت اور "بیت المال" ہوتا ہے یا جن کے پاس قومی راز اور سلامتی ودفاع کے معاملات ہیں، الغرض ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ درجے حتیٰ کہ سربراہِ مملکت وحکومت تک یہ تمام مناصب اہل اور امین افراد کو تفویض کئے جانے چاہئیں اور کوٹے کے بجائے اہلیت ودیانت کو معیار بنانا چاہئے۔ رشوت لے کر، دھونس اور دباؤ میں آکر، اثر ورسوخ یا سفارش کی بنیاد پر عہدے تفویض کرنا صریح خیانت ہے اور حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: جب قوم کی قیادت اور اختیارات

نااہلوں کو تفویض کر دیئے جائیں تو قیامت کا انتظار کرو ، نااہل اور خائن لوگ مظلوم اور بے بس و ناکس لوگوں پر وقت سے پہلے قیامت ڈھادیں گے"۔(تحفۃالنساء : صفحہ 134،مکتبہ فریدی کراچی)

خلاصۃ الکلام

خلاصۃ الکلام یہ ہے کہ اسلامی نظام حکومت کے قیام واستحکام اور بقاء کیلئے از حد ضروری ہے کہ نظامِ سلطنت میں ہرقسم کے عہدے اور منصب ایسی عظیم ذمہ داریاں صرف ان ہی لوگوں کے سپرد کرنی چاہئیں،جوان سے عہدہ براہونے کی مکمل صلاحیت و قابلیت اور اہلیت رکھتے ہوں، یہ عہدے اور منصب نااہلوں اور خائنوں کو بالکل نہیں دینے چاہئے، کیوں کہ یہ عہدے اور منصب درحقیقت اللہ تبارک وتعالیٰ کی امانتیں ہیں، جن میں کسی قسم کی خیانت نہیں کرنی چاہئے،لہٰذاحکومت کے تمام عہدے اور مناصب صرف اور صرف اہل، قابل اور امانتدار لوگوں کو دینے چاہئیں اور محض سیاسی بنیادپر،لسانی بنیاپر، قرابت داری اور خاندانی بنیادپر یاکوٹہ سسٹم کی بنیادپر عہدے اور مناصب دے دیناسراسرخیانت اور ظلم وزیادتی ہے اوراللہ تعالیٰ اوراس کے رسول ﷺ کے احکام کی صریحاًخلاف ورزی ہے۔

حقوق النفس میں امانت داری کا مفہوم

انسان کااپنے نفس کے ساتھ امانتداری کا تقاضایہ ہے کہ انسان اپنے نفس کیلئے اس چیز کو پسند کرے جو دین ودنیااور اس کے جسم وجان کے لئے مفیداور نفع آور ہو۔انسان کی زندگی اورآکی صحت اس کے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہے۔وہ اس کو ضائع کرنے کا مجاز نہیں ہے،اس لئے سگریٹ پینا، چرس، ہیروئن،افیون، تمباکونوشی کرنا، شراب پینا، نشہ آور دوائیں اور نشہ آور چیزیں استعمال کرنا یہ تمام کام انسانی زندگی اور صحت کیلئے مضراور نقصان دہ ہیں اورآخرت میں عذاب کا باعث ہیں اور یہ تمام کام اپنے نفس کے ساتھ خیانت کرنے کے زمرے میں آتے ہیں۔

فرائض اور واجبات کو ترک کرکے اور حرام و ناجائز کاموں کا ارتکاب کرکے خود کو عذاب کا مستحق بنانا یہ بھی اپنی ذات کے ساتھ خیانت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کامکلّف کیاہے کہ وہ خود بھی نیک بنے اور اپنے گھروالوں کو بھی نیک بنائے۔ چنانچہ اللہ جل شانہٗ کافرمان ہے:

یٰٓاَیُّهَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْاقُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا۔

ترجمہ: اے ایمان کی دولت پانے والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھروالوں کو (دوزخ کی) آگ سے بچاؤ۔(سورۃالتحریم: آیت ٦)

اس آیت مبارکہ میں صاحبان ایمان کو حکم دیا جارہاہے کہ اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو بھی عذابِ دوزخ سے بچانے کی کوشش کرنا ان پر لازم ہے یعنی جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے تمھیں روکاہے تم اپنے اہل وعیال کو بھی ان امور سے روکو اور جن کاموں کو کرنے کا حکم دیاہے تم انہیں بھی ان کو بجالانے کا حکم دو۔ اس لئے ہم سب پر لازم ہے کہ ہم اپنی اولاد اور اہلِ خانہ کودین (قرآن وسنت) کی تعلیم دیں اور ان کو ہر

ممکن اچھی تربیت دیں بلکہ اپنی اولاد کی تعلیم وتربیت کا آغاز ''ایمان داری'' کا پہلا درس دے کر کرنا چاہئے، کیونکہ جو تعلیم وتربیت بچوں کو کم سنی اور نو عمری میں دی جاتی ہے وہ بچوں کے ذہن پر نقش ہو جاتی ہے اور بچپن میں سکھائی گئی باتیں ان کی عادت بلکہ فطرتِ ثانیہ بن جاتی ہے۔

اسی حکم کو سورۃ العصر میں یوں بیان فرمایا گیا ہے۔ ارشادِ رب ذوالجلال ہے:

وَالْعَصْرِ o اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ o اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ o

ترجمہ: ''قسم ہے زمانہ کی، یقیناہر انسان ضرور خسارے میں ہے مگر لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے اور آپس میں ایک دوسرے کو حق (دینِ اسلام) کی وصیت وتاکید کی اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کی''۔ (سورۃ العصر: آیت ۳-۱)

اس سورۂ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ نجات کیلئے صرف اپنے اعمال کی اصلاح کافی نہیں ہے بلکہ دوسرے مسلمانوں اور خاص کر اپنے اہل وعیال اور زیر کفالت افراد کی اصلاح کی فکر کرنی بھی ضروری ہے۔ اس سورت نے مسلمانوں کو ایک بہت بڑی ہدایت یہ دی ہے کہ ان کا اپنے عمل کو قرآن وسنت کے مطابق کرلینا جتنا اہم اور ضروری ہے، اتنا ہی اہم یہ ہے کہ دوسرے مسلمانوں کو بھی ایمان اور نیک عمل کی طرف بلانے کی اپنی طاقت کے مطابق کوشش کرے، ورنہ صرف اپنا عمل نجات کیلئے کافی نہیں ہوگا، خصوصاً اپنے اہل وعیال اور اپنے احباب وماتحت افراد کو ایمان وایقان، نیک عمل اور صبر کی تلقین وتاکید کرے، کیونکہ ہر مسلمان پر اپنے علم، دائرہ کار اور طاقت کے مطابق امر بالمعروف ونہی عن المنکر فرض کیا گیا ہے۔

اس معاملے میں عام مسلمانوں کے ساتھ ساتھ بہت سے خواص بھی غفلت ولاپرواہی میں مبتلا ہیں اور خود عمل کرنے کو کافی سمجھ بیٹھے ہیں، اولاد اہل وعیال خواہ کچھ بھی کرتے رہیں، اس کی فکر نہیں کرتے۔ اسی حوالے سے اکثر وبیشتر ''چراغ تلے اندھیرا'' دیکھنے کو ملتاہے، اگر کوئی شخص خود نیک وپرہیزگار ہے، صوم وصلوٰۃ کا پابند ہے لیکن اس کے گھر والے اور اس کے ماتحت افراد برائی میں مبتلا ہیں اور اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے احکامات پر عمل نہیں کرتے اور وہ ان کو برے کام ترک کرنے اور نیک عمل کرنے کا حکم نہیں دیتا، تب بھی وہ بریٔ الذمہ نہیں ہے اور اُخروی عذاب کا مستحق ہے اور اپنے نفس کے ساتھ خیانت کرتا ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

تم میں سے ہر شخص اپنے ماتحت لوگوں کا محافظ ونگہبان ہے اور ہر شخص اُن کے متعلق جواب دہ ہے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن مجید نے لفظ ـــ ''امٰنٰت'' بہ صیغہ جمع لا کر ہمیں اس امر کی طرف حکم فرمایا ہے کہ ہم حقوق اللہ میں، حقوق النفس میں اور حقوق العباد میں تمام فرائض دیانت داری کے ساتھ ادا کریں اور دیانت وامانت کو زندگی اور بندگی کے تمام شعبوں میں اپنا نصب العین بنائیں

آرٹیکل 62 اور 63 کی رو سے پارلیمنٹ کے رکن بننے کی اہلیت

آئینِ پاکستان کے آرٹیکل 62 اور 63 کی رو سے پارلیمنٹ کے رکن بننے کی اہلیت یہ ہے کہ وہی مسلمان شخص رکن پارلیمان بن سکتا ہے جو اچھے کردار کا حامل ہو اور شعائر اسلام کی خلاف ورزی کے لیے نہ جانا جاتا ہو۔ اسلامی تعلیمات کا مناسب علم رکھتا ہو۔ لازمی مذہبی فرائض پورے کرتا ہو اور کبیرہ گناہوں میں ملوث نہ ہو۔ وہ عاقل ہو، فاسق نہ ہو اور صادق وامین ہو۔

امانتیں کتنی قسم کی ہوتی ہیں

امانتیں کئی قسم کی ہوتی ہیں عام طور پر ہم اس سے صرف مال ودولت مراد لیتے ہیں۔ سب سے عام صورت یہ ہے کہ کوئی شخص حکمرانوں کے پاس عہدہ اور امارت بطور امانت کے طور پر رکھے تو اس کی واپسی کے مطالبہ پر اس چیز کو فوراً اور جوں کا توں لوٹا دیا جائے۔ حکومتی راز بھی امانت ہوتا ہے اس کو ظاہر کرنا بھی خیانت ہے۔ اگر کوئی شخص ووٹ کیلئے مشورہ طلب کرے تو صحیح مشورہ دینا بھی امانت ہے۔

کسی بھی حکومت یا ادارے کی اہم ذمہ داریوں کو امانت کہتے ہیں۔

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی حاکم اپنے کسی دوست یا رشتہ دار کو ایسی ذمہ داری دیتا ہے۔ جس کا وہ اہل نہیں تو ایسے حکمران پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوگا۔ ایسے لوگوں کی عبادت قبول نہ ہوگی۔ اور وہ جہنم کی آگ کے سپرد کر دیئے جائیں گے۔ (جمع الفوائد)

حدیث مبارکہ:

بخاری شریف میں ہے۔ آقا ﷺ نے ارشاد فرمایا "جب آپ یہ دیکھیں کہ حکومتی اہم ذمہ داریوں کے عہدے ایسے نااہل لوگوں کو دیئے گئے ہیں جو اس کے اہل اور قابل نہیں۔ تو (اس فساد کا کوئی علاج نہیں) آپ کو یومِ حساب کا انتظار کرنا چاہیے۔

حکمرانوں اور سرکاری افسروں کے پاس اختیارات امانت ہیں

اس لئے حکمرانوں اور سرکاری افسروں کے پاس جو اختیارات ہیں یہ قوم کی طرف سے ان کے پاس امانت ہیں۔ اس امانت کی حفاظت اسی طرح ہونی چاہیے کہ وہ ان اختیارات کا استعمال قوم کی بھلائی کے لئے اور اسکے مقرر کردہ طریقوں کے مطابق کریں اگر وہ اختیارات کا صحیح استعمال نہیں کریں گے یا آئین اور قانون کی خلاف ورزی کریں گے تو وہ خیانت کے مرتکب ہوں گے۔

حضور نبی کریم ﷺ کو بعثت سے قبل عرب کے لوگ صادق اور امین کہہ کر پکارا کرتے تھے۔جب مکہ معظّمہ میں کافروں نے آپ ﷺ کا رہنا مشکل کر دیا اور آپ ﷺ کو مجبوراًمدینہ منورہ ہجرت کرنا پڑی۔اس وقت بھی انہیں کافروں کی امانتیں آپ ﷺ کے پاس موجود تھیں۔آپ ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰؓ کو تاکید فرمائی کہ تم صبح کو لوگوں کی جو امانتیں میرے پاس پڑی ہیں ان کے مالکوں کو لوٹا کر مدینہ منورہ آ جانا۔آپ ﷺ کی امانت داری کا انداز ہم مندرجہ بالا واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے۔قرآن پاک میں ایمان داروں کی یہ نشانی بتائی گئی ہے کہ وہ اپنی امانتوں اور اپنے وعدوں کی حفاظت کرتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے نجات کی خوشخبری سنائی۔اور خیانت کرنے سے منع فرمایا کیونکہ امانت میں خیانت کرنا منافقت کی نشانی ہے۔

صادق اور امین کی ہمارے جمہوری نظام میں حثیت:

رہی بات پاکستان کے 100 سے زائد پارلیمنٹیرینز کے صادق اور امین ہونے کی تو یقینا باسٹھ تریسٹھ کی شق پر کوئی بھی پورا نہیں اُترتا ہوگا،اور یہ سپریم کورٹ کے الفاظ ہیں کہ آئین کے آرٹیکل 62 اور 63 پر عمل درآمد کیا گیا تو پارلیمنٹ میں موجود تمام اراکین میں سے شاید ہی کوئی بچ پائے۔حیرانی اپنے اور اپنے جیسے عوام پر ہوتی ہے کہ ہم نے کیسے کیسے قائدین کو منتخب کرکے پارلیمنٹ میں بھیجا ہے۔پارلیمنٹ میں ارکان کی ہارس ٹریڈنگ والا معاملہ کسی سے ڈھکہ چھپا نہیں۔

اب ہمارے سیاستدان اس تگ و دو میں لگ گئے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح مذکورہ آرٹیکل کو آئین پاکستان سے ختم کرا دیا جائے

جلد ہی ایسا ممکن ہوگا کہ وزیر اعظم بننے کے لیے آپ کا صرف ''مسلمان'' ہونا ضروری ہے۔باقی کسی اوصاف کی ضرورت نہیں ہوگی۔اس حوالے سے اب حکمران جماعت اور اپوزیشن جماعتیں مل کر ایسا ہی ایک لائحہ عمل ترتیب دے رہی ہیں۔

قرآن و حدیث میں امانت اور اس کے احکام کے متعلق متعدد مرتبہ ذکر آیا ہے۔چند آیات واحادیث پیش خدمت ہیں:

اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُکُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَہۡلِہَا(سورۃ النساء۵۸)

یقینا اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں کو پہنچاؤ۔

فَاِنۡ اَمِنَ بَعۡضُکُمۡ بَعۡضًا فَلۡیُؤَدِّ الَّذِی اؤۡتُمِنَ اَمَانَتَہٗ (سورۃ البقرۃ ۲۸۳)

ہاں اگر تم ایک دوسرے پر بھروسہ کرو تو جس پر بھروسہ کیا گیا ہے وہ اپنی امانت ٹھیک ادا کر دے۔

یَا اَیُّھَاالَّذِیْنَ آمَنُوا لَا تَخُوْنُوااللہَ وَالرَّسُولَ وَتَخُوْنُوااَمَانَاتِکُمْ وَ اَنْتُمْ تَعلَمُوْن(سورۃالانفال۲۷)

اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے بے وفائی نہ کرنا اور نہ جانتے بوجھتے اپنی امانتوں میں خیانت کے مرتکب ہونا۔

اصلاح کیسے ممکن ہے:

اصلاح کے دو پہلو ہیں انفرادی اصلاح اور اصلاح عالم اپنے ووٹ کی اصلاح اس لئے ضروری ہے کہ اس کے ذریعے نااہل کو قومی اسمبلی کا ممبر بنا کر اس سارے مسئلے کی بنیاد رکھی جاتی ہے اس کے بغیر فتنہ و فساد کو ختم نہیں کیا جا سکتا لہٰذا یہ دونوں چیزیں ضروری ہیں۔

حکمرانوں کا نیک ہونا اور نیکی کا کام کرنا اور اشاعت اسلام کرنا بھی کا ایک بہترین مصرف اشاعت اسلام ہے۔ انحطاط کے اس زمانہ میں الہ ثروت اس مد میں کتنا خرچ کر رہے ہیں۔

حکمرانوں کا اور منتخب نمائندوں کا اس کا ایک فیصد بھی کہیں نظر نہیں آتا۔ کرپٹ حکمرانوں کی دولت آج عیش پرستی پر خرچ ہو رہی ہے۔

حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ممانعت فرمائی ہے۔

فرمایا فان عباداللہ لیسوا بالمتنعمین

یعنی اللہ کے بندے عیش پسند نہیں ہو سکتے۔

عیش پرستی کفار کا شیوہ ہے

عیش پرستی تو کفار کا شیوہ ہے۔ مسلمان حکمرانوں کی دولت تو امور خیر پر خرچ ہونی چاہیے۔ مگر افسوس کا مقام ہے۔ آج حکمرانوں عمارات اور ان کی تزئین پہ بے دریغ روپیہ صرف کر رہا ہے۔ کھیل تماشے اور لہو و لعب کو اولیت دی جا رہی ہے۔ دشمنوں اور اسلام دشمنی پر مبنی قوانین پاس کیئے جا رہے ہیں۔ دین کا تھوڑا بہت کام جو ہو رہا ہے وہ بزرگان دین صوفیا کرام اور علما دین کے خلوص کا نتیجہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اسے قبول کر لیا ہے، اور عذاب سے بچے ہوئے ہیں۔ افسوس یہ ساری باتیں جانتے ہوئے بھی ہمارے ملک میں کتنے لوگ ہیں جو دینی لوگوں کو منتخب کرتے ہیں اور نام نہاد حکمرانوں کو دوبارہ، اور سہ بار بھی ان کو آزما چکے ہیں مگر اب بہت سے لوگ نظام بدلنے کے بارے میں توجہ دے رہے ہیں۔۔

کرپٹ اور ظالم حکمرانوں پر اللہ کی پکڑ

اللہ رب العزت نے فرمایا واعلمو جان لو ان اللہ یعلم مافی انفسکم کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے

اگر دل میں قانون ناموس رسالت ﷺ کی تبدیلی کی خلاف ورزی کا خیال ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بھی جانتا ہے۔ فاخذوہ للذا اس سے ڈرتے رہو۔ اس کے قانون کی خلاف ورزی نہ کر بیٹھنا۔ واعلموا اور یاد رکھو ان اللہ غفور حلیم اللہ تعالیٰ غفور یعنی بخشنے والا بھی ہے اور بردبار بھی ہے۔ تحمل کرنے والا ہے۔ بسا اوقات وہ گرفت نہیں کرتا مگر اپنے حبیب ﷺ کے گستاخوں اور مجرموں کو پکڑتا ہے تو پھر خوب پکڑتا ہے جس پر ن لیگ کی حالت اور تاریخ شاہد ہے۔

باقی حکمرانوں کو اللہ تعالیٰ کے تحمل کی وجہ سے لاپرواہ نہیں ہو جانا چاہیے کہ ایک دفعہ بچ گیا تو ہمیشہ ہی بچتا رہیگا بلکہ وہ اپنے وقت پر ضرور پکڑا جائیگا۔ اگر خدا کے قانون کو توڑو گے تو اسکی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔

اسلام کا فلسفہ دیانت وامانت اور جمہوری طرز عمل

احکامِ اسلام اور فرائض کی ادائیگی

بہر کیف یہ واقعہ صرف شانِ نزول کا حکم رکھتا ہے اس پر تمام علماء کرام اور مفسرین کا اتفاق ہے کہ آیت کا سببِ نزول اگرچہ کوئی خاص واقعہ ہوا کرتا ہے لیکن آیت کا حکم عام ہوتا ہے اور اس آیت کے مخاطب عوام اور حکام ہیں۔ عوام اور حکام دونوں کو اللہ تعالیٰ تاکیدی حکم فرماتا ہے کہ امانتوں کو ان کے اہلوں اور حقداروں تک ضرور پہنچاؤ۔ اس میں ایک تو وہ امانتیں شامل ہیں جو مال ودولت کی صورت میں کسی کے پاس رکھوائی جائیں، ان میں خیانت نہ کی جائے بلکہ جوں کی توں واپس کر دی جائے۔

یہاں حکومتی اور ریاستی عہدے اور مناصب (Posts) ہیں جن کو ووٹ دے کر ان عہدوں پر فائز کرنے والے عوام اچھی صلاحیت اور صادق اور امین کی (Merit) پر صلاحیت رکھنے والے افراد کو فائز کرنا چاہئے، محض سیاسی وسماجی بنیاد پر، وطنیت اور صوبائیت کی بنیاد پر، لسانی ومسلکی تعصب کی بنیاد پر، رشتہ داری وخاندانی بنیاد پر یا کوٹہ سسٹم کی بنیاد پر کسی نااہل کو کامیاب کرنا کوئی عہدہ ومنصب دینا نہ صرف اس آیت قرآنی کے خلاف ہے بلکہ فطری اور کائناتی تقاضوں کے بھی خلاف ہے۔

اور اس میں وہ امانت بھی داخل ہے جس کا نام "عدل وانصاف" ہے جو حاکموں اور قاضیوں کو اپنی رعایا، حقداروں اور انصاف کے طلبگاروں کے حقوق ادا کرنے پر پابند کرتا ہے اور وہ تمام امانتیں بھی اس میں داخل ہے جن کو ان کے مستحقین کے سپرد کرنا ضروری اور لازمی ہے۔

موجودہ جمہوریت میں حصہ لینا:

اب جمہوریت چونکہ طاری ہو گئی اور اس کو اپنا چکے اس کو بدلنے کا طریق یہی ہے کہ اسی ہتھیار کے ساتھ لڑ کے آگے آکر اس نظام کو تبدیل کرو اور اگر آپ یہ موجودہ ہتھیار نہیں اپناتے جس ہتھیار کو یہ غلط لوگ اپنائے بیٹھے ہیں تو وہ آپ کو اس دعویٰ کے ساتھ کہ یہ نظام غلط ہے آگے آنے نہیں

دیتے اور ہم اس کو بدلیں گے اس کو تبدیل کریں گے، آگے آنے کے لیے اس غلط پالیسی کو اپنا کر اس کے ذریعے سے آگے آنا تاکہ آگے آکر آگے بڑھ کر ہم معاملات کی اصلاح کریں تو یہ بالکل ٹھیک ہے اس کو غلط کہتے وئے اور یہ کہتے ہوئے کہ جس وقت ہمیں اختیار ملے گا تو ہم اس میں تبدیلی لائیں گے اس میں حصہ اگر لیا جائے تو یہ کوئی اسلام کے خلاف نہیں ہے۔ بلکہ ہمیں جمہوریت میں حصہ لے کر ووٹ دینے کو جانا چاہیئے۔

حاکم کا اپنے بعد اپنے رشتہ دار کو منتخب کرنا خلفائے راشدینؓ کے سنہرے واقعات

سمجھ دار لوگ مل کر کسی طریقے کو اگر متعین کریں تو اسلام میں اس کی گنجائش ہے اتنی سی لچک اس میں ہے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے خلفاء کا انتخاب جس انداز سے ہوا اس میں کافی رہنمائی موجود ہے اگر کوئی شخص راہنمائی حاصل کرنا چاہے باقی اگر عوام کی رائے کے ساتھ جانے والے کے بعد اس کا رشتہ دار ہی منتخب کر لیا جائے اس میں بھی کوئی عیب نہیں ہے، حضرت علی (رض) کے بعد حضرت حسن (رض) منتخب ہوئے، حضرت علی (رض) کی جماعت نے حضرت حسن (رض) کے ہاتھ پر بیعت کر لی حالانکہ حضرت حسن (رض) بیٹے ہی ہیں یہ کوئی ممانعت بھی نہیں کہ جانے والے کا رشتہ دار نہیں آسکتا اسی انداز کے ساتھ حضرت معاویہ (رض) نے دیانت داری کے ساتھ مناسبت سمجھا کہ امت اگر مجتمع رہ سکتی ہے تو میرے بیٹے پر رہ سکتی ہے اگر میں نے اس کو ایسے ہی بغیر کسی قسم کی تعیین کرنے کے اپنے زمانے کے اندر چھوڑ دیا اگر ایک پر میں نے جمع کرنے کی کوشش نہ کی تو اب مسلمان اتنے پھیل چکے ہیں کہ پھر وہ کہے گا کہ اس کو بناؤ وہ کہے گا اس کو بناؤ پھر امت آپس میں لڑے گی، بھڑے گی، فساد کرے گی دیانت داری کے ساتھ اگر اس کو مناسب سمجھا اور امت کے ساتھ اجتماعیت والا مفاد اسی میں سمجھا تو ان کا یہ عمل بھی بالکل ٹھیک ہے کہ زندگی کے اندر تعیین کر دی۔

جس طرح حضرت ابوبکر صدیق (رض) نے اپنی زندگی کے اندر حضرت عمر (رض) کی تعیین کر دی تھی اور پھر لوگوں سے مشورہ لیا لوگوں کو اس بات پر متفق پانے کے بعد اعلان کر دیا اگر حضرت معاویہ (رض) نے بھی اسی سے روشنی حاصل کی ہو کہ اپنی زندگی میں ایک کو متعین کر کے باقیوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کی ہو تاکہ خلیفہ کے بعد پھر امت انتشار میں نہ مبتلا ہو جائے اور دیانت داری سے سمجھا ہو کہ میرے خاندان پر تو سارے متفق رہ سکتے ہیں اور اگر اس کو ایسے ہی چھوڑ دیا تو کوئی کہے گا فلاں ہو کوئی کہے گا کہ فلاں ہو پھر وہی انتشار برپا ہو جائے گا اور ادھر سرحدوں کے اوپر باقاعدہ سب جہاد جاری تھے تو امت کو مجتمع رکھنے کی نیت کے ساتھ اگر وہ اپنے بیٹے کی تعیین کرتے ہیں تو یہ بھی کوئی شریعت کے خلاف نہیں ہے باقی مدار ان کی نیت پر ہے چونکہ وہ ہادی تھے چونکہ وہ مہدی تھے سرور کائنات (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی دعاؤں کے ساتھ اس لیے ہم یقین کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اپنی جگہ وہ نیک نیت تھے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا اجر پائیں گے۔

حب جاہ اور حب مال یہ دونوں چیزیں کفر کا سبب بنتی ہیں

اللہ تعالیٰ نے اس کفر کا سبب بیان فرمایا سبب ہے حب جاہ اور حب مال یہ دونوں چیزیں کفر کا سبب بنتی ہیں اسی حب جاہ حب مال کو اس عنوان سے یہاں ذکر کیا گیا۔

دنیاوی زندگی کافروں کے لیے مزین کردی گئی:

"زین للذین کفروا الحیوۃ الدنیا" مزین کی گئی ان لوگوں کے لیے جنہوں نے کفر کیا دنیاوی زندگی، دنیاوی زندگی کے مزین کرنے سے مراد یہ ہے کہ دنیاوی زندگی میں مال اور جاہ یہ دو چیزیں ہیں کہ جس سے دنیاوی زندگی ان کو پرکشش نظر آتی ہے اور دنیاوی زندگی میں مال حاصل کرنے کے لیے کوئی بڑا منصب مقام حاصل کرنے کے لیے وہ تگ ودو کرتے ہیں حتیٰ کہ اپنے دین کی پرواہ نہیں کرتے ایمان کی پرواہ نہیں کرتے اللہ کے احکامات کی پرواہ نہیں کرتے۔

اب ان کو مال اور جاہ کی محبت اندھا بہرا کردیتی ہے وہ حصول مال کے لیے اور حصول جاہ کے لیے اللہ کے احکامات کی کوئی پرواہ نہیں کرتے، اللہ کے رسول کی، رسول کی بھی تکذیب کردی اللہ کی بھی تکذیب کردی اور صرف ایک ہی ان کے سامنے مقصود ہے کہ ہمیں مال و دولت حاصل ہو جائے اور کوئی ہمیں بڑا مرتبہ حاصل ہو جائے اور یہی ان کے لیے بڑی کامیابی ہے

حضرت علامہ غلام رسول سعیدی تفسیر تبیان القرآن میں رقم طراز ہیں کہ:

"اس آیت سے پہلی والی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے بعض احوال بیان فرمائے اور وعید اور وعدہ کا ذکر فرمایا، اس کے بعد پھر احکامِ تکلیفیہ (احکامِ شریعت) کا ذکر شروع فرمایا۔ نیز اس سے پہلے یہود کی خیانت کا ذکر فرمایا تھا کہ اُن کی کتاب میں سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر جو دلائل ہیں وہ ان کو چھپا لیتے ہیں اور لوگوں کے سامنے بیان نہیں کرتے اور اس میں خیانت کرتے ہیں تو اُس کو مقابلے میں مسلمانوں کو امانت داری کا حکم دیا۔ امانت ادا کرنے کا حکم عام ہے، خواہ مذاہب میں ہو، عقائد میں ہو یا معاملات میں سب امانت میں داخل ہیں۔ اس لئے جمہور مفسرین نے فرمایا ہے کہ دین کے تمام وظائف واعمال اس میں داخل ہیں اور شریعت کے تمام احکامِ اوامر ونواہی کا مجموعہ امانت ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ امانت سے مراد احکامِ شریعت کا مکلّف وما مور ہونا ہے جن پر پورا اُترنے پر کثیر اجر وثواب اور جنت کی دائمی نعمتوں کا وعدہ اور خلاف ورزی یا کوتاہی کرنے پر جہنم کا عذاب موعود ہے۔ (تفسیر تبیان القرآن: جلد 2، صفحہ 698-699، فرید بک اسٹال لاہور)

صادق اور امین کون ھے؟ ارکان پارلیمنٹ کی نااھلی کا معیار کیا ھے؟

آئین کے آرٹیکل 62 اور 63 کیا ہیں؟

آئیے ہم دیکھتے ہیں کہ صادق اور امین کون ہے؟ ارکان پارلیمنٹ کی نااہلی کا معیار کیا ہے؟ آئین کے آرٹیکل 62 اور 63 کیا ہیں؟ کون ان پر پورا اترتا ہے؟ پانامہ کے ہنگامے کے ساتھ ہی آرٹیکل 62 اور 63 کا چرچا بھی خوب ہو رہا ہے کون صادق اور امین ہے؟ ہر جگہ یہی سوال موضوع بحث ہے

آئین کا آرٹیکل 62 کہتا ہے:۔

1۔ کوئی ایسا شخص پارلیمنٹ کا رکن بننے کا اہل نہیں جو پاکستان کا شہری نہ ہو۔

2۔ ضروری ہے رکن پارلیمنٹ اچھے کردار کا مالک ہو۔

3۔اسلامی تعلیمات کا خاطر خواہ عام رکھتا ہو۔

4۔اسلام کے مقرر کردہ فرائض کا پابند ہو۔

5۔اس نے کبھی گناہ کبیرہ کا ارتکاب نہ کیا ہو۔

6۔رکن پارلیمنٹ سمجھدار، پارسا، ایماندار صادق اور امین ہو۔

7۔ عیاش، فضول خرچ اور آوارہ گرد نہ ہو۔

8۔ کسی اخلاقی پستی میں ملوث یا جھوٹی گواہی پر سزا یافتہ نہ ہو۔

آئین کا آرٹیکل 63 کہتا ہے:

1۔ کوئی شخص فاترالعقل ہو یا کسی مجاز عدالت نے اسے قرار دیا ہو تو وہ پارلیمنٹ کا رکن نہیں رہ سکتا۔

2۔ نظریہ پاکستان اور ملکی سالمیت کیخلاف رائے رکھنے والا شخص بھی رکن پارلیمنٹ رہنے کا اہل نہیں۔

3۔ مسلح افواج اور عدلیہ کی تضحیک کرنے والا شخص بھی آرٹیکل 63 کے دائرے میں آئے گا۔

4۔ نااہلی کے زمرے میں آنیوالے رکن کیخلاف سپیکر یا چیئرمین سینٹ معاملہ الیکشن کمیشن کو ریفر کرے گا جو نوے دن میں فیصلہ کرے گا۔

حلف وفاداری اور شریعت

ہر ملک اور مخصوص اداروں یا سیاسی جماعتوں کا ان کا اپنا آئین اور دستور ہوتا ہے جس میں شمولیت کے لئے حلف وفاداری لیا جاتا ہے، کچھ جگہوں میں تو شمولیت کرنے والے ملازم ہوں یا ممبران کو اپنے مذہب کے مطابق ہی حلف برداری کے لئے کہا جاتا ہے یہاں تک تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن اس کے برعکس اگر کسی ادارہ یا جماعت و پارٹی کا دستور و منشور اور اصول قانون شریعت اسلامی اور قرآن وحدیث کے اصول کے بالکل خلاف ہو، اور اس میں شمولیت ورکنیت اختیار کرنے والوں کے لیے خلاف شریعت قانون سے بھی وفاداری کا عہد و پیمان کرنا پڑے اور خلاف شریعت دفعات سے وفاداری کا حلف اٹھانا پڑے، تو ایک مسلمان کے لئے اس طرح کے دفعات و قوانین سے وفاداری کا حلف لینا اور اس عہد و پیمان کرنا کہ میں اس ادارے کے تمام قوانین کا پاس و لحاظ کروں گا (اگرچہ وہ خلاف شرع ہی کیوں نہ ہوں)، جائز نہیں۔

اس لئے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

عن النواس بن سمعان قال قال رسول الله ﷺ لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق۔

(شرح السنۃ: ج ۱۰ص ۴۴: المعجم الکبیر: ج ۱۸ص ۱۷۰: ، مصنف بن ابی شیبہ: ج ۱۲ص ۵۴)

حضرت نواس بن سمعانؓ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس مسئلہ میں خالق اللہ رب العزت کی نافرمانی لازم آتی ہو اس میں کسی بھی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔

’’عن علي قال قال رسول الله ﷺ لا طاعة لمخلوق في معصية إنما الطاعة في المعروف‘‘

بخاری شریف: باب ماجاء فی اجازۃ خبر الواحد الصدوق، مسلم: کتاب الامارۃ باب وجوب طاعۃ الامراء فی غیر معصیۃ: ج ۲ رقم ۱۷۸۴)

حضرت علیؓ سے روایت کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ معصیت اور گناہ کے کام میں کسی بھی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے اطاعت وفرماں برداری صرف نیک کاموں میں جائز ہے۔

نوازشریف کے تینوں ادوار کے سیاہ کرتوت

☜ 1- جیلوں میں قید سزا موت پانے والے توہین رسالت کے مجرموں کو خصوصی تحفظ ن لیگ نے فراہم کیا۔

☜ 2- گستاخ بلاگرز کو ملک سے ن لیگ نے فرار کروایا۔

☜ 3- پیر سید مہر علی شاہ رحمتہ اللہ علیہ کی کتاب سیف چشتائی پر پابندی بھی ن لیگ نے لگائی۔

☜ 4- شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کی کتاب غنیہ الطالبین پر بھی پابندی ن لیگ نے لگوائی۔

☜ 5- انگریزی عدالت سے سزائے موت پانے والے توہین رسالت کے مجرم اصغر کزاب کو اگست 2017 کو لاہور پاگل خانے سے خصوصی طیارے کے زریعے راتوں رات لندن ن لیگ نے فرار کروایا

6- پارلیمنٹ میں عقیدہ ختم نبوت کی شقوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ ن لیگ نے کی جس کے ردعمل میں مجرموں کو بے نقاب کرنے کے لیے فیض آباد دھرنہ کے پرامن شرکاء پر بدترین تشدد ن لیگ نے کروایا جس کے نتیجے میں 6 افراد موقع پر شہید اور سیکنڑوں زخمی ن لیگ نے کروائے.

☜ 7- علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد کمپس کا نام معلون قادیانی ڈاکٹر عبدالسلام کے نام سے منسوب بھی ن لیگ نے کروایا۔

☜ 8- مصور پاکستان ڈاکٹر علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ کی چھٹی ن لیگ نے ختم کی۔

☜ 9- مغرب کو خوش کرنے کے لیے محافظ ناموسِ رسالت ﷺ غازی ممتاز قادری شہید رحمتہ اللہ علیہ کے کیس کی سپریم کورٹ میں دہشتگردی کی دفعات دوبارا بحال کروانے کے لیے خصوصی پیروی ن لیگ نے کی اور ساڑھے 6 ہزار سزائے موت کی اپیلوں کو چھوڑ کر سب سے پہلے غازی ممتاز قادری کا نمبر لگایا۔

☜ 10- مساجد سے 3 اطراف سے سپیکر ن لیگ نے اتروائے۔

☜ 11- درود سلام پر پابندی ن لیگ نے لگائی۔

☜ 12- لاہور میں کرکٹ میچ کی خاطر مساجد کو تالے ن لیگ نے لگوائے حتکہ وہاں جمعہ کی نماز تک ادانہ کرنے دی گئی۔

☜ 13- ناموسِ رسالت ﷺ کا دفاع کرنے پر علمائے کرام کے نام فورتھ شیڈول میں ن لیگ نے ڈلوائے۔

☜ 14- بھارتی جاسوسوں کو اپنی فیکٹری میں پناہ دینے۔

☜ ماڈل ٹاؤن میں چودہ بے گناہ افراد کو قتل کرنے۔

☜ قومی سلامتی کے راز فاش کرنے۔

☜ مدارس کو جہالت کی فیکٹریاں کرار دینے۔

☜ ممبئی حملوں کاالزام پاکستان پر عائد کرنے۔

☜ مودی کی ماں کو ساڑھی کے تحفے بھجوانے، مری میں بھارتی جاسوس سے خفیہ ملاقات کرنے۔

☜ ملکی خزانے سے اربوں روپے لوٹنے۔

☜ دو قومیٔ نظریے اور نظام رسول ﷺ کی مخالفت کرنے۔

☜ قصور میں مصوم بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی کرنے۔

☜ امت مسلمہ پر مظالم پر بالکل خاموشی اختیار کرنے۔

☜ سود کے مسئلے پر صدر کی جانب سے علمائے کرام سے گنجائش پیدا کروانے۔

☜ نواز شریف کی جانب سے منکرین ختم نبوت قادیانیوں کو اپنا بہن بھائی اور سرمایہ کہنے۔

☜ جیو ٹی وی جیسے چینلز پر قرآن پاک کے ترجمے کو تبدیل کرنے اور فحاشی کو عام کرنے

☜ تعلیمی نصاب میں اسلامی اسباق کو نکالنے سمیت دیگر ایسے کئی کرتوت ہیں جو یہ سب باہر ممالک میں کرتے ہیں۔

☜ یہ شریفس نہ تو اسلام کے وفادار ہیں اور نہ ہی پاکستان کے. اس دفعہ ووٹ دینے سے پہلے یہ سب کرتوت یاد رکھیے گا ورنہ ان کی حمایت کرنے پر قبر و حشر میں پچھتاوا ہو گا.

☜ الیکشن میں 62،63 اور اپنے اثاثے چھپانے کی شق کو مفلوج کیا گیا اور پھر سے چور ڈاکو اقتدار میں آنے کیلئے صف آراء ہوئے۔

☜ ملک میں عرصہ دراز اقتدار میں رہنے کے باوجود کوئی ڈیم نہین بنایا گیا اور بجلی بھی پوری نہ کی جس سے قوم کو نقصان ہوا

☜ وازرت خارجہ کو بہارتی مفاد کیلئے نظر انداز کیا گیا۔

خلاصہ کلام :

مذکورہ بالا احادیث شریفہ سے معلوم ہوا کہ امیر وحاکم کی بات کو سننا اور اطاعت کرنا اسی طرح کسی ادارے اور جماعت و پارٹی کے قوانین واصول کے ساتھ وفاداری اس وقت تک جائز ہے، جب تک وہ قرآن وحدیث کے مخالف نہ ہوں، اگر ادارہ یا جماعت و پارٹی کا کوئی حکم و قانون شریعت کی حدود سے متجاوز ہو اور اس پر عمل پیرا ہونے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور عدم اطاعت لازم آتی ہو، تو اس صورت میں اس کے ساتھ وفاداری کا عہد کرنا یا اس کے لیے حلف اٹھانا کسی کلمہ گو شخص کے لئے جائز نہیں۔

حکومتی وریاستی عهدے ومناصب امانت هیں

تفاسیر میں آتا ہے کہ "اس جگہ یہ بات غور طلب ہے کہ قرآن حکیم نے لفظ --"امٰنٰت" (امٰنٰت، یہ امانت کی جمع ہے) بصیغہ جمع استعمال فرمایا ہے، حکومت کے عہدے اور منصب سب اللہ کی امانتیں ہیں، جس کے امین وہ حکام اور افسر ہیں جن کے ہاتھ میں عزل و نصب (یعنی کسی کو معزول کرنا اور کسی کا تقرر کرنا) کے اختیارات ہیں، ان کے لئے قطعاً جائز نہیں کہ کوئی عہدہ کسی ایسے شخص کے سپرد کرے جو اپنی عملی یا علمی قابلیت کے اعتبار سے اس کا اہل نہیں ہے بلکہ ان پر لازم ہے کہ ہر کام اور ہر عہدہ کے لئے اپنے دائرہ حکومت میں اس کے مستحق کو تلاش کریں۔ پوری اہلیت والا، سب شرائط کا جامع کوئی نہ ملے تو موجودہ لوگوں میں قابلیت اور ایمانداری کے اعتبار سے جو سب سے زیادہ فائق ہو اُس کو ترجیح دی جائے۔ ایک حدیث میں رسول ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کو عام مسلمانوں کی کوئی ذمہ داری سپرد کی گئی ہو پھر اس نے کوئی عہدہ کسی شخص کو محض دوستی و تعلق کی بنیاد پر بغیر اہلیت وصلاحیت کے دے دیا اس پر اللہ کی لعنت ہے، نہ اس کا فرض مقبول ہے، نہ نفل یہاں تک کہ وہ جہنم میں داخل نہ ہو جائے۔ (جمع الفوائد: ص ۳۲۵)

بعض روایات میں ہے کہ جس شخص نے کوئی عہدہ کسی شخص کے سپرد کیا حالانکہ اس کے علم میں تھا کہ دوسرا آدمی اس عہدہ کے لئے اس سے زیادہ قابل اور اہل ہے تو اس نے اللہ کی خیانت کی اور رسول ﷺ کی اور سب مسلمانوں کی (خیانت کی)۔ آج جہاں نظام ابتری نظر آتی ہے وہ سب قرآنی تعلیم کو نظر انداز کر دینے کا نتیجہ ہے۔ تعلقات اور سفارشوں اور رشتوں سے عہدے تقسیم کئے جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نااہل اور ناقابل لوگ عہدوں پر قابض ہو کر خلق خدا کو پریشان کرتے ہیں اور سارا نظامِ حکومت برباد ہو جاتا ہے"۔ (تفسیر معارف القرآن: جلد 2 صفحہ 447، مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی)

امامت ونیابت نااھل کے سپرد کرنا اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ امانت میں خیانت ھے !

امامت و نیابت کے الفاظ کا مفہوم وسیع تر ہے، لیکن ہم یہاں خاص فرض نمازوں کی امامت اور نیابت سے متعلق چند باتیں عرض کریں گے۔ نماز اسلامی عبادات میں سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے، تو ظاہر ہے کہ اسے ادا کرنے کے لیے مخصوص شرائط بھی ہوں گی اور واقعی ہیں، جو کہ کتبِ حدیث و فقہ میں مفصل مذکور ہیں، جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ اسلام میں فرض نمازوں کی ادائگی کے لیے مَردوں کو ایک خاص حکم دیا گیا ہے کہ تمام بالغ مرد کوئی شرعی عذر نہ ہونے کی صورت میں فرض نمازیں مسجد میں آکر جماعت کے ساتھ ادا کریں اور اس کا اہتمام عہدِ نبوی سے آج تک نہایت اہتمام سے کیا جاتا رہا ہے، جس کے پیشِ نظر مسلمان آبادی کے لحاظ سے مستقل مسجدیں تعمیر کرتے ہیں اور معین شخص کو امامت وغیرہ کے منصب پر فائز کرتے ہیں، جس میں عامةً کوشش کی جاتی ہے کہ امام صاحب کسی مستند دینی درس گاہ کے فارغ التحصیل عالم فاضل ہوں اور اگر کوئی مفتی صاحب امام ہو جائیں تو کیا ہی اچھا۔ نماز کی صحت کے لیے چوں کہ نماز اور اس کے متعلقہ مسائل کا جاننا ضروری ہے، اس ضرورت کے پیشِ نظر یہ شرطیں لگائی جائیں تو مفید بھی ہے لیکن ساتھ ہی یہ خیال بھی درست نہیں کہ حافظ، قاری، عالم اور مفتی کے سوا کوئی مسلمان امامت کی ذمے داری کا اہل نہیں، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن احادیث میں نمازِ جماعت کی تاکید کی ہے، وہاں ایسی کوئی شرط نہیں رکھی، البتہ احادیث میں 'اقرأ' (بہتر قرآن پڑھنے والے) اور کتبِ فقہ میں 'اِعلم' (نماز اور اس کے متعلقہ مسائل زیادہ جاننے والے) کو امام بنانے کی تاکید وارد ہوئی ہے، جس کا مقصد ظاہر ہے کہ صحت و درستگی کے ساتھ نماز کی ادائگی ہے۔ پر افسوس کہ فی زمانہ امام کے لیے اہلیت و صلاحیت کے بجاے سستے داموں میں مہیا ہونے والے اشخاص کو مع کاغذی سندوں کے امامت کا عظیم منصب سپرد کر دیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے بعض مقامات پر ایسے افراد امامت کرتے نظر آتے ہیں جو نہ قرآن کا درست تلفظ کر پاتے ہیں اور نہ دینی مسائل سے واقفیت رکھتے ہیں۔ بعض جگہوں پر امام کے لیے تو کچھ باتوں کا لحاظ رکھا جاتا ہے لیکن اس کی غیر موجودگی میں امامت کی ذمّے داری انجام دینے والے یعنی نائب میں ان شرائط کو ضروری خیال نہیں کیا جاتا، حد تو یہ ہے کہ یہ عظیم منصب صاف صفائی کرنے والے مسجد کے اس خادم کے سپرد کرنے میں بھی عار محسوس نہیں کی جاتی جو طہارت وضو تک کے مسائل سے واقف نہیں ہوتا۔ کہیں کچھ خاص اہتمام کرتے ہیں تو مؤذن حافظِ قرآن رکھ لیتے ہیں، جب کہ امامت کے لیے پورے قرآن کا حفظ ہونا ضروری نہیں بلکہ نماز کے ضروری مسائل جاننے کے ساتھ فقط قرآن کا درست پڑھنا ضروری ہے۔

لوگوں کا امام ایسا شخص ہونا چاہیے، جو قرآن کا زیادہ علم رکھتا ہو

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لوگوں کا امام ایسا شخص ہونا چاہیے، جو قرآن کا زیادہ علم رکھتا ہو، اگر اس وصف میں (کئی) لوگ برابر ہوں، تو پھر وہ شخص امام بنے، جسے سنتِ نبوی ﷺ کا زیادہ علم ہو، اگر اس میں بھی (کئی) لوگ برابر ہوں تو پھر وہ امام بنے، جو ہجرت کرنے میں مقدم ہو اور اگر اس میں بھی (کئی) لوگ برابر ہوں تو پھر وہ شخص امام بنے جو عمر میں زیادہ ہو۔ (مسلم:383)

اس سے مراد حکمران بھی ہیں کہ ان کو حاکم اس کو بناو جو کہ سنت نبوی کا زیادہ علم جانتا ہو۔

جو حکم امامت کا ہے، وہی نیابت کا بھی ہوگا،

اس لیے کہ یہ نیابت امامت کی ذمّے داری انجام دینے کے لیے ہی ہے، نیز یہ ذمّے داری سب متولیانِ مسجد اور بااختیار افراد کی ہے، جس میں رنگ و نسل اور نسب وعلاقے' کسی طور پر تعصب کی گنجائش نہیں۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُکُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَہۡلِہَا۔ (مسلمانو) یقیناً اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں تک پہنچاؤ۔ (النساء: 58)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حکومت کے عہدے اور منصب جتنے ہیں وہ سب اللہ کی امانتیں ہیں جس کے امین وہ حکام اور افسر ہیں جن کے ہاتھ میں عزل و نصب کے اختیارات ہیں، ان کے لیے جائز نہیں کہ کوئی عہدہ کسی ایسے شخص کے سپرد کردیں جو اپنی عملی یا علمی قابلیت کے اعتبار سے اس کا اہل نہیں ہے، بلکہ ان پر لازم ہے کہ ہر کام اور ہر عہدے کے لیے اپنے دائرۂ حکومت میں اس کے مستحق کو تلاش کریں، پوری اہلیت والا سب شرائط کا جامع کوئی نہ ملے تو موجودہ لوگوں میں قابلیت اور امانت داری کے اعتبار سے جو سب سے زیادہ فائق ہو اس کو ترجیح دی جائے۔ایک حدیث میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص کو عام مسلمانوں کی کوئی ذمے داری سپرد کی گئی ہو پھر اس نے کوئی عہدہ کسی شخص کو محض دوستی و تعلق کی مد میں بغیر اہلیت معلوم کیے ہوئے دے دیا، اس پر اللہ کی لعنت ہے نہ اس کا فرض مقبول ہے نہ نفل، یہاں تک کہ وہ جہنم میں داخل ہو جائے۔

دیوبندیوں کے عالم شفیع صاحب لکھتے ہیں۔

بعض روایات میں ہے کہ جس شخص نے کوئی عہدہ کسی شخص کے سپرد کیا، حالاں کہ اس کے علم میں تھا کہ دوسرا آدمی اس عہدہ کے لیے اس سے زیادہ قابل اور اہل ہے تو اس نے اللہ کی خیانت کی اور رسول کی اور سب مسلمانوں کی۔آج جہاں نظامِ حکومت کی ابتری نظر آتی ہے وہ سب اس قرآنی تعلیم کو نظر انداز کردینے کا نتیجہ ہے کہ تعلقات اور سفارشوں اور رشوتوں سے عہدے تقسیم کیے جاتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نااہل اور ناقابل لوگ عہدوں پر قابض ہو کر خلقِ خدا کو پریشان کرتے ہیں اور سارا نظام حکومت برباد ہو جاتا ہے۔اسی لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا: جب دیکھو کہ کاموں کی ذمّے داری ایسے لوگوں کے سپرد کردی گئی جو اس کام کے اہل اور قابل نہیں تو اب اس فساد کا کوئی علاج نہیں، قیامت کا انتظار کرو۔یہ ہدایت صحیح بخاری کتاب علم میں ہے۔(معارف القرآن: 2/446-447)

موجودہ حکمرانوں کی مثال حدیث مبارکہ سے

(نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں) لوگوں کا یہ حال ہو جائے گا کہ ان میں امانت واپس کرنیوالا کوئی نہیں رہے گا یہاں تک کہ یہ کہا جائے گا کہ فلاں قبیلے میں ایک امانتدار شخص ہے یہاں تک کہ کہا جائے گا (جو امانت میں خیانت کرتا ہو) یہ کتنا سمجھدار، مضبوط اور تیز آدمی ہے حالانکہ اس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں ہوگا۔

قومی ذمہ داری کو قومی امانت سمجھ کر پورا کریں

امید ہے ووٹ ڈالنے کی قومی ذمہ داری کو قومی امانت سمجھ کر پورا کرینگے، نگران وزیر اعلیٰ، انتخابات کا پرامن اور شفاف انداز میں انعقاد وقت کی اہم ضرورت ہے، اور عوام کو چاہیئے کہ وہ کم از کم یہ ضرور دیکھے حق و صداقت اور امانت و دیانت اور اہلیت وصلاحیت کس طرف ہے؟ کیونکہ ووٹ کی حیثیت و کیفیت بعینہٖ اگر شہادت والی نہ بھی ہو تو تا ہم اس کی حیثیت شہادت و گواہی اور شہادت پر قیاس کرنے میں کوئی امر مانع نظر نہیں آ رہا ۔لہٰذا جس فرد (اگر وہ آزاد کھڑا ہے) میں جس جماعت و پارٹی (جبکہ امیدوار کسی جماعت کی طرف سے کھڑا ہو) میں عمدہ عادات و اوصاف اور صالحیت و صلاحیت موجود ہو اس کو اپنا نمائندہ منتخب کرنا ضروری ہے اور اس کے مقابل نا اہل و جاہل اور بد کردار کرپٹ کے حق میں گواہی و شہادت نہ دینی چاہیے بلکہ اس کو مسترد کیا جانا چاہیے۔

ایک دن حضرت ابوذرؓ نے حضور نبی کریم ﷺ سے درخواست کی کہ انہیں کوئی اہم ذمہ داری کا عہدہ عطاء کیا جائے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ اے ابوذرؓ تم ضعیف آدمی ہو اور اہم منصب اللہ تعالیٰ کی امانت ہے جو لوگ اس ذمہ داری کو پورا نہیں کر سکتے وہ قیامت کے دن ذلیل و خوار ہوں گے ۔سوائے اس شخص کے جس نے امانت کا پورا حق ادا کر دیا۔ (مسلم شریف)

جو بندہ فیصلے میں ظلم کرتا ہے، تو وہ جہنم میں ہوگا

"عبداللہ بن عباس بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر صاحبِ اختیار نے یہ جاننے کے باوجود کہ (منصب کے لیے) کتاب اللہ اور سنتِ رسول کا زیادہ علم رکھنے والا بہتر شخص موجود ہے، کسی (جاہل اور خائن) کو عامل بنایا تو اس نے اللہ، اس کے رسول اور تمام مسلمانوں سے خیانت کی، (السنن الکبریٰ للبیہقی: 20364)"۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "جس کو لوگوں پر قاضی بنایا گیا، اُس کو (گویا) بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا، (سنن ترمذی: 1325)"۔ بغیر چھری کے ذبح کیے جانے سے مراد کسی ایسے کند آلے سے ذبح کرنا ہے جس کی تکلیف ناقابلِ تصور ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا(ا): "قاضیوں کی تین قسمیں ہیں: ایک جنت میں ہوگا اور دو جہنم میں ہوں گے۔ جنت میں وہ شخص ہوگا جس کو حق کا علم ہو اور وہ اس کے مطابق فیصلہ بھی کرے۔ جس شخص کو حق کا علم ہے، مگر وہ فیصلے میں ظلم کرتا ہے، تو وہ جہنم میں ہوگا اور جو شخص بغیر علم کے لوگوں کے فیصلے کرے، وہ بھی جہنم میں ہوگا، (سنن ابوداؤد: 3573)"۔

ووٹر کو عدل پر مبنی فیصلہ نہ کرنے پر جاری فتویٰ

پس جب ووٹرز کے پاس منصبِ قضا آئے اور وہ عدل پر مبنی فیصلے نہ کریں، تو اُن کا یہ توقع رکھنا عبث ہوگا کہ جس امیدوار کے بارے میں انہوں نے فیصلہ کرتے وقت اپنے آپ پر اور پوری قوم پر ظلم کیا ہے، وہ عدل کا علمبردار ہوگا، یہ ببول کا درخت لگا کر گلاب کے پھولوں یا انگور کے خوشوں کی تمنّا کرنے کے مترادف ہے۔ مفتی منیب الرحمٰن صاحب، نوائے وقت اخبار ۲۲ نومبر

تبصرہ:

اس حدیث شریف کے تناظر میں ذرا وطن عزیز پاکستان کی موجودہ صورت حالِ کا جائزہ لیں تو آپ پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائے گا۔ کہ ان دگرگوں حالات کی بنیادی وجہ نااہل لوگوں کی اہم عہدوں پر تعیناتی ہے جو اس "بارِ امانت" کو اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتے۔ جب پاکستان کی پہلی کابینہ کا اجلاس تھا۔

اس اجلاس میں قائداعظم محمد علی جناحؒ بھی موجود تھے۔ اے ڈی سی گل حسن نے قائداعظمؒ سے پوچھا۔ سر اجلاس میں چائے تقسیم کی جائے یا کافی؟ قائدؒ نے چونک کر سر اٹھایا۔ یہ لوگ گھروں سے چائے، کافی پی کر نہیں آئے۔ اے ڈی سی گھبرا گئے۔ قائدؒ نے کہا جس وزیر نے چائے، کافی پینی ہے وہ گھر سے پی کے آئے یا پھر واپس گھر جا کر پیئے۔ قوم کا پیسہ قوم کی امانت ہے یہ وزیروں کے لئے نہیں۔

اگر کسی کو ووٹ کے زریعے حکمران یا عہدہ دیا گیا ہے یا کوئی زمہداری بطور امانت رکھ دی گئی تو اس پر متعدد احکام مرتب ہوں گے، ان میں بعض اہم حسب ذیل ہیں:

۱) قومی دولت یا مال، سامان اور حکمتی راز امانت دار یعنی (عہدہ دار) صادق وامین کے پاس بطور امانت رہے گا۔

۲) امانت دار یعنی عہدہ دار کو حتی الامکان امانت یعنی ودیعہ کی حفاظت کرنی چاہیئے۔

۳) امانت دہندہ یعنی امانت گزار اپنا مال یا سامان کسی بھی وقت واپس امانت کے بارے میں پوچھ سکتا ہے۔

۴) امانت دار یعنی عہدہ دار امانت یا عہدہ کو کو کسی بھی وقت چوڑ سکتا ہے۔

۵) حکومتی عہدہ دار ملک و قوم حفاظت یا اس کی بقاکے لئے جو رقم خرچ کرے گا وہ امانداری سے خرچ کرنی ہوگی،

قرآن وحدیث کی روشنی میں مشہور و معروف چاروں ائمہ (امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ) اور دیگر محدثین و مفسرین وعلماء کرام کی بھی یہی رائے ہے۔ تفصیلات کے لئے کویتی اسلامی امور واوقاف کی وزارت سے شائع شدہ موسوعہ فقہیہ کویتیہ کا مطالعہ فرمائیں جو انٹرنیٹ پر بھی مہیا ہے۔ اگر امانت دہندہ (امانت گزار) یہ دعوی کرے کہ امین کے بے جا تصرف کی وجہ سے امانت ضائع ہوئی ہے تو جمہور علماء کی رائے ہے

کہ امین سے قسم لی جائے گی کہ اس نے امانت میں کوئی زیادتی یا کوتاہی نہیں کی ہے۔ اور امانت دار یعنی امین کے قسم کھانے پر اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا، اس لئے کہ وہ امین ہے، اللہ تعالیٰ نے ودیعہ کو امانت سے تعبیر کیا ہے، لہٰذا اصل میں اسکو بری الذمہ ہی قرار دیا جائے گا، الا یہ کہ متعدد شواہد اس کے کذب پر واضح طور سے دلالت کریں۔

یہ اقتدار اور حکموت اللہ کی عنایت اور آکی امانت ہے، اسی طرح یہ دنیاوی فانی زندگی، مال واولاد ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی امانتیں ہیں، لہٰذا ہمیں ہمیشہ ان عظیم امانتوں کی صحیح ادائیگی کی فکر کرنی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتاھے: اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ

(سورۃالاحزاب۷۲)

ہم نے یہ امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کی تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کا بوجھ اٹھالیا۔

امانت زندگی کے ہر شعبے کیلئے ہے اگر ہم ملازمت کر رہے ہیں تو کام کے اوقات ہمارے لئے بطور امانت ہیں، لوگوں سے جو ہم عہد و پیمان کرتے ہیں وہ بھی ہمارے پاس بطور امانت ہیں، اگر کسی شخص نے اپنے راز کی باتیں ہمیں بتائی ہیں تو وہ بھی ہمارے پاس بطور امانت ہیں، ان کا پورا کرنا ہماری شرعی واخلاقی ذمہ داری ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب امانتوں میں خیانت ہونے لگے تو بس قیامت کا انتظار کرو۔ (صحیح بخاری) اسی طرح حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: منافق کی تین علامتیں ہیں: ۱) جھوٹ بولنا۔ ۲) وعدہ خلافی کرنا۔ ۳) امانت میں خیانت کرنا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

مروجہ ووٹ اور الیکشن کی تعریف

دیوبندی مکتبہ فکر کی طرف سے ووٹ کی تعریف

ووٹ بحثیت شہادت:

ووٹ: انتخابات میں ووٹ، ووٹر اور امیدوار کی شرعی حیثیت کم از کم ایک شہادت کی ہے جس کے ذریعہ سے ایک ووٹر الیکشن میں کھڑے ہوئے امیدوار کے بارے میں گواہی دیتا ہے کہ میرے نزدیک یہ امیدوار قوم وملت کا سچا خادم اور ہمدرد ہے اور ملک کا بہی خواہ ہے۔

،اور میری دانست کے مطابق یہ امیداوار ایماندار اور دیانت دار ہے،اس لئے میں اس کو ووٹ دے رہا ہوں، یعنی اس کے حق میں گواہی دے رہا ہوں کہ یہ معتمد ہے۔

ووٹ بحثیت وکالت:

ووٹ کی شرعی حیثیت وکالت کی ہے،جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جس امیدوار کو میں ووٹ دے رہا ہوں میرے کے نزدیک اس امیدوار میں وکالت کی اہلیت ہے اور قابل اعتماد اور باصلاحیت ہے اس لئے میں اس کو اپنی جانب سے وکیل اور نمائندہ منتخب کرتا ہوں، لیکن یہ وکالت صرف اس کے شخصی حق کے ساتھ متعلق نہیں ہے،اور اس کا نفع نقصان صرف ووٹر کی ذات تک محدود نہیں رہتا بلکہ پورے ملک و قوم کے مفادات اس سے وابستہ ہوتے ہیں اگر کسی وجہ سے یہ منتخب نمائندہ خائن ہو جائے یا نااہل ثابت ہو جائے تو اس حق تلفی کرنے کا

نمائندے کو ہوگا وہیں اس ووٹر کو بھی ہوگا۔

ووٹ بحثیت شہادت و گواہی:

ووٹ کی ایک حیثیت گواہی اور شہادت کی بھی ہے گویا ووٹر یہ گواہی دے رہا کہ جس امیدوار کے حق میں میں ووٹ دے رہا ہوں وہ اس کا اہل ہے،اور علم ودانش میں یہ شخص دیانت دار محنتی اور ایماندار ہے ملک و قوم کی خدمت دیانت داری سے کریگا۔اس لئے میرے نزدیک یہ شخص ملک کا نمائندہ بننے کا اہل ہے۔

ووٹ بحثیت سفارش وشفاعت:

شرعی نقطہ نظر سے ووٹ کی ایک حیثیت شفاعت وسفارش کی بھی ہے، گویا ایک ووٹر یہ سفارش کر رہا ہے کہ جس امیدوار کو میں ووٹ دے رہا ہوں یہ اس ووٹ سچا حق دار ہے اور اس عہدہ کا صحیح اہل ہے اس لئے اس کو ملک و قوم کی خدمت کا موقع دیا جائے۔ (مولانا شفیع تفسیر المعارف، تفسیر عثمانی، وغیرہ)

اہلسنت وجماعت کا موقف

سعیدی صاحب نے شفیع دیوبندی کی تحریر کا خلاصہ یہ کیا ہے ووٹ تین حیثیتیں رکھتا ہے۔

ایک شہادت' دوسرے شفاعت' اور تیسرے حقوق مشترکہ میں وکالت۔

تینوں حیثیتوں میں جس طرح نیک صالح قابل آدمی کو ووٹ دینا موجب ثواب عظیم ہے اور اس کے ثمرات اس کو ملنے والے ہیں' اسی طرح نااہل یا غیر متدین شخص کو ووٹ دینا جھوٹی شہادت بھی ہے اور بری شفاعت بھی اور ناجائز وکالت بھی اور اس کے تباہ کن ثمرات بھی اس کے نامہ اعمال میں لکھے جائیں گے۔

اس لیے ہر مسلمان ووٹر پر فرض ہے کہ ووٹ دینے سے پہلے اس کی پوری تحقیق کرلے کہ جس کو ووٹ دے رہا ہے' وہ کام کی صلاحیت رکھتا ہے یا نہیں' اور دیانت دار ہے یا نہیں' محض غفلت و بے پرواہی سے بلاوجہ ان عظیم گناہوں کا مرتکب نہ بنے۔ (معارف القرآن ج ۲ ص ۷۲۔۷۱' مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی' ۱۳۹۷ھ)

دیوبندی موقف کا الرد العظیم:

ہمارا موقف: جو شخص علم اور عمل کے اعتبار سے نااہل ہو' اس کو ووٹ دینا اہلسنت کے نزدیک بھی ناجائز اور گناہ ہے۔

لیکن اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ووٹ کسی کے حق میں شہادت ہے' یا وکالت ہے' یا شفاعت ہے'

ووٹ کی شہادت نہ ہونے پر دلائل:

ووٹ کا شہادت نہ ہونا۔ شہادت میں کسی دیکھے ہوئے یا سنے ہوئے واقعہ کی لفظ شہادت کے ساتھ خبر دی جاتی ہے' اور ووٹ دینے کا معاملہ اس طرح نہیں ہے۔ شفاعت اس لیے نہیں ہے کہ شفاعت میں کسی تیسرے شخص کے پاس کسی منصب کے لیے سفارش کی جاتی ہے' اور اس تیسرے شخص کے اختیار میں یہ معاملہ ہوتا ہے کہ خواہ اس شفاعت کو قبول کرے خواہ رد کردے' جبکہ ووٹ کی حیثیت اس طرح نہیں ہے۔ جس نمائندہ کے

ووٹ ڈالے گئے ہیں' اگر اس کے ووٹ اپنے مقابل سے زیادہ ہوں تو وہ اسمبلی کا ممبر بن جائے گا۔ اس میں کسی کے قبول کرنے نہ کرنے کا کوئی معاملہ نہیں ہے'

ووٹ کا معامہ وکالت والا بھی نہیں ہے

اس طرح ووٹ وکالت بھی نہیں ہے۔ کیونکہ وکالت میں موکل کسی شخص کو وکیل بنانے کے بعد اس کو معزول بھی کر سکتا ہے۔ (ھدایہ اخرین' ص ۱۹۹)

علامہ غلام رسول سعیدی صاحب تبیان القرآن میں لکھتے ہیں کہ ووٹر کسی امیدوار کو ووٹ ڈالنے کے بعد اپنے ووٹ کو کینسل نہیں کر سکتا' اور نہ ہی منتخب ہونے کے بعد اس امیدوار کو معزول کر سکتا ہے۔

اگر کوئی شخص کسی تعلق یا لالچ یا دباؤ کی وجہ سے کسی نااہل شخص کو ووٹ ڈال رہا ہے' تو اس عمل کے ناجائز ہونے کی صاف اور سیدھی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک منصب کے لیے نااہل شخص کو مقرر کرنے کی سعی کر رہا ہے۔ اور اسلام میں کسی نااہل کو منصب دینے سے منع کیا گیا ہے۔

عوام میں رائے شماری یا الیکشن ایک شرعی عمل

قران وسنت اور درج بالا فتاویٰ سے عیاں ہے کہ عوام میں رائے شماری یا الیکشن ایک شرعی عمل ہے جس کے ذریعے حکومت حاصل کی جاتی ہے۔ قائدین تحریک طالبان، اور دیوبندی مکتبہ فکر کو مغربی جمہویت پہ اعتراض ہے حالانکہ یہ طرز حکومت خود قوانینِ اسلام سے ماخوذ ہے۔ بس فرق یہ ہے کہ مغربی جمہویت میں اقتدار اعلی انسانوں کے پاس ہے اور مسلم حکومت میں اللہ تعالی یہ اختیار رکھتے ہیں۔ قرآن مجید میں تین مقامات (42:38، 2:233اور 159:3) پہ لفظ ''شوریٰ'' آیا ہے۔

اس سے مراد ہے: تمام فیصلے کرتے وقت باہمی صلاح مشورہ کرنا اور یہی نظریہ جمہوریت کی بنیاد ہے۔ نبی کریم ﷺ بھی مذہبی معاملات کے علاوہ ہر معاملے میں صحابہ کرام سے صلاح مشورہ کرتے تھے چاہے وہ سردار قبیلہ ہوں یا اہل صفا میں شامل! گویا جب یونان سے لے کر ہندوستان اور چین تک مطلق العنان بادشاہ حکومت کر رہے تھے، اسلام نے اقتدار ''الناس'' (عوام) کے سپرد کر دیا۔

حقیقی جمہوریت وہی ہے جس میں اصل حکومت عوام کے پاس ہو ...اور یہی الناس قرآن پاک میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے الناس ہی پہ احکامات نازل فرمائے۔ انہی پہ پیغمبر اتارے تاکہ وہ اس کا پیغام الناس تک پہنچائیں۔ الناس ہی کے لیے جزا و سزا کا اعلان کیا گیا۔ حقیقتاً قرآن پاک اللہ تعالیٰ کے پاک نام سے شروع اور الناس (سورہ) پر ختم ہوتا ہے۔

درست کہ پاکستان میں حقیقی جمہوریت بہت کم آئی ہے، لیکن وہ رفتہ رفتہ ملک میں جڑ پکڑ رہی ہے۔اس کے شواہد حال ہی میں پوری قوم کے سامنے آئے... کئی بااثر انتخابی امیدوار جعلی ڈگری، کرپشن یا فراڈ کے باعث نااہل قرار پائے۔ہم نے جرنیلوں کو عدالتی کٹھرے میں کھڑے ہوتے دیکھااور جانا کہ وطن عزیز میں کوئی شخص قانون سے ماورانہیں۔نوجوان نسل ان رہنمائوں کی طرف متوجہ ہے جو ملک میں حقیقی جمہوریت اور قانون کی حکمرانی چاہتے ہیں۔فرسودہ حکومتی نظام بیں تبدیلی آ رہی ہے جو راتوں رات نہیں آتی، بعض اوقات اسے عملی جامہ پہنتے صدیاں لگ جاتی ہیں۔آج کی پاور،امریکہ سمیت کئی ممالک کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ اگر کسی گروہ یا تنظیم کا مشن یہ ہے کہ وطن عزیز میں اسلامی حکومت (حقیقی جمہوریت) قائم کی جائے جو عوام کو عدل وانصاف، قانون کی حکمرانی، حقوق، تعلیم،روزگار اور وسائل عطا کرے اور حکمرانوں پہ چیک اینڈ بیلنس رکھے تو بات سمجھ آتی ہے۔لیکن وہ عوام الناس کی حمایت سے اپنا مشن پورا کرنے کی کوشش کریں۔

شوری کی مروجہ شکل،الیکشن میں حصہ لیں اور اپنے نظریات و خیالات عوام کے سامنے پیش کریں۔اب پاکستانی عوام کی اکثریت اتنی باشعور ضرور ہوچکی کہ.برے بھلے میں تمیز کرسکے۔مگر تشدداور بندوق کے زور پر وہ اپنے نظریات دوسروں پر کبھی نہیں ٹھونس سکتے...یہ غیر انسانی عمل بذات خود تعلیماتِ قران وسنت کے خلاف ہے۔بم دھماکوں میں بے گناہ شہریوں کو نشانہ بنانا، سرکاری و نجی تنصیبات تباہ کرنا، مخالف قبائیلوں اور فوجیوں کے سر قلم کرنا، معصوم لڑکوں کو خودکش حملہ آور بنانا، تعلیمی ادارے تباہ کرنا، لڑکیوں کو علم کی روشنی سے دور رکھنا، خواتین اساتذہ کو نشانہ بنانا، بچوں میں صحت بانٹنے والوں کو مارنا، مساجد میں نمازیوں کو شہید کرنا، مقتولین کامثلہ کرنا، صوفیائے کرام کے مزار بموں سے اڑانا، غنڈوں کی طرح اسلحہ سنبھالے گاڑیوں میں گھومنا، شہریوں کو اِغوا کرنا... سمجھ نہیں آئی کہ یہ کس قسم کانظام یا حکومت ہے جو وہ نافذ کرنا چاہتے ہیں ؟

باب سوم

پارٹی اور امیدواروں کی شرعی حثییت

ہم پاکستانی ہیں اور پاکستان کے آئین نے یہاں کے ہر شہری کو ووٹ دینے اور امیدوار بننے اور دیگر انتخابی عمل میں شرکت کا بھرپور حق دیا ہے ۔اب اس حوالے سے جائزہ لینا ہے کہ بحثییت ایک شہری اس انتخابی عمل میں شرکت کی شرع میں کیا گنجائش ہوسکتی ہے۔ ووٹ، ووٹر کے حوالے سے ما قبل میں بحث ہوچکی ہے۔اس کی روشنی میں یہ سمجھ آ جاتا ہے کہ انتخابی عمل میں شرکت کرنا کبھی تو محض جائز ہوجاتا ہے اور کبھی یہ عمل مستحب اور کبھی کبھار واجب تک ہو جاتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ پاکستان میں حکومت الیکشن کی بنیاد پر بنتی ہے۔ جس پارٹی کو الیکشن میں کامیابی ہوتی ہے وہی پارٹی حکومت بناتی ہے۔اور یہ کامیابی کبھی کبھار ایک ووٹ کی اکثریت کی وجہ سے بھی ہوتی ہے۔ کبھی کبھار ایک ووٹ کی کمی کی وجہ سے بھی حکومتیں گرجاتی ہے۔یہی حکومتیں قانون سازی کرتی ہیں۔ ملکی نظام چلانے کے لیے پالیسیاں بناتی ہیں۔ بین الاقوامی معاملات بھی یہیں حکومتیں اور پارلیمنٹ سلجھاتی ہیں۔اگر تمام دیندار لوگ ووٹ کے عمل سے بائیکاٹ کریں تو بے دین اور اسلام دشمن لوگ اسمبلیوں میں جاکر قرآن و حدیث اور تعلیماتِ اسلامی کے خلاف قانون سازی کریں گے اور لامحالہ یہ نہ مسلم مملکت کے لیے مناسب ہے اور نہ ہی عام و خاص مسلمانوں کے لیے۔ایسی صورت حال میں جمہوری طریقے سے لڑے جانے والے الیکشن میں ووٹ ڈالنے کے عمل کو محض مباح نہیں،بلکہ واجب اور فرض کادرجہ بھی دیا جاسکتا ہے۔

پارٹی منشور اور سیاسی پارٹیاں

قارئین ووٹ ہمیشہ عوامی، فلاحی، معاشرتی، دینی، سماجی، پالیسی کی حامل سیاسی پارٹی کے امیدواران کو دینا چاہیے۔ دنیا کی تمام سیاسی پارٹیاں الیکشن کے میدان میں اُترنے سے پہلے اپنا منشور عوام کے سامنے رکھتی ہیں جس میں پارٹی کا آئندہ کا پروگرام اور سوچ کا خاکہ موجود ہوتا ہے اور تمام پارٹیاں کامیابی کے بعد ملک میں موجود تمام قوانین و پالیسیوں کو اپنے منشور کے مطابق تشکیل دیتی ہیں اور آئندہ آنے والے الیکشنوں میں نئے منشور وجذبات کے ساتھ میدان میں آتے ہیں۔ تقریباً تمام کی تمام سیاسی جماعتیں عرصہ اقتدار میں اپنے منشور پر عملدرآمد کرنے میں ناکام ہوتی ہیں اور اپنے سابقہ حکمرانوں کی پالیسیوں کو ہی جاری وساری رکھتی ہیں مگر اچھی ساخت کی حامل اور جمہوری ممالک کی سیاسی جماعتیں غیر عوامی منصوبوں کا خاتمہ کرنے میں کامیاب ہوجاتی ہیں اور فلاحی منصوبوں کو جگہ نصیب ہوتی ہے مگر بدقسمتی پاکستانی سیاسی جماعتیں ہر الیکشن میں اپنا منشور تو جاری کرتے ہیں مگر اس کی کاپی پاکستان عوام کے صرف چندہزار افراد تک موجود ہوتی ہے اکثر امیدوار بھی منشور سے مکمل طور پر واقف نہیں ہوتے اور حلقہ کے مسائل پر اپنا نظریہ پیش کرتے رہتے ہے۔ عوام کو چاہے کہ وہ اپنے علاقے کے امیدواروں سے ان کی جماعت کا منشور طلب کریں پھر اس کا مطالعہ کریں اور تمام سیاسی جماعتوں کے منشور کا تجزیہ کرنے کے بعد جس کی پالیسیاں پاکستان کے مفاد میں ہو اس پارٹی کے امیدوار کو ووٹ دے تاکہ ان کی پارٹی کامیاب ہونے کے بعد پاکستان کی ترقی میں اپنا کردار ادا کریں۔

ووٹ کا استعمال ہر پاکستانی ووٹر پر فرض ہے اس لیے ہم کو چاہے ملک والے انتخابات میں اپنے ووٹ کا استعمال پاکستان کے مفاد کو مد نظر رکھتے ہوئے کریں اور پاکستان کی ترقی میں اپنا کردار ادا کریں تا کہ پاکستان لوڈشیڈنگ ، کرپشن ، چوری ڈکیتی ، جرائم ، فراڈ ، بلیک میلنگ افراتفری ، دہشت گردی ، فرقہ واریت ، برادری ازم کی دنیا سے نکل کر ایک اسلامی ریاست کے حصول میں کامیاب ہوسکے جہاں پر تمام انسان برابر ہو ۔ قانون کی حکمرانی ہو۔ میرٹ پر فیصلے ہو تمام مسلمان بھائی بھائی ہو۔

ووٹ کا استعمال دین کیلئے :

مسلمانوں کا مسلم مخالف پارٹیوں میں شمولیت کرنا :

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ایک ایسی جمہوریت کہ جہاں "ہندو" اکثریت ہے یا ایسے ممالک یہاں سیکولر اور لبرل نظام رائج ہے کچھ ڈھکے چھپے الفاظ میں اس کا اظہار کرتے ہیں اور کچھ کھل کر اس اظہار نہیں کرتے اور کچھ کا خفیہ ایجنڈہ ہوتا ہے، سیکولر اور لبرل پارٹیوں نے مختلف لیبل لگا رکھے ہیں تا کہ مسلم ووٹ حاصل کیا جاسکے، لیکن درپردہ ہیں سب مسلم دشمن۔ اب رہی وہ پارٹیاں جن کی مسلم دشمنی بالکل عیاں ہے اور ان کے آئین ودستور ودفعات میں بھی درج ہے، ان کی بنیاد ہی مسلم دشمنی پر قائم ہے، اور ان کے یہاں مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ اور ان کی عائلی اور خارجی زندگی کی صیانت وحفاظت کی کوئی ضمانت اور گارنٹی نہیں ہے اور نہ ان کے اصول میں ہے، تو ایسی سیاسی جماعتوں اور پارٹیوں میں مسلمانوں کی شرکت قطعی مفید اور کارآمد نہیں، اور نہ ہی کوئی مسلمان اس میں شریک وشمولیت اختیار کرکے ان کے اصول وقوانین کی اصلاح کرسکتا ہے اور نہ اس کی توقع کی جاسکتی ہے۔ اس لیے اس طرح کی پارٹیوں اور جماعتوں میں مسلمانوں کی شرکت اور شمولیت کرنا اور ان کی جانب سے الیکشن میں انتخاب لڑنا بھی ظلم وگناہ کے کام میں معاونت ہے۔

غیر اسلامی اور گستاخ رسول کی جماعت سے الیکشن لڑنا ظلم وگناہ کے کام میں معاونت ہے۔

عن ابن مسعود عن النبي ﷺ قال من رضي عمل قوم فهو منهم ومن كثر سواد قوم فهو منهم

(تفسیر رازی سورۃ المائدہ ج ۱۲، ص ۵۴ التفسیر الکبیر ج ۱۲ ص ۵۴، سبل السلام ج ۷ ص ۱۰۷)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا : جو کوئی کسی قوم کے عمل سے راضی ہے وہ اسی میں سے ہے اور جو کوئی کسی قوم کی جماعت کو زیادہ کرے وہ بھی اسی میں سے ہے۔

لیکن اگر کوئی شخص اس نیت سے ان اسلام مخالف پارٹیوں میں شریک ہوتا ہے کہ اس میں داخل ہو کر اس کے ایجنڈے اور اصول کو بدلنے کی سعی و کوشش کریگا تو ظاہر ہے کہ اس کی حسن نیت کے مطابق اس میں شمولیت کی اجازت بوقت ضرورت دی جاسکتی ہے بشر طیکہ وہ خود اس میں شریک ہو کر اسی کاآلہ کار بن کر نہ رہ جائے اور اس کی حیثیت تماش بین کی نہ رہ جائے۔

مسند احمد اور معجم کبیر وغیرہ میں حضرت سہل بن حنیفؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا:

من أذل عنده مؤمن فلم ینصره ویقدر علي أن ینصره أذله الله علي رؤس الأشهاد یوم القیامة۔

(المعجم الکبیر ج٦ ص٧٣: شعب الإیمان، ج٦ ص١١٠: مسند احمد، ج٢٥ ص٣٦١)

جس شخص کے سامنے کسی مؤمن کو ذلیل ورسوا کیا جارہا ہو اور وہ اس کی مدد پر قدرت رکھنے کے باوجود مدد نہ کرسکے، تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن (میدان محشر میں) رسوا وذلیل کرے گا۔

مفہوم:

اس حدیث کی رو سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اسلام مخالف ایجنڈے کے بدلنے پر قدرت وطاقت رکھتا ہے، اور وہ اس مسلم مخالف واسلام دشمنی پر بنائی گئی پارٹی میں اصلاح کی نیت سے شریک ہوتا ہے تو اس کی گنجائش ہے، لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ اس میں ایسے لوگ اکثریت سے ہوں، تنہا بندہ کچھ بھی نہیں کرسکتا، اس لئے تنہا مسلمان کا ایسی پارٹی شریک ہونا جائز نہیں۔ اس کے لئے عدم شرکت ہی زیادہ افضل واولیٰ ہے۔ اس کے مقابلے میں جو جماعت دین کیلئے سامنے آئی اسکو ترجیح دینا افضل ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ھ کی روایت:

حضرت ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پوچھا قیامت کب آئے گی؟ آپ نے اپنی بات مکمل کرکے فرمایا: جب امانت ضائع کردی جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔ اس نے پوچھا امانت کیسے ضائع ہوگی؟ آپ نے فرمایا جب کوئی منصب کسی نااہل کے سپرد کردیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔ (صحیح البخاری' ج ا' رقم الحدیث: '٥٩' مسند احمد بتحقیق احمد شاکر' ج ٨' رقم الحدیث: '٨٧١٤' الجامع الصغیر' ج ا' رقم الحدیث: '٨٨٧' الجامع الکبیر' ج ا' رقم الحدیث: '١٨٩٥)

جو کسی ایسے شخص کو قومی یا صوبائی اسمبلی کے لیے ووٹ ڈالتا ہے' جو دینی اور دنیاوی علوم سے بہرہ مند نہ ہو اور اس کا بدچلن اور بدکردار ہونا بالکل واضح ہو تو وہ اس نمائندگی کے لیے نااہل شخص کو منتخب کررہا ہے اور نااہل کو منصب کے لیے منتخب کرنا اس حدیث کے مطابق قیامت آجانے کے مترادف ہے۔

نااہل شخص کو منتخب نہ کرنے پر احادیث مبارکہ:

حضرت ابن عباس (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جس شخص نے کسی آدمی کو کسی جماعت کا امیر بنایا' حالانکہ اس جماعت میں اس سے زیادہ اللہ کا فرماں بردار بندہ تھا' تو بنانے والے نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور جماعت مسلمین سے خیانت کی۔ حاکم نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (المستدرک' ج ۴' ص ۹۳۔ ۹۲' مطبوعہ دارالباز' مکہ المکرمہ)

حضرت ابن عباس (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جس آدمی نے کسی شخص کو مسلمانوں کا عامل بنایا' حالانکہ وہ جانتا تھا کہ اس سے بہتر شخص موجود ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول کا زیادہ جاننے والا ہے تو اس آدمی نے اللہ تعالیٰ' اس کے رسول اور تمام مسلمانوں سے خیانت کی۔ (کنزالعمال' ج ۶ ص ۷۹' مطبوعہ موسسہ الرسالہ بیروت' ۱۴۰۵ھ)

حضرت ابوایوب بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے' جب کوئی اہل شخص دین کا والی ہو تو دین پر نہ رونا اور جب نااہل والی ہو تو پھر دین پر رونا۔ (علامہ احمد شاکر متوفی ۱۳۷۷ھ نے لکھا ہے' اس حدیث کی سند صحیح ہے' مسند احمد' ج ۱۷' رقم الحدیث: ۲۳۴۷۶' امام حاکم اور امام ذہبی نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ المستدرک' ج ۴' رقم الحدیث: ص' ۴' ص ۵۱۵' نیز امام طبرانی ' متوفی ۳۶۰ھ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ المعجم الاوسط ج ا رقم الحدیث: ۲۸۶' المعجم الکبیر ج ۴' رقم الحدیث ۳۹۹۹)

حاصل گفتگو:

دلائل و براہین سے یہ واضح ہو گیا کہ جو شخص پیسوں کے لالچ' برادری کے تعلق یا کسی بااثر آدمی کے دباؤ کی وجہ سے نااہل کو ووٹ ڈالتا ہے' وہ اللہ اور اس کے رسول اور تمام مسلمانوں سے خیانت کرتا ہے۔ نیز اہل شخص کے ہوتے ہوئے نااہل شخص کو ووٹ ڈالنا' ظلم ہے' کیونکہ ظلم کا معنی ہی یہ ہے کسی چیز کو اس کے غیر محل میں رکھنا اور ظالموں پر اللہ نے لعنت فرمائی ہے' اور ظلم گناہ کبیرہ ہے۔

نیز جب کوئی بد کردار اور فاسق و فاجر یا بدمذہب شخص اسمبلی میں پہنچے گا اور اس کو قانون سازی کا اختیار ملے گا' تو یہ ممکن ہے کہ وہ خلاف شرع قانون بنائے' یا اس کے حق میں ووٹ دے۔ جیسے ایوب خان کے دور میں عائلی قوانین بن گئے جو سراسر غیر اسلامی ہیں اور ۱۹۹۳ء تا ۱۹۹۶ء کی وفاقی کابینہ نے یہ مسودہ قانون منظور کیا کہ عورت خواہ قاتل ہو' اس کو موت کی سزا نہیں دی جائے گی اور یہ صریح قرآن کے خلاف ہے۔

یھود نما حکمران کے دنیاوی زندگی کے حرص کا عالم

موجودہ اقدار کے حریص حکمرانوں میں سے ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ اس کو ایک ہزار برس کی عمر مل جائے تاکہ اس طرح وہ دنیائے فانی کی ان عارضی اور فانی لذتوں سے متمتع ہوتا رہے، اس سے بحث نہیں کہ وہ زندگی کیسی ہو۔ عزت کی ہو یا ذلت کی۔ دولت حلال کی ہو یا قوم کی لوٹی ہوئی دولت، اور یہی حال آج کی تمام مادہ پرست حکمرانوں کا ہے کہ ان کا سارا زور اقتدار حوس کی بقا اور اسی کی حفاظت و نگہداشت پر مرکوز ہے اور بس۔ان کرپٹ اور حریص حکمرانوں کے پیچھے ان کو ووٹ دینے والے ووٹر برابر کے شریک ہیں۔ووٹروں کو بھی صرف روٹی، کپڑا، مکان کی پکار پر جمع کرنا اور بوقت الیکشن ووٹر صرف چند پیسوں پر بک کر، کوئی برادری پر بک کر، کوئی چائی کی پیالی، کوئی نالی، کوئی گلیوں کے پکا ہونے پر اور کوئی محض عادتاًاور سماجی روش پر ان کو اقتدار کے منسب پر فائز کیا ان ووٹروں اور منتخب نمائندوں کا اقتدار میں آکر دین وایمان، اور عقیدہ وعمل، کی صحت و سلامتی سے ان کو کوئی سروکار نہیں۔ بلکہ اس بارے کچھ کہنے کرنے کو یہ لوگ انسانی حقوق کی خلاف ورزی قرار دیتے ہیں کہ ان کا اصل ہدف یہود و نصری اور ذاتی خواہشات کی تکمیل اور اسی کی بقا ہے اور بس۔ کہ اقتدار میں آؤ اقتدار میں رہو کھاؤ پیو اور بطن و فرج کی خواہشات کی تحصیل و تکمیل کا کام کرتے جائیں اور بس۔ مگر اب عوام کے پاس پھر موقع ہے ان لوگوں سے ہوشیار رہیں اور انکو ہر گز موقع نہ دیں کہ اقتدار میں آئیں اسکیئے اپنے آپ میں تھوڑی تبدیلی پیدا کریں اور چند منٹ کی سوچ آپکے کردار کو بدل سکتی ہے اور انتخاب کو بھی۔ ووٹ خیر و برکت کا سبب بھی بن جاتا ہے اور شر و فساک کا بھی اسلیئے اپنے لیے بھی خیر و برکت کا سبب بنیں اور دوسروں کے لیے بھی۔

گناہوں کی مدد کرنے کی چند صورتیں

شرع میں جس نوکری یا جس عہدہ کی وجہ سے گناہ کرنا پڑتا ہو ایسی نوکری اور ایسا عہدہ قبول کرنا حرام ہے گناہ کا قانون بنانا بھی حرام ہے کیونکہ اس سب میں گناہ کی مدد ہے گناہ کی اجرت بھی حرام ہے۔

اگر کسی نااہل بد دیانت اور کرپٹ شخص کو ووٹ دے کر کامیاب بنایا جائے گا تو شرعاً یہ گناہ میں مدد ہے۔ اور اگر پیسے لے کر ووٹ ڈالا گیا تو یہ رشوت اور اجرت لے کر گناہ کرنے کے ضمرے میں آئے گا جو کہ حرام ہے۔

مثلیں:

اگر کوئی شخص شراب کے کارخانے میں کام کرے یا بنک میں کام کرے (کوئی بھی چھوٹا بڑا کام ہو) سٹے بازوں کے ہاں ملازم ہو یا کسی بھی طرح ان کا تعاون کرتا ہو، پولیس میں ملازم ہو جو غیر شرعی امور میں دوسروں کی مدد کرتا ہو یا رشوت لیتا ہو یا رشوت دینے دلانے کا واسطہ بنتا ہو یا جو شخص کسی ایسے محکمے کا ملازم ہو جس میں ٹیکس وصول کرنا پڑتا ہو تو یہ ملازمتیں حرام ہیں اور ان کی تنخواہیں بھی حرام ہیں۔ چوروں کی مدد ڈاکوؤں

کی مدد، لوٹنے والوں کی مدد، غصب کرنے والوں کی مدد، ظالمانہ مار پیٹ کرنے والوں کی مدد یہ سب حرام ہے۔ کسی بھی گناہ کے ذریعہ جو پیسہ کمایا جائے وہ بھی حرام ہے۔

فاسق ووٹروں کی فاسق امیدواروں کی مدد کی شرعی حثییت

فاسق ووٹروں اور امیدواران اسمبلی کی آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کا معیار دنیاداری کے اصول پر رہ گیا ہے۔ عموماً اپنی جماعت کا فرد اپنی پارٹی کا ممبر دیکھا جاتا ہے حق اور ناحق کو نہیں دیکھا جاتا۔

فسق وفجور کے کام اور گناہ اور ظلم پر مدد کرنا حرام ہے۔ظالم اپنا ہو یا پرایا اس کی مدد کرنے کا شرعاً کوئی جواز نہیں۔

حدیث مبارکہ:

حضرت اوس بن شرحبیل (رض) نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص کسی ظالم کے ساتھ اس لئے گیا کہ اسے تقویت پہنچائے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ وہ ظالم ہے تو یہ شخص اسلام سے نکل گیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۶)

بہت سے ووٹر حکمرانوں کی دنیا بنانے کے لیے اپنی آخرت تباہ کرتے ہیں یعنی نااہل بد دیانت اور کرپٹ شخص کو ووٹ دے کر ظلم اور گناہ پر مدد کرتے ہیں ، یہ قومی یا صوبائی اسمبلی کا ممبر ہو جائے الیکشن ہوتے ہیں ووٹر اور سپورٹر یہ جانتے ہوئے کہ جس امیدوار کے لیے ہم کوشش کر رہے ہیں یا جسے ہم ووٹ دے رہے ہیں یہ فاسق فاجر ممبر ہو کر اس کا فسق وفجور اور زیادہ بڑھ جائے گا پھر بھی اس کی مدد میں لگے ہوئے ہیں اس کو کامیاب کرنے کے لئے۔

کسی فاسق فاجر ممبر کو اس نیت سے ووٹ دینا کہ اسکا فسق وفجور اور زیادہ بڑھ جائے گا پھر یہ ہماری فسق وفجور کے معاملوں میں مدد کرے گا۔ صرف ناجائز ہی نہیں بلکہ حرام ہے۔ افسوس آجکل عوام فاسق وفاجر ممبران کی فسق مدد میں لگے ہوئے ہیں۔

ایک تو عوام اس فاسق فاجر امیدوار کی مدد میں لگے ہوئے ہیں دوسرا مقابل کی غیبتیں بھی کرتے ہیں چاہے وہ دین کی خاطر اور خلوص نیت سے کھڑا ہوا ہو اس پر تہمتیں بھی دھرتے ہیں حتیٰ کہ لوگوں کو قتل تک بھی کر دیتے ہیں۔

یہ کتنی بڑی حماقت ہے کہ دنیا دوسرے کی بنے اور آخرت کی بربادی اپنے سر تھوپ لیں۔اسی کو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا من شر الناس منزلۃ یوم القیامۃ عبد اذھب اٰخرتہ بدنیا غیرہ (قیامت کے دن بدترین لوگوں میں سے وہ شخص بھی ہوگا جس نے دوسرے کی دنیا کی وجہ سے اپنی آخرت برباد کردی)۔ میرے خیال سے یہ اس حدیث سے ووٹر حضرات جو فاسق فاجر امیدوران اسمبلی کی مدد میں لگے ہوئے ہیں ان کیلئے باعث عبرت ہے۔

خلفاۂ راشدین کے انتخاب کا طریقہ کار

حضرات خلفائے اربعہ کا انتخاب :

یہ تو سب جانتے ہیں کہ حضرات ابوبکر و عمر و عثمان وعلی (رض) خلفاء راشدین تھے ان حضرات کو منتخب کرتے وقت کوئی بالغ رائے دہندگی کی بنیاد پر انتخاب نہیں ہوا۔ نہ پورے ملک سے ووٹ لیے گئے تاریخ اور سیرت کے جاننے والے اس امر سے واقف ہیں کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی وفات کے بعد حضرات مہاجرین اور انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے۔ وہاں اس بات کا مشورہ ہو رہا تھا کہ امیر کون ہو۔ انصار میں سے بعض حضرات یہ رائے دے رہے تھے کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک مہاجرین میں سے ہو۔ حضرت ابوبکر و عمر (رض) بھی وہاں پہنچ گئے۔ حضرت عمر (رض) نے حضرت ابوبکر (رض) سے کہا کہ آپ اپنا ہاتھ لائیے میں بیعت کرتا ہوں انہوں نے ہاتھ بڑھا دیا۔ حضرت عمر (رض) نے بیعت کرلی اس کے بعد مہاجرین نے بیعت کرلی ان کے بعد انصار نے بیعت کی۔ یہ تو حضرت ابوبکر (رض) کا انتخاب تھا جو سب سے پہلے خلیفہ تھے۔ اس کی تفصیل البدایۃ والنہایۃ صفحہ ۲۴۶: ج ۵ میں مذکور ہے، اس کے بعد جب ابوبکر (رض) کی وفات ہونے لگی تو انہوں نے بغیر کسی مشورہ کے حضرت عمر (رض) کو خلیفہ بنا دیا۔ پھر جب حضرت عمر (رض) کو دشمن نے خنجر مار دیا اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اب میں جانبر ہونے والا نہیں ہوں تو انہوں نے فرمایا کہ خلافت کا مستحق ان حضرات کے علاوہ کوئی نہیں جن سے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) راضی تھے اور اسی حالت رضامندی میں آپ کی وفات ہوئی۔ پھر انہیں حضرات میں سے حضرت علی، حضرت عثمان، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف (رض) کے نام لیے اور فرمایا کہ ان میں سے کسی ایک کو منتخب کرلیا جائے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ میرا بیٹا عبداللہ بن عمر (رض) مشورے میں شریک ہوگا لیکن اسے خلافت سپرد نہ کی جائے اور فرمایا کہ اگر سعد کو منتخب کرلیا جائے تو وہ اس کے اہل ہیں۔ اور اگر ان کے علاوہ کسی دوسرے کو امیر بنالیا جائے تو وہ ان سے مدد لیتا رہے جب حضرت عمر (رض) کی وفات ہوگئی اور ان کو دفن کردیا گیا تو وہ حضرات جمع ہوئے جن کو خلافت کے لیے نامزد فرمایا تھا کہ اپنے میں سے کسی ایک کو منتخب کرلیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف (رض) نے فرمایا کہ تم سب اپنا معاملہ تین آدمیوں کے سپرد کرو حضرت زبیر (رض) نے فرمایا میں نے اپنا معاملہ حضرت علی (رض) کے سپرد کیا اور حضرت طلحہ (رض) نے فرمایا کہ میں نے اپنا معاملہ عثمان (رض) کے سپرد کیا۔ حضرت سعد (رض) نے فرمایا کہ میں نے اپنا معاملہ عبدالرحمٰن بن عوف (رض) کے سپرد کیا۔ اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف (رض) نے حضرت علی (رض) اور حضرت عثمان (رض) سے کہا کہ تم دونوں میرے سپرد کرتے ہو تو میں تم میں جو افضل ترین ہوگا اس کے انتخاب میں کوتاہی نہیں کروں گا ان دونوں نے کہا کہ ہاں ہم تمہارے سپرد کرتے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے دونوں سے علیحدہ علیحدہ تنہائی میں بات کی اور دونوں نے اقرار کیا کہ اگر میرے علاوہ دوسرے کو تم نے امیر بنا دیا تو میں فرمانبرداری کروں گا اس کے بعد انہوں نے حضرت عثمان (رض) سے کہا لاؤ ہاتھ بڑھاؤ یہ کہہ کر ان سے خود بیعت کرلی اور حضرت علی (رض) نے بھی ان سے بیعت کرلی۔ دوسرے حضرات جو باہر منتظر تھے وہ بھی اندر آئے اور انہوں نے حضرت عثمان (رض) سے بیعت کرلی۔ مفصل واقعہ صحیح بخاری صفحہ ۵۲۴: ج ۱ میں

مذ کور ہے۔ یہ انتخاب خلیفہ ثالث کا تھا (اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت علی (رض) نے برضاء ورغبت حضرت عثمان (رض) سے بیعت کی تھی اور پہلے سے اقرار کرلیا تھا کہ اگر ان کو امیر بنادیا گیا تو میں فرمانبردار ہوں گا)۔

جب حضرت عثمان (رض) کی شہادت ہوئی تو ان کی جگہ کسی امیر کے انتخاب کی ضرورت محسوس کی گئی اہل مصر جنہوں نے حضرت عثمان (رض) کو شہید کیا تھا وہ حضرت علی (رض) کو اصرار کرتے رہے کہ آپ خلافت کا بوجھ سنبھالیں لیکن وہ راضی نہ ہوئے اور باغوں کی طرف تشریف لے گئے۔ کوفہ والوں نے حضرت زبیر (رض) کو تلاش کیا وہ بھی نہ ملے۔ بصرہ والوں نے حضرت طلحہ (رض) سے عرض کیا انہوں نے انکار کردیا۔ پھر حضرت سعد بن ابی وقاص (رض) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور معروض پیش کی انہوں نے بھی قبول نہ کیا۔ حضرت ابن عمر (رض) کے پاس گئے انہوں نے بھی نہ مانا ساری کوششیں کرکے پھر حضرت علی (رض) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خلافت قبول کرنے پر اصرار کرتے رہے آخر میں انہوں نے ذمہ داری قبول فرمائی۔ یہ تفصیل البدایۃ والنہایۃ صفحہ ۲۲۶: ج ۷ میں لکھی ہے۔

یہ چاروں خلفاء کا انتخاب تھا ان میں کبھی بھی پورے ملک میں الیکشن نہیں ہوا۔ بلکہ پورے صحابہ (رض) بھی شریک نہیں ہوئے نہ پورا مدینہ شریک ہوا چند افراد نے منتخب کرلیا سب نے مان لیا۔

باب چھارم

ووٹ (انتخاب)قرآن و سنت کی روشنی میں

حاکم کے انتخاب میں حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا عمل:

حاکم وقت کے انتخاب کے لیے کوئی ایسا متعین طریقہ کہ جس کو ہم کہیں کہ اس کے خلاف کرنے سے اسلام کا خلاف لازم آتا ہے اس قسم کا کوئی انتخاب کا طریقہ قرآن وحدیث میں واضح نہیں کیا گیا باقی کوئی طریقہ انتخاب کا بتایا بھی ہے؟ وہ تو واضح ہے کہ سرور کائنات (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دنیا سے تشریف لے گئے تو کسی کو صراحت کے ساتھ متعین نہیں کرکے گئے کہ میرا جانشین یہ ہے عامۃالمومنین کی رائے پر چھوڑ دیا، اور صاف فرمادیا کہ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ اور مومنین ابوبکر (رض) کے علاوہ کسی پر متفق نہیں ہوں گے اس لیے مجھے تعین کی ضرورت نہیں ہے پہلے میں نے ارادہ کیا تھا کہ اس بارے میں کوئی تحریر لکھ دوں لیکن میں نے کہا کہ کیا ضرورت ہے اللہ اور مومنین کسی پر متفق ہی نہیں ہوں گے سوائے ابوبکر رضٰ اللہ عنہ کے تو ابوبکر (رض) کے بارے میں کچھ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنی منشاء تو واضح کی قرائن کے ساتھ لیکن تعین نہیں کی۔

اور تعیین اگر ابوبکر (رض) کی ہوئی تو اس وقت کے اہل عقدہ جو بااختیار قسم کے لوگ اور روساقسم کے تھے سردار قسم کے جن کو قبیلوں کی سرداری حاصل تھی مہاجرین اور انصار میں ممتاز شخصیات تھیں ان کے مشورے کے ساتھ ابوبکر (رض) کا انتخاب ہوگیا۔

حاکم کے انتخاب میں حضرت ابوبکر (رض) کا عمل:

دوسرے نمبر پر حضرت ابوبکر صدیق (رض) کا عمل ہمارے لیے حجت ہے کہ اگر وقت کا حاکم پوری طرح سے دیانت داری سے سمجھتا ہے کہ یہ شخص اہلیت رکھتا ہے بعد میں یہ کام سنبھال لے گا تو اپنی زندگی کے اندر چند لوگوں سے مشورہ کرکے جن پر وہ اعتماد کرتا ہے کسی کو منتخب کرسکتا ہے ابوبکر صدیق (رض) نے بھی ایسے ہی کیا ہے حضرت عمر (رض) کے متعلق لوگوں کی رائے معلوم کی جس وقت دیکھا کہ اس کے اوپر سب مطمئن ہیں تو اعلان کردیا کہ میرے بعد ان امور کے متولی حضرت عمر (رض) ہیں، اسلیے وقت کا حاکم اگر اس طرح سے دیانت داری کے ساتھ ایک رائے قائم کرکے کسی کی تعیین کردے تو یہ تعیین بھی ہمارے نزدیک صحیح لیکن تعیین شک اور شبہ سے بالاتر ہونی چاہیے کہ ابوبکر صدیق (رض) نے کوئی اپنا رشتہ دار نہیں بنایا، اپنا بیٹا نہیں بنایا اس قسم کا نہیں بلکہ جس کے اوپر جماعت اعتماد کرتی تھی اور حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زندگی میں جو سرور کائنات (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا معاون سمجھا جاتا تھا اس کی تعیین کردی اور پیچھے قوم نے قبول کرلیا تو یہ بھی ایک طریقہ ہے۔

حاکم کے انتخاب میں حضرت عمر (رض) کا عمل:

تیسرا ہمارے لیے حضرت عمر رضٰ اللہ عنہ کا عمل حجت ہے، حضرت عمر (رض) ایک کمیٹی بناگئے سات آدمیوں کی اور کہا کہ یہ مشورہ کرکے جس کو چاہیں متعین کرلیں جن کے اندر چھ عشرہ مبشرہ تھے جو اس وقت زندہ تھے کہ یہ شخص ہیں جن کے اوپر حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اعتماد کیا ہے بلکہ ساتھ یہ بھی کہا کہ اگر ابو عبیدہ بن جراح (رض) زندہ ہوتے تو میں اپنے بعد ان کی تعیین کرجاتا میرے پاس تعیین کی ایک دلیل ہوتی کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا تھا امین ھذہ الامۃ ابو عبیدۃ بن الجراح اس امت کا امین ابو عبیدہ (رض) ہے تو میں امت کی امانت اس امین کے سپرد کردیتا کہ لے بھائی تجھے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے امین قرار دیا اس امت کا اس امانت کو سنبھال تو جس طرح سے چاہے کر میں اس کے سپرد کردیتا تو اس طرح سے بھی آپ نے فرمایا لیکن ابو عبیدہ (رض) اس سے پہلے شہید ہوچکے تھے وہ بھی عشرہ مبشرہ میں سے ہیں تو چھ عشرہ مبشرہ اس وقت زندہ تھے تو حضرت عمر رضٰ اللہ عنہ نے ان کی کمیٹی بنادی کہ یہ مشور کرکے آپس میں جس کو چاہیں ایک کو متعین کرلیں لیکن چھ کی کمیٹی جو بنائی اس میں ہوسکتا تھا کہ تین ایک طرف ہوجائیں تین ایک طرف ہوجائیں تو ساتویں آدمی کا اضافہ کردیا آپ نے اپنے بیٹے کا عبداللہ بن عمر (رض) کا کہ اس کو مشورے میں بلالینا لیکن خلافت میں اس کا حق نہیں ہے۔

باب پنجم

ووٹ مفکرین کی نظر میں

قرآن وسنت اور اسلامی تاریخ کی رو سے انتخابات مسلّم حقیقت ہیں۔ خلیفہ اول، حضرت ابوبکر صدیقؓ کا حقیقی انتخاب مسجد نبوی میں صحابہ کرام نے علی الاعلان بیعت کے ذریعے کیا تھا جو ووٹنگ ہی کی ایک شکل ہے۔ دیگر خلفائے راشدین اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بھی حکومت کرنے سے پیشتر عام وخاص مسلمانوں سے رائے (ووٹ) لینا ضروری خیال فرمایا۔

شھادت (ووٹ) دینے اور الیکشن کے سلسلے میں مختلف ممالک کے علمائے کرام نے فتاویٰ دے رکھے ہیں۔ دیکھیے، ووٹنگ کی بابت وہ کیا کہتے ہیں۔

انتخابات میں ووٹ ڈالنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ یوں وہ اپنے حقوق کا تحفظ کرتا اور بہترین حکومت کی تشکیل میں اپنا کردار ادا کرتا ہے۔" (شیخ طحٰا جابر العوانی، رابطہ عالم اسلامی، مکہ مکرمہ) }

میں الیکشن میں حصہ لینے کو جہاد کے مترادف سمجھتا ہوں۔ کیونکہ ووٹنگ کے ذریعے ہی ایک قوم اپنی خراب حکومت ہی نہیں تقدیر بھی بدل سکتی ہے۔ (شیخ ابراہیم موگرا، نائب سیکرٹری جنرل مسلم کونسل آف برٹن) }

ووٹ ڈالنا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے تاکہ وہ ایک انصاف پرور، قانون پسند اور فلاحی حکومت کے قیام میں اپنی ڈیوٹی نبھائے۔ (شیخ محمد مختار ال شنقطی، اسلامک سینٹر آف امریکہ) }

...الیکشن میں حصہ لینا جائز ہے۔ یوں بہترین اور عوام دوست حکومت کے قیام کی راہ ہموار ہوتی ہے۔ (مشہور سعودی عالم، شیخ سلمان العودہ) }

...ووٹ ایک طرح کی شہادت دینا ہے کہ فلاں امیدوار اپنی شرعی و معاشرتی ذمہ داریاں بخوبی نبھا سکتا ہے۔ لہٰذا ووٹ نہ ڈالنا ایک طرح کا گناہ ہے، کیونکہ یوں مسلمان شہادت نہ دے کر شریعت کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ (مفتی ابراہیم دیسائی، دارالفتاء، جنوبی افریقہ) }

...ووٹ نہ دے کر ایک ظالم و آمر کو حاکم بننے میں مدد دینا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر لوگ ایک ظالم و کرپٹ انسان کو حاکم بنتا دیکھیں اور اس کی راہ نہ روکیں، تو اللہ تعالیٰ انہیں بھی (ظلم کی حمایت کرنے پر) گناہ گار ٹھہرائیں گے۔'' (ترمذی، سنن ابو داؤد)

لہٰذا آپ نے ووٹ نہ دے کر برے لوگوں کو خود پر اور ہم وطنوں پر مسلط کیا، تو یہ گناہ سمجھا جائے گا۔ (مفتی محمد ابن آدم الکوثری، دارالفتاء، دارالعلوم)

مسلمان کسی بھی ملک میں ہوں، بڑھ چڑھ کر الیکشن میں حصہ لیں۔ یوں وہ حکومت کی تشکیل اور اپنے حقوق کے تحفظ میں بہترین کردار ادا کر سکیں گے۔ (مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی ندوی بن مولانا منظور نعمانی، ندوہ العلما، بھارت) }...

مسلمان کی حیثیت سے ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم نیکی کی حمایت اور بدی کی مخالفت کریں۔ یہ بات الیکشن پر بھی صادق آتی ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم ایمان دار، متقی، دیانت دار اور بااصول امیدوار کو ووٹ دیں۔ (شیخ احمد کٹی، اسلامی انسٹی ٹیوٹ آف ٹورنٹو، کینیڈا)

باب ششم

ووٹ نہ دینے کا شرعی حکم

سیکولر پارٹیوں کی طرف سے انتخاب لڑنا:

ملک میں زیادہ تر سیاسی پارٹیاں سیکولر اور لبرل لوگوں کی ہی ہیں اس لئے حکومت بھی ان ہی لوگوں کی بنتی ہے اور پھر جو بھی حکومت تشکیل پاتی ہے وہ اکثریت کا خیال رکھتی ہے، ان حالات میں کچھ پارٹیاں ایسی وجود میں میں آئیں جو سیکولر ہیں اور غیر مسلم مفاد کا خیال اکثریت مسلم لوگوں کے مقابلہ میں زیادہ رکھتی ہیں، اور مسلم مفادات کا تحفظ بھی کرتی نہیں ہیں، ان پارٹیوں کی بنیاد مسلم دشمنی پر ہوتی ہے اور دستور پارٹی مسلم نواز ہوتا ہے، ان سب پارٹیوں کی مسلم دشمنی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں لہٰذا ان کو ووٹ دینا جائز نہیں۔

اشکال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگر مسلمان کلی طور پر ان سیکولر اور لبرل سیاسی پارٹیوں سے کنارہ کشی اختیار کرلیں تو یہ مسلمانوں کے حق میں زیادہ نقصان دہ اور خطرناک ہے، اس صورت میں غیروں کو زیادہ فائدہ ہوگا۔

اس کا جواب سادہ سا ہے وہ یہ کہ اگر کوئی دینی جماعت سیاست میں شریک ہوتی ہے تو اس کو ووٹ دیا جائے دینی جماعت مسلمانوں کے حق میں زیادہ فائدہ مند ہوگی کہ ایوان بالا میں حق کی آواز بلند کرنے اور مسلمانوں کی آواز کو ایوان حکومت اور زیر اقتدار حکومت کے ارباب تک پہنچانے اور اسلام مخالف اور مسلم دشمنی پر مبنی قانون پر قدغن لگانے کے لئے دینی جماعتوں کا ایوان میں شرکت مسلمانوں کے لئے وقت کا اہم تقاضہ ہے۔ اور شریعت اسلامیہ کے عین مطابق ہے۔

ووٹ نہ دینا ناانصافی ہے

جیسا کہ اوپر ذکر کیا جاچکا ہے وہ ڈالنا یا شرعاً واجب ہے اس طرح ووٹ نہ دینا ایک خیانت اور ناانصافی اور شرعی جرم ہے بعض لوگوں کا یہ گمان ہوتا ہے کہ نااہل کو ووٹ دینا معصیت اور گناہ ہے بیشک ایسا سوچنے میں وہ برحق ہیں لیکن یہ کیسے معلوم ہو کہ یہ امیدوار نااہل ہے اور یہ اہل ہے۔ بغیر تحقیق کئے کسی کو نااہل کہنا مناسب نہیں، البتہ چھان پھٹک کرنا تحقیق کرنا اس ووٹر کی شرعی اور قومی و ملی ذمہ داری ہے کہ وہ صحیح امیدوار کا پتہ لگائے، اس وجہ سے کہ اگر ہماری لاپرواہی کی وجہ سے کوئی غلط آدمی منتخب ہو جائے جو بد دیانت اور خائن فسادی ہو ظالم ہو غیر عادل ہو تو اس کی ذمہ داری بھی اس ووٹ نہ ڈالنے پر بھی عائد ہوگی اور وہ بھی اس ظلم میں برابر کا شریک مانا جائیگا، جیسا کہ

قرآن پاک نے فرمایا:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۠ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۲ [۵:۲]

ترجمہ :اور (دیکھو) نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو اور خدا سے ڈرتے رہو۔کچھ شک نہیں کہ خدا کا عذاب سخت ہے۔

اس لئے نیکی کے کاموں میں مدد کرنی چاہئے اور برائی کے کاموں سے اجتناب کرنا چاہیئے۔واضح رہے کہ ووٹ استعمال کا صحیح استعمال نہ کرنا یہ کتمان شہادت ہے اور ووٹ کا غلط استعمال کرنا زور ہے جس شریعت میں شہادت زور حرام ہے اسی طرح کتمان شہادت بھی حرام ہے۔

فرمان رسالت مآب ﷺ ہے :

عن ابی بردۃ عن ابیہ عن النبی ﷺ قال من کتم شہادۃ اذا دعی الیھا کمن کان شھد الزور (المعجم الاوسط ج:۴ص:۲۷۰)

ترجمہ: حضرت ابو بردہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو شہادت کے لیے بلایا جائے پھر اسے چھپائے اور شہادت نہ دے تو وہ ایسا ہے جیسے جھوٹی گواہی دینے والا (گناہوں میں دونوں برابر ہیں)۔

اوس بن شرجیل کی روایت :

ایک اور حدیث میں جس کو اوس بن شرجیل نے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں :

عن أوس بن شرحبيل أنه سمع رسول الله ﷺ يقول من مشي مع ظالم ليقويه وهو يعلم أنه ظالم فقد خرج من الاسلام۔(مشکوٰۃ ص۴۳۶ج۶ص ۱۲۲، المعجم الکبیر ج۲ص۲۷۱)

حضرت اوس بن شرجیلؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول کریم ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ ارشاد فرمارہے تھے کہ جو شخص کسی ظالم کو تقویت پہنچانے کے لئے اس کے ساتھ چلے گا جب کہ اس کو معلوم ہے کہ وہ ظالم ہے تو وہ اسلام کے کمال سے نکل گیا۔

البتہ اگر کوئی ایسا ادارہ ہے کہ منشور یا ان کا مقصد اسلام کو اور اسلامی تعلیمات کو نقصان پہنچانا ہو اور وہاں کے ملازمین و ممبران کو اپنے مذہبی قوانین پر عمل کرنے کی رخصت ہو، یا کوئی فرد ان اداروں میں اس نیت اور مقصد سے شرکت کرتا ہے کہ وہ گفت وشنید کے بعد ان کی اصلاح کرسکتا ہے، یا اس نیت سے شرکت کرتا ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ غیر اسلامی تنظیمیں اسلام یا مسلمان مخالف تو کوئی کام نہیں کرہی ہیں، اگر یہ اغراض پیش نظر ہیں تو ان اداروں میں شرکت کی جاسکتی ہے۔اس شرط کے ساتھ کہ وہ خود ان کے مقاصد میں معاون اور ملوث نہ ہو ہو جائے۔

حدیث پاک میں ارشاد ہے، حضرت ابو بکر صدیقؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :

''الناس إذا رأوا الظالم فلم يأخذوا على يديه أوشك أن يعمهم الله بعقاب منه''

(کنز العمال، ج ۳ ص ۱۷ : مسند احمد بن حنبل، ج ۱ ص ۲۰۸ ا: سنن ابی داؤد ج ۴ ص ۲۱۴)

ترجمہ : اگر لوگ ظالم کو دیکھ کر اس کا ہاتھ نہ پکڑیں تو کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنا عذاب عام نازل فرمادے۔

لہٰذا ظلم وزیادتی اور خلاف شریعت قانون کو روکنے کی نیت سے ایسے ادارے کی رکنیت اختیار کرنا اس کی شرعاً گنجائش معلوم پڑتی ہے، بصورت دیگر اگر یہ معلوم ہو کہ اس ادارے کی رکنیت اور شمولیت اختیار کرنے یں وہاں کے قوانین و ضوابط میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی بلکہ ادارے کے قوانین ہی پر کاربند رہنا پڑے گا اور اس کے ماتحت رہ کر کام کرنا ہوگا اور وہاں اصول شریعت کے خلاف بھی کام کرنا پڑے گا تو اس صورت حال میں ایسے ادارے اور جماعت و پارٹی کی رکنیت و شمولیت اختیار کرنا جائز نہیں ہے۔

اس لئے ووٹر کو اپنی ذمہ داری محسوس کرنی چاہئے اور اہل امیدوار کو ووٹ دینا چاہئے۔

ووٹ دینا ایک سیاسی اور ملی فریضہ ہے:

ووٹ دینا سیاسی اور ملی اعتبار سے بھی نہایت ضروری ہے کیوں کہ اگر مسلمان الیکشن میں حصہ لینا بند کردیں تو قومی اور ملکی سطح پر مسلمانوں کی پوزیشن بہت ڈاؤن ہو جائے گی اور ان کا کوئی پرسان حال بھی نہ رہے گا۔ جس کا سیدھا سیدھا فائدہ مسلم مخالف قوتوں کو ہوگا، اور ان کا مقصد بھی یہی ہے کہ مسلمان ملک کی نمائندگی کرنا بند کردیں اور اور مسلمان تیسرے درجہ کے شہری بن جائیں اور ملک میں ان کا وزن اور ان کی اہمیت ختم ہو جائے۔

اور یہ سوچنا کہ اگر ہم نے ایک ووٹ نہ دیا تو ایک ووٹ سے کیا فرق پڑنے والا ہے ؟ یہ سوچ انتہائی بچکانہ اور نہ سمجھی کی علامت ہے قوم وملت کے لئے نہایت خطرناک ہے، اس لئے کہ اگر ہر شخص یہی سوچنے لگے تو پھر پورے ملک میں ایک ووٹ کا بھی صحیح استعمال نہ ہو سکے گا، معلوم رہے ہمارا ملک ہندوستان واحد ایک ایسی جمہوریہ ہے جہاں ووٹوں کی شماری نہایت امانت ودیانتداری کے ساتھ کی جاتی ہے۔ ایک ووٹ بڑا قیمتی ہوتا ہے پورے ملک کی قسمت کا فیصلہ کرسکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس میں ایک جاہلانہ غفلت ہے، ذرا سی بھول چوک یا بددیانتی پورے ملک وملت کو تباہی کی طرف لے جاسکتی ہے اس لئے ہمارے مروجہ نظام الیکشن میں ہر ووٹ نہایت قیمتی اور ملک کی قسمت کو سنوارنے اور بگاڑنے کے لیے فیصلہ کن ہے لہٰذا ہر فرد کا شرعی ،اخلاقی قومی اور ملی فریضہ ہے کہ اپنے وہ ووٹ کو نہایت تندہی اور ایمانداری سے استعمال کرے اسی میں سب کی بھلائی و عافیت ہے (ملخصاً از اسلام اور سیاست حاضرہ ص ۹ فقہی مقالات ج ۲ ص ۲۹۲)

باب ھفتم

تحریک لبیک یارسول اللہ بطور ایک دینی جماعت

تحریک لبیک یارسول اللہ امیر علامہ خادم حسین رضوی کی اہلسنت کی نمائندہ جماعت ہے، تحریک لبیک ایک پرامن جماعت ہے جو کسی قسم کے تشدد اور بدامنی پریقین نہیں رکھتی جو کہ ماضی میں غازی ملک ممتاز قادریؒ کی شہادت کے بعد وجود میں آئی اور ختم نبوت قانون اور تحفظ ناموس رسالت میں قانونی ردوبدل کے خلاف اپنا نکتہ نظر حکومت کے پاس لے کر آئے مگر حکومت نے مسئلہ حل کرانے کی بجائے طاقت کا استعمال کیا۔ اکیس دن تک مسئلے کو مذاکرات سے حل کرنے کی کوشش کی گئی لیکن تحریک لبیک کے مطالبات تسلیم نہیں کیے جارہے تھے۔ وفاقی وزیر قانون زاہد حامد کے مستعفی ہونے کے بعد تحریک لبیک ان کے خلاف کسی قسم کا فتویٰ جاری نہیں کیا۔ تحریک لبیک نے مطالبہ کیا کہ حکومت پاکستان الیکشن ایکٹ سال دوہزار سترہ میں سیون بی اور سیون سی کو مکمل متن مع اردو حلف نامہ میں شامل کرے قائد ایوان راجہ ظفر الحق کی انکوائری رپورٹ تیس دن میں منظر عام پر لائی جائے اس میں جو بھی ذمہ دار ہو اس کے خلاف ملک کے قانون کے مطابق کارروائی کی جائے۔ چھ نومبر سے دھرنے کے اختتام تک گرفتار تمام کارکنوں کو ضابطہ کارروائی کے مطابق تین دن میں رہا کیا جائے اور ان پر مقدمات اور نظر بندیاں ختم کی جائیں۔ پچیس نومبر سال دوہزار سترہ کو ہونے والے حکومتی ایکشن کے خلاف تحریک لبیک کو اعتماد میں لے کر ایک انکوائری بورڈ تشکیل دیا جائے جو تمام معاملات کی چھان بین کرکے حکومت، انتظامیہ ذمہ داران کے خلاف کارروائی کا تعین کرکے تیس روز کے اندر انکوائری مکمل کرے اور ذمہ داران کے خلاف فوری کارروائی کا آغاز کیا جائے۔ چھ نومبر دوہزار سترہ سے دھرنے کے اختتام تک جو سرکاری اور غیر سرکاری املاک کو نقصان پہنچا ہے اس کا تعین کرکے ازالہ وفاقی اور صوبائی حکومت ادا کرے۔ حکومت پنجاب سے متعلقہ جن نکات پر اتفاق ہوا ہے ان پر من وعن عمل کیا جائے۔

میڈیا رپورٹس کے مطابق زاہد حامد کے استعفیٰ پر مسلم لیگ ن میں شدید اختلافات سامنے آگئے ان لیگ کی سنیئر قیادت کے اہم ارکان زاہد حامد کے استعفے کے حق میں نہیں تھے۔ کیونکہ تحریک لبیک والوں کا مطالبہ زاہد حامد کا مستفی ہونا تھا تو اسی لیے دوسرے وزراء کو بچانے کے لیے زاہد حامد کی قربانی دینا پڑی۔

ایوان بالا میں ارکان سینٹ اور قومی اسمبلی کے ممبران نے فیض آباد دھرنے اور تحریک لبیک کے متعلق جو کہ خالص ختم نبوت کی سربلندی کیلئے دیا گیا اس پر اعتراضات کئے۔

قومی اسمبلی میں اپوزیشن لیڈر خورشید شاہ کہتے ہیں کہ دین کے نام پر سیاست خطرناک ہے۔ ہم نے اپنے دور میں مذہب اور سیاست کو الگ رکھنے کی کوشش کی تھی۔

سابق وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی کا کہنا ہے کہ دھرنا ختم کرانے کا کریڈٹ حکومت کو لینا چاہیے تھا۔ پی پی دور میں غلطی کرنے والے وزراء سے استعفیٰ لے لیا جاتا تھا۔

خالد رانجھا کہتے ہیں کہ انتخابی قوانین بارے ترمیم میں ختم نبوت کے حوالے سے تبدیلی غلطی نہیں بلکہ ہوشیاری تھی۔

ممبران پارلیمان میں جتنے بھی قوانین بنتے ہیں ان میں زیادہ تر ملکی مفادات کیلئے کم ہی ہوتے ہیں طریقہ واردات ایسا ہوتا ہے کہ آئین میں ترمیم کرتے وقت اس میں اچھی شق کے ساتھ بری شق بھی ڈال دی جاتی ہے تاکہ وہ پاس ہو جائے اوراس طرف کسی کا دھیان نہ جائے۔ کیونکہ وہ شق اکیلے پاس نہیں ہو پاتی۔ جیسے الیکشن قانون میں ختم نبوت کے قانون میں تبدیلی کوڈال دیا گیا۔چونکہ تمام لوگوں کی نظریں الیکشن قوانین پر تھیں اس لیے ان کا خیال یہ تھا کہ کسی کو پتہ چلے بغیر یہ شق بھی پاس ہو جائے گی لیکن یہ گزر نہیں پائی بلکہ پکڑی گئی۔یہ جومذاق انہوں نے کیا اچھا نہیں تھا۔ جتنے بھی لوگ اس قانون میں ترمیم کے حوالے سے مشاورت میں شامل تھے ان سب کو پکڑنا چاہیے اور یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ جو قانون بھی پاس ہوتا ہے اس میں پوری کابینہ شامل اوراس کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ماضی میں ختم نبوت کے حوالے سے جو شق پاس ہوئی تھی اس کو یہ کمزور کرنا چاہتے تھے۔یہ اس کا پہلا مرحلہ تھا۔جس کے بعد اس میں مزید ترامیم کا راستہ کھل جاتا۔یہ ایک دانستہ عمل تھا۔پارلیمان کی جوکارروائی ہوتی ہے اس میں ڈرافٹس میں بغیر پوچھے کوئی چیز نہیں ڈالتا، یہ سب سوچی سمجھی سازش کے تحت کیا گیا۔

تحریک لبیک یارسول اللہ اور حکومت پاکستان کے درمیان معاہدے اور فیض آباد میں دھرنے میں چند پوائنٹس سامنے آئے

اس کوئی بھی خوش نہیں ہے۔

کرپٹ حکمرانوں کو پارلیمنٹ کی ساکھ خطرے میں دکھائی دیتی ہے تو کوئی آپریشن کی ناکامی پر نالاں ہے۔

افسوس کی بات تو یہ ہے کہ ختم نبوت کے قانون میں نقب لگائی گئی اس کی تو بات ہی کوئی نہیں کرتا۔ختم نبوت کے قانون میں ترمیم کے ذمہ داروں کے خلاف بروقت کارروائی میں عمل لائی جاتی تو یہ حالات نہ دیکھنا پڑتے۔

کسی بڑی اور چھوٹی پارٹی نے ختم نبوت قانون میں ترمیم کے ذمہ داروں کی مذمت نہیں کی،جس میں مذہبی پارٹیاں بھی شامل ہیں۔

کسی سیاستدان نے ختم نبوت قانون میں ترمیم پر افسوس یا شرمندگی کا اظہار نہیں کیا۔

اس میں کوئی دورائے نہیں کہ تحریک لبیک یارسول اللہ کے ساتھ معاہدہ کرنے اور آپریشن کی ناکامی سے تحریک لبیک کی کامیابی ہے۔

لیکن یہ پہلا موقع نہیں ہے۔اس سے پہلے بھی متعدد بار پارلیمنٹ اسلام دشمن قوانین پر سوالیہ نشان بن چکی ہے۔

راجہ ظفرالحق رپورٹ کی روشنی میں ذمہ داروں کے خلاف کارروائی نہ کی گئی تو اس سے شکوک وشبہات اور بڑھیں گے جو کسی بھی نئے سیاسی بحران کا پیش خیمہ ہو سکتے ہیں۔اس لیے ذمہ داروں کو بے نقاب کرنا اوران کے خلاف کارروائی کرنا ضروری ہے۔

تحریک لبیک یا رسول اللہ کا مشن

تحریک لبیک یا رسول اللہ "نہ سیاسی نہ فرقہ بندی" کی کوئی صورت ہے۔ یہ کامل ایمان والوں کی ایک تحریک ہے۔ تحریک لبیک یا رسول اللہ ایک ایسی تحریک ہے جس کی بنیاد آج سے نہیں بلکہ ساڑھے چودہ سو سال قبل سے ہے۔ تحریک لبیک یا رسول اللہ کا کسی فرقہ واردیت سے کوئی تعلق نہیں تحریک کا ہر وہ خوش نصیب شخص کا رکن ہے جس مسلمان کو ایمان کی دولت نصیب ہوئی، خواہ اس کا تعلق امت محمدیہ ہو کیونکہ تحریک لبیک یا رسول اللہ کسی قسم کی فقی اختلافات سے انکار نہیں کرتی بلکہ دوٹوک شفاف الفاظ میں اپنا مقصدِ تحریک بیان کرتی ہے کہ "

آنحضرت ﷺ پر ہر طرح کی نبوت ورسالت ختم ہے۔ آپ ﷺ بلا استثناء آخری نبی ہیں۔ آپؐ کے بعد کوئی نبی یا رسول پیدا نہیں ہوگا۔

چونکہ آپؐ نے پیشنگوئی فرمادی تھی کہ میرے بعد دجال اور جھوٹے آئیں گے جو نبی ہونے کا دعوی کریں گے. حضرت ثوبانؓ راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے

ترجمہ: قیامت اُس وقت تک نہیں قائم ہوسکتی جب تک کہ بہت سے دجال اور جھوٹے نہ اُٹھائے جائیں جن میں سے ہر ایک یہ کہتا ہو کہ وہ نبی ہے، حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی ہونے والا نہیں۔ (ابو داود، ترمذی)

چنانچہ نبی آخرالزماں محمد ﷺ کے دور حیات کے آخری حصے میں مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی نے عقیدہ ختم نبوت پر ڈاکہ ڈالتے ہوئے جھوٹا دعوی نبوت کیا۔ جھوٹے مدعیان نبوت کے دجل وکذب کا جو سلسلہ اس وقت شروع ہوا تھا آج مرزا غلام احمد قادیانی تک اس کا تسلسل جاری ہے۔

ختم نبوت قرآن کی روشنی میں

ویسے تو قرآنِ پاک میں سو سے زائد آیات میں معنی ومفہوم کے اعتبار سے ختم نبوت کے مسئلہ کو ذکر فرمایا ہے لیکن یہاں صرف چند حوالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

ترجمہ: نہیں ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ لیکن آپ اللہ کے رسول اور تمام انبیاء کے ختم کرنیوالے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ (سورۃ الاحزاب، نمبر 33 آیت نمبر 40)

ترجمہ: ہم نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی۔ (سورۃ—مائدہ نمبر 5 آیت نمبر 3)

ترجمہ: اور جب اللہ نے انبیاء سے پختہ عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب اور حکمت عطا کردوں پھر تمہارے پاس وہ رسول تشریف لائے جو ان کتابوں کی تصدیق فرمانے والا ہو جو تمہارے ساتھ ہوں گی تو ضرور ان پر ایمان لاؤ گے اور ضرور ان کی مدد کروگے۔ (آل عمران سورۃ نمبر 3 آیت نمبر: 81)

ختم نبوت احادیث کی روشنی میں

ا: حضرت ابوہریرہؓ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

کہ میری مثال اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے کوئی گھر بنایا ہو اور اُس کو آراستہ پیراستہ کیا ہو مگر ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی ہو اور لوگ اُس کے پاس چکر لگاتے اور خوش ہوتے ہوں اور کہتے ہوں کہ یہ ایک اینٹ بھی کیوں نہ رکھ دی گئی، فرمایا آنحضرت ﷺ نے کہ پس وہ آخری اینٹ میں ہی ہوں اور میں ہی خاتم النبیین ہوں۔ بخاری و مسلم

2: حضرت ابوہریرہؓ آنحضرت ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا

مجھے تمام انبیاء پر چھ وجہ سے فضیلت دی گئی جس میں پانچویں آپؐ نے یہ ارشاد فرمائی کہ مجھے تمام خلقت کی طرف بھیجا گیا اور چھٹی یہ کہ میرے ساتھ تمام انبیاء کو ختم کیا گیا۔ رواہ مسلم فی الفضائل

3: حضور رحمتِ عالم ﷺ نے اپنے خاتم النبیین ہونے کی خصوصیت کا خود اعلان فرمایا۔ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا

ترجمہ: سلسلہ نبوت و رسالت منقطع ہو چکا ہے سو میرے بعد نہ کوئی رسول ہوگا اور نہ کوئی نبی (ترمذی)

تحریک لبیک یا رسول اللہ کے کارکنوں کے خلاف کسی بھی کارروائی سے باز رہے پُرامن احتجاج شہریوں کا حق ہے تحریک لبیک کے کارکن ناموس رسالت کی خاطر پرامن احتجاج کر رہے ہیں جبکہ پولیس کی جانب سے نہتے اور پرامن کارکنوں پر تشدد، آنسو گیس کی شیلنگ اور گرفتاریوں کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔

حکومت کو سمجھنا چاہیے کہ تحریک لبیک یا رسول اللہ صرف کسی ایک دینی جماعت کا مسئلہ نہیں بلکہ یہ مسئلہ ہر صاحب ایمان کا ہے۔ ایمان کی جب بات آتی ہے سیاسی وابستگی ختم ہو جاتی ہے ملک عزیز اسلامی جمہوریہ پاکستان پر رحم کھایا جائے اور کلمہ طیبہ کی بنیاد پر بننے ملک اسلامی جمہوریہ پاکستان کے اسلامی آئین کو نہ چھیڑا جائے۔ اور خدائی عزاب سے ڈرا جائے۔

دینی نظام کیلئے جدوجہد

لمحہ فکریہ ہم سب مسلمانوں کیلئے کہ ہم جس نظام حیات پر یقین رکھتے ہیں وہ دینی نظام ہے وہ دنیا میں کہیں بھی عملی طور پر نظر نہیں آتا ہے۔

سب علماء کرام اس سے بخوبی آگاہی بھی رکھتے ہیں کہ جمہوریت انتہائی فرسودہ، مبنی بر کفر، باطل شیطانی نظام ہے جہاں اسلام اور اسلامی اصول و عقائد کا کوئی عمل دخل نہیں۔ خاص تر جو جمہوریت ہمارے ملک میں ہے وہ جبر، منافقت و خود غرضی کا دوسرا نام ہے۔ کیا کبھی کسی نے یہ دیکھا

کہ ہمارے ارکان اسمبلی نے قانون بناتے ہوئے قرآن و حدیث کی کتابیں اپنے سامنے رکھی ہوں؟ یا قرآن و حدیث کا کوئی حکم، شریعت و فقہ کے کوئی مسائل ہماری اسمبلیوں میں زیر بحث آئے ہوں؟ یا کوئی قانون تجویز کرتے ہوئے قرآن و حدیث سے کوئی راہنمائی لی گئی ہو؟

لیکن ہم دینی سوچ رکھنے والے لوگ اسمبلی میں لا کر اس نظام کو ضرور بدل سکتے ہیں اب ہمیں عملی طور پر تحریک لبیک یا رسول اللہ کو کامیاب بنا کر دین کو تخت پر لانا ہے اور علمأ کرام کو اس فرسودہ اور کرپٹ نظام کو بدلنا ہے اس لئے تحریک لبیک یا رسول اللہ کی حمایت اور اس کو سپورٹ کرنا ضروری ہے۔ اگر پھر سے وہی کرپٹ سیاست دان آگئے تو باطل نظام اور کفر جمہوریت کی حمایت اور اس کو سپورٹ کرنے لگ جائیں گے تو پھر انقلاب کس نے لانا ہے؟

رسول اللہ ﷺ کے دین کا علم کس نے بلند کرنا ہے؟ کس سے انقلاب کی توقع رکھی جائے؟

مسلمان عوام یہ بات یاد رکھیں کہ اس فرسودہ سیاست اور لبرل اور کرپٹ سیاست کا حصہ بن کر ہم کوئی تبدیلی نہیں لا سکتے، کوئی انقلاب برپا نہیں کر سکتے اور نہ ہی اس مروجہ نظام سے اس کی کوئی توقع کی جاسکتی ہے۔

تحریک لبیک یارسول اللہ دین کو تخت پر لا کر اسلام کو آنے کا آسان راستہ فراہم کرے گا۔

ہمیں کثیر تعداد میں اپنے ممبران کو اسمبلی میں لانا ہوگا ایک دو سے معاملہ حل نہ ہوگا کیونکہ ماضی میں ہم اسمبلی میں آئے مگر عددی اکثیرت نہ ہونے کی وجہ سے اسلامی نظام تبدیل نہ ہو سکا ہمیں انقلاب کی ضرورت ہے انقلاب ایسے نہیں آیا کرتے، انقلاب لانے کیلئے اس متعلقہ فرسودہ و باطل نظام کے مد مقابل ڈٹ کر کھڑا ہونا پڑتا ہے، بڑی ہمت، جوانمردی اور ثابت قدمی درکار ہوتی ہے، تب کہیں جا کر انقلاب کی راہیں ہموار ہوتی ہیں۔ اس کے آگے ڈھیر ہو جانے سے کوئی مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہمیں قائد ایسا مل چکا ہے بس ہم ان کی اقتدا میں ہم خلافت راشدہ کے عظیم دور سے دوبارہ اسی صورت اپنا ناطہ جوڑ سکتے ہیں جب ہم سب مل کر ملک میں ایک حقیقی عالمی اسلامی فلاحی انقلاب برپا کرنے کیلئے متحدہ اور مسمم جدو جہد کریں اور ان کرپٹ مغربی شیطانی کارندوں کو اسمبلیوں میں آنے سے روکیں اور وہ ووٹ کی مدد سے ہی ممکن ہے ہر قسم کے مصائب و آلائم کی پروہ کیے بغیر حقیقی عالمی اسلامی فلاحی نظام حیات کو نافذ کرنے کیلئے کمربستہ ہو جائیں۔ ہر قسم کی منافرت اور تفرقہ سے پرہز کریں یہ اسی صورت ممکن ہے جب ہم اس اپنی صفوں میں اتحاد رکھیں دین تخت پر لانے کیلئے ہمیں ایک مرکز پر اکٹھے ہونا اور ڈٹ جانا ہوگا۔

میثاق امن

ہم تمام مکاتب فکر (سنی، شیعہ، وہابی، دیوبندی وغیرہ) سب مل کر آپس میں معاہدہ کر لیں، میثاق امن، میثاق وحدت، میثاق دفاع عامہ کر لیں۔ میثاق ختم نبوت، میثاق برداشت وغیرہ پر ہم سب ایک مرکز پر اکٹھے ہو کر دین و ملت کے عظیم تر وسیع مفاد کیلئے کام کریں۔ ہم ملک و ملت کے تحفظ

و دفاع، قیام امن اور دین کی سربلندی و فروغ کیلئے اور دہشت گردی و انتہا پسندی کے خاتمہ کیلئے ایک وحدت، ایک پلیٹ فارم، ایک مرکز پر یکجا ہو جائیں۔آپ جانتے ہیں کہ منتشر اینٹیں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں' اگر انہیں یکجا کر دیا جائے تو عمارت بنتی ہے' بکھرے ہوئے موتی اکٹھے ہو جائیں تو گلے کا ہار بن جاتا ہے۔ امت کے تمام طبقات اس پر متوجہ ہوں پھر یہ خواب شرمندہ تعبیر ہوگا۔ ہم مشابہات و مشترکات پر زیادہ توجہ دیں کیونکہ ہمارے مشترکات کی تعداد اختلافی امور سے کافی زیادہ ہے۔

اگر ہمارے آقا و مولا ﷺ مدینہ کے مختلف یہودی قبائل کے ساتھ اشتراق عمل کا دنیا کا پہلا تحریری امن معاہدہ کر سکتے ہیں جن میں سوائے مدینہ اور اہل مدینہ کے تحفظ و دفاع کے علاوہ اور کوئی چیز مشترکہ نہیں تھی، وہ دونوں فریق دین میں باہم ایک دوسرے کے متضاد تھے۔ اگر ہم ایسا نہیں کرتے تو اس سے واضح مطلب نکلتا ہے کہ ہم نہ دنیا میں دین و ملت کی فلاح چاہتے ہیں اور نہ آخرت میں۔ دنیا وآخرت میں صرف وہی قوم عزت پاتی اور دوام و سرخروئی حاصل کرتی ہے جو جسد واحد کی طرح متحد ہو اور آپس کے باہمی خلفشار اور تفرقہ و انتشار کا شکار نہ ہو۔ بقول پر افضل قادری صاحب سربراہ تحریک لبیک کے ہم فروعی مسائل میں کسی کو بھی شدت کا ن نشانا نہیں بنانا اور ختم نبوت کے پرچم تلے ایک ہو کر ہم سب مل کر ملک و قوم، دین وملت کے وسیع اور عظیم تر مفاد کیلئے کام کریں گے۔ ہم سب آپس میں اشتراق عمل کا معاہدہ کریں اور سب سے یہ حلف لے لیں کہ ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کے مسلک کو نہیں چھیڑے گا. کوئی ایک دوسرے کے عقیدہ پر کوئی بات نہیں کرے گا۔اور ہر قسم کی گستاخی سے پرہیز کریں جو کہ اکثر انتشار کی وجہ بنتی ہے۔

منتخب سیاسی نمائدوں کی غنڈا گردی

سیاستدان عام عوام کے نمائندے ہوتے ہیں جو اسی عوام کی ووٹ سے منتخب ہو کر اسمبلیوں میں پہنچ جاتے ہیں۔اس عام لوگوں کو اپنے لیڈر مانتے ہوئے پاکستان کی سادہ لاح اور غریب عوام انہیں اپنے ووٹ دے دیتی ہے کیونکہ الیکشن کے دنوں میں یہ لوگ ووٹ مانگنے کے لیے لوگوں کو سبز باغ دکھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے مگر الیکشن کے بعد یہ اپنے علاقوں میں نظر ہی نہیں آتے کیونکہ یہ لوگ صرف ووٹ لینے کے پُجاری ہوتے ہیں۔ یہ سیاست دان ووٹ حاصل کرنے کے لیے اپنی تمام تر کوششیں لگا دیتے ہیں جیسے ان کے متعلق مشہور ہے کہ سیاستدان ووٹ مانگتے ہوئے گدھے کو بھی باپ بنانے کو تیار ہو جاتا ہے۔مگر الیکشن کے بعد ان لوگوں کے عوام کے ساتھ رویے ہی بدل جاتے ہیں اور الیکشن میں کامیابی حاصل کرنے کو بعد عوام کو یہ سیاستدان انسان سمجھتے ہیں نہیں ایسی چند مثالیں ملاحضہ فرمائیں:

مثالیں

سب سے پہلا واقعہ میٹرٹ اور صرف میرٹ کی باتیں کرنے والے پاکستان کے بڑے صوبے پنجاب کے وزیر اعلی شہباز شریف کی لاڈلی بیٹی رابعہ اور داماد عمران کا ہے: 7اکتوبر 2012 کو وزیر اعلیٰ پنجاب میاں محمد شہباز شریف کی بیٹی رابعہ عمران کی طرف سے ڈیفنس کے بلاک 'ٹی' میں واقع بیکری 'سویٹ ٹوتھ' کے ایک ملازم عرفان کو صوبے کی ایلیٹ فورس کے جوانوں سے تشدد کا نشانہ بنایا مگر اس پر میڈیا میں یہ سوال اٹھایا گیا اہلکار تو

سرکاری ملازم ہیں ان کو انکے "باس" کی طرف سے جو حکم ملا وہ انہوں نے بجالا یا اصل بات تو اصل ملزموں کیخلاف کارروائی کرنے کی ہے، جس پر شہباز شریف کی طرف سے انکے کارناموں کی تشہیر کیلئے قائم محکمہ ڈائریکٹر جنرل پبلک ریلیشنز پنجاب کی طرف سے ایک بیان جاری کیا گیا کہ وزیراعلیٰ نے ہمیشہ قانون کی حکمرانی قائم کی ہے اور انہوں نے پولیس کو اپنے داماد اور رابعہ کے شوہر علی عمران کو شامل تفتیش کرنے کی ہدایت کی ہے اس بیان کے بعد علی عمران نے خود کو پولیس کے حوالے کر دیا، حالانکہ علی عمران کیخلاف کوئی ثبوت ہی نہ تھا کہ وہ بھی بیکری ملازم پر تشدد میں ملوث ہیں۔ واقعہ کے حوالے سے کلوز سرکٹ ٹی وی کی جو فوٹیج سامنے آئی تھی اس میں وزیراعلیٰ کی بیٹی رابعہ دھمکیاں دیتی دکھائی دیتی ہیں جبکہ بعد میں ایلیٹ فورس کے جوانوں سمیت جو لوگ بیکری پر حملہ آور ہوئے علی عمران ان میں بھی نہ تھے۔

یہ وہ موقع تھا جب ٹی وی چینلز اور اخبارات نے علی عمران کی بھرپور کوریج کی کہ وزیراعلیٰ نے قانون کی حکمرانی قائم کرتے ہوئے اپنے داماد کو عدالت کے ذریعے جیل بھجوا دیا اس کے ساتھ ہی علی عمران کے وکلا نے ضمانت کی درخواست بھی دائر کر دی، عدالت میں وکیل نے دلائل دیئے کہ علی عمران کیخلاف پولیس کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہیں اس لئے ضمانت پر رہا کیا جائے، پولیس کی طرف سے تحقیقاتی رپورٹ میں علی عمران کو بے گناہ قرار دیدیا گیا، بیکری مالکان یا ملازم عدالت میں پیش نہ ہوئے جس کے بعد عدالت نے علی عمران کو پچاس ہزار کے مچلکوں کے عوض رہائی کا حکم دیدیا، اس طرح مبصرین کے مطابق شہباز شریف نے اپنی 'امیج بلڈنگ' کا ایک کامیاب ڈرامہ سٹیج کیا جس کے تحت ان کی بلے بلے بھی ہو گئی اور واقعہ کی اصل ملزمہ ان کی بیٹی رابعہ پر کوئی آنچ بھی نہیں آئی۔ غریب ملازم پر اتنے بڑے ظلم ہونے کے باوجود میاں صاحب نے تحقیقاتی رپورٹ دیکھنے کے بعد یہی بہتر جانا کہ بیٹی اور داماد کو بچاتے ہوئے رپورٹ کو ہوا میں اُڑا دیا جائے جس کے بعد یہ کیس ٹھپ ہو گیا۔

اب میں ایک دل دہلا دینا والا تازہ واقعہ بیان کرتا ہوں اور اس میں بھی پاکستان مسلم لیگ کی ارکان اسمبلی ملوث ہیں۔ چند دن پہلے موٹروے پر سفر کے دوران رکن پنجاب اسمبلی نگہت شیخ دیر سے پانی پلانے پر بس ہوسٹس پر برس پڑی اور ساتھ ہی بیچاری ہوسٹس کے منہ پر تھپڑ مار دیا جس کے بعد چوری اور اوپر سے سینہ زوری کا محاورہ سچ کرتے ہوئے ساتھ واقعہ ڈیرا پولیس سٹیشن سے پولیس طلب کرکے بس ہوسٹس اقراء کیخلاف دفعہ 506 کے تحت مقدمہ درج کرا دیا جس کے بعد پولیس نے بس ہوسٹس کو اپنی تحویل میں لے لیا اور پھر چھوڑ دیا۔

بس لاہور پہنچنے پر ہوسٹس اقراء نواز نے بتایا کہ انکے ساتھ زیادتی ہوئی ہے، ایم پی اے پہلے تھپڑ مارے بعد میں تھانے پہنچا دیا، ایم پی اے نے گالیاں دیں اور ذات پر بھی کیچڑ اچھالا۔ بس کے مسافروں کا کہنا تھا کہ ایم پی اے کا سلوک ناروا تھا انھوں نے بس ہوسٹس کی توہین کی۔

یہ تھپڑ ایک عورت کا دوسری عورت کے منہ پر نہیں بلکہ محنت کو عظمت سمجھنے والی بیٹی کے منہ پر طمانچہ تھا، معلوم نہیں نگہت شیخ کو اس وقت اپنی بیٹی یاد کیوں نہ آئی لیکن کیسے آتی؟ اگر اسے اپنی بیٹی اور اس سے شفقت و محبت کا احساس ہوتا تو وہ نگہت ناصر شیخ ہی رہتی، نگہت شیخ تو نہ بنتی؟ پر اسے تو تھپڑ پر بھی سکون نہ ملا۔۔ شیرنی تو تھی ہی پھرتی دکھائی پولیس کو فون کیا اور بس اقتدار کے زور پر تھانے لے گئی جہاں انسانیت اور ماں کے جیسی ریاست کے سامنے حکومت غالب آ گئی اور مقدمہ بھی درج ہو گیا۔

اِس اتنے بڑے واقعہ کے بعد وزیر اعلیٰ پنجاب کا کہنا تھا کہ رکن اسمبلی اور شہری برابر ہیں ، قانون سب کیلئے ایک ہے۔مگر انکوائری کے بعد اب شہباز شریف صاحب کو معلوم ہو گا ہے کہ اس سارے واقعے کی ذمہ دار مسلم لیگ نواز کی رکن نگہت شیخ ہی ہیں۔اب دیکھنا یہ ہے کہ میاں شہباز شریف کیاایکشن لیتے ہیں۔ میرے خیال میں تواُن کاایکشن بیکری ملازم پر تشدد کیس کی طرح ہوگا جیسے اس بیچارے ملازم کو ڈرادھمکا کرچپ کرادیاگیا تھااور وہ اسی ڈر سے عدالت میں پیش ہی نہیں ہوا اور اس سے زیادہ میاں صاحب ایکشن لے بھی نہیں سکتے اور انکوائری رپورٹ کو ہوامیں اڑادیں گے۔اس واقعے کے متعلق سینئر صحافی مجیب الرحمان شامی نے ایک ٹاک شومیں کیاخوب کہا ہے کہ مسلم لیگ ن کی نگہت شیخ کے منہ پر وہی تھپڑ مارا جائے جو اُس نے بیچاری بس میزبان کو مارا۔

قارئین کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہم ان لوگوں کو اپنا نمائندہ منتخب کرکے ایوانوں میں بھیجتے ہیں مگر یہ لوگ ہمارے ساتھ کیساسلوک کرتے ہیں اس کاآپ کو بخوبی اندازہ ہوگیا ہوگا۔اسی طرح سرگودھا سے تعلق رکھنے والے پاکستان پیپلز پارٹی کے رہنمااسلم مڈیانہ نے ایک غریب سکول ٹیچر پر تشدد کرکے اُس کی ٹانگیں توڑ دی۔اس کے بعد اسلم مڈیانہ کے خلاف مقدمہ بھی درج ہوااور گرفتاری بھی ہوئی مگر افسووس ہمارے ملک میں قانون شائد اندھا ہے اسی لیے طاقتور اور وڈیرے کو جرم کے بعد چھوڑ سیا جاتا ہے جبکہ عام آدمی کو جرم کی سخت سے سخت سزادی جاتی ہے۔اسی طرح پاکستان پیپلز پارٹی سندھ کی رہنماوحیدہ شاہ نے بھی نگہت شیخ کی طرح ایک پریزائیڈنگ آفیسر لیڈی کو تھپڑ مارا تھاجس کے بعد وہ کیس سپرم کورٹ میں زیر بحث رہا۔

یہ لوگ 18 کروڑ پاکستانیوں کی نمائندگی کیسے کر سکتے ہیں ؟اِن لوگوں کاعام شہریوں کے ساتھ رویہ تو دیکھیں یہ پڑھے لکھے جاہل لوگ ہیں۔

ان کو کیاعلم کہ حلال کی روزی کیسے کمائی جاتی ہے جیسے وہ بیکری ملازم سارادن مزدوری کرکے کماتا ہے، جیسے سرگودھاکاوہ ٹیچر سارادن پڑھاتا ہےاور جیسے بس ہوسٹس اقراسارادن بس میں مختلف شہروں میں مسافروں کی میزبانی کرکے حلال کی روزی کماتی ہے۔ان سیاستدانوں نے کام کرکے حلال کی روزی کمائی ہو توانہیں معلام ہو کہ کیسے حلال روزی کمائی جاتی ہے۔یہ تو غریب کاخون چوس کر عیاشی کی زندگی گزارتے ہیں

سیاسی نمائدوں کےانتخاب کی جگہ دینی نمائدوں کا انتخاب ناگزیر ھے

جس طرح موسم بدل رہا ہے اسی طرح ہمارے ملک کے سیاستدان بھی بدل رہے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جیسے جیسے نئے عام انتخاب 2018ء کے دن نزدیک آ رہے ہیں سیاستدانوں کو بھی عوام نظر آنا شروع ہو گئی ہے۔ساڑھے چار سال گزر جانے کے بعد آخر ووٹرز کی یاد ان کو ان کے قریب کھینچ ہی لائی۔ساڑھے چار سال تک ان سیاستدانوں نے پیروں کی طرح ہم سب کو بیٹا ہی دیا ہے۔اور روز نیا وعدہ دے کر ہمارے ضمیر سے کھیلتے رہے۔ہر بات پہ جھوٹ بولنا ان کا وطیرہ بن چکا ہے۔اگر ان کی جھوٹی باتوں کا ہم یقین نہ کرتے تو آج ہم کو یہ دن دیکھنے نہ پڑتے۔اب ایک بار پھر ان سیاستدانوں کا گٹھ جوڑ شروع ہو گیا ہے۔پاکستان کو تباہ کرنے کے لئے اب پھر یہ سب چور مل جائیں گے۔اپنے حریف کو بھی بھائی بنالیں گے۔کس کی خاطر صرف کرسی اور عیش و آرام کی خاطر۔ان کو پتہ ہونا چاہئے کہ کرسی دلوانے کا حق صرف عوام کے پاس ہے جو اس دفعہ ضرور ان کا احتساب کرے گی۔اور اپنے ووٹ کا استعمال درست انتخاب پر ہو گا۔تاکہ جس کو وہ منتخب کریں وہ سیاسی نمائندہ نہ ہو بلکہ عوامی نمائندہ ہو۔

اب پھر ان سیاستدانوں کا گیم پلان شروع ہونے والا ہے۔اور دھڑا دھڑ کارنر میٹنگ کا آغاز ہو رہا ہے۔اب ہونا تو یہ چاہئے کہ جس طرح عوام کو انہوں نے بیوقوف بنایا تھا ہم بھی ان کو اسی طرح ہی کا جواب دیں۔کیونکہ ہم کو انہوں اب اس قابل بنا دیا ہے کہ بجلی نہ ہو تو ہمارے بچے پڑھ سکتے ہیں۔کھانا نہ ہو تو ہمارے بچے بھوکے سو سکتے ہیں۔اور اگر کوئی کیس کسی غریب پر تو وہ اندر اور کسی سیاستدان پر ہو تو وہ باہر۔واہ کیا قانون ہے ہمارے ملک کا۔یہ سیاسی کلچر بنتا جارہا ہے کہ غریب کو مار دو اور امیر کو چھوڑ دو۔کتنی شرم کی بات ہے۔مگر ہم کو شرم آتی کب ہے۔ہم دیکھ رہے ہوتے ہیں۔اور ہم جانتے بھی ہیں کہ ہمارے علاقے کے سیاسی لیڈر ہمارے ساتھ کتنے مخلص ہیں اور ان کے کردار کے بارے میں تو ہم خوب جانتے ہیں کہ اس نے کس کس کا حق مارا ہے اور کس کس کو بیوجہ اندر کروایا ہے مگر الیکشن کے آتے ہی ہمارے اندر کا ضمیر مر جاتا ہے اور ہم پھر ان سیاستدانوں کی باتوں میں آ جاتے ہیں۔اور گلی گلی ان کے نام کا شور مچانا شروع کر دیتے ہیں۔پھر ہمیشہ کی طرح حکمرانوں کے وعدوں کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں۔پاکستانی عوام نے جمہوریت کو بچانے کے لئے ہمیشہ اپنے اپنے لیڈروں کا ساتھ دیا مگر یہ لیڈر ان کو کیوں بھول جاتے ہیں 70 سال ہونے کو ہیں مگر ہمارے ملک کی بنیادی خرابی یہ رہی کہ سیاسی نظام مظبوط بنیادوں پر استوار نہ ہو سکا۔مگر آج مجھ کو بڑے افسوس اور رنج و غم کے الم میں یہ بات کہنی پڑ رہی ہے کہ قائد اعظم اور نواب زادہ لیاقت علی خاں کے بعد ہم کو کوئی اچھا لیڈر میسر ہی نہیں آیا جس نے صرف پاکستان اسکی بقاء اور سلامتی کے بارے میں سوچا ہو۔بڑے بڑے لیڈروں، سیاستدانوں، جرنیلوں نے ملک پاکستان کی باگ دوڑ سنبھالی مگر ان کو کوئی خاص کامیابی نصیب نہ ہوئی۔کچھ نے تو کرسی کی حوس کی خاطر پاکستان کو تباہ کر دیا اور کچھ نے اقتدار کی حوس اور بھوک کی وجہ سے ملکی ترقی کو داؤ پر لگا دیا۔کسی نے بھی یہ نہ سوچا کہ پاکستان کی ترقی اور خوشحالی کے لئے کچھ کر لیا جائے۔دن گزرتے گئے اور حکمران بھی بدلتے گئے۔مہنگائی اور بے روزگاری نے جنم لینا شروع کر دیا۔حالات دن بدن خراب ہوتے گئے۔امیر دن بدن امیر ہوتا گیا اور غریب دن بدن غریب ہونا شروع ہو گیا۔غریبوں کے بچے غیروں کے مقروض ہوتے گے اور امیروں کے بچوں کی محفلیں ہوٹلوں اور بازاروں میں جمتی گئیں۔امیروں کو تو ہر طرح کی معرات دی گئی مگر غریبوں کو دھکے اور وعدے ملے۔میرا سوال ان موجودہ حکمرانوں سے یہ ہے کہ انہوں نے امیروں کو نوازنے کے علاوہ کسی غریب، بیوہ، لاوارث، یتیم بچوں کا بھی سوچا ہے کہ ان کو بھی یہ سب معرات ملنی چاہئیں۔یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ اس ملک میں غریب بھی رہتے ہیں یا پھر غریب ہونا جرم ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ ہم کو یہ سیاستدان جھوٹی تسلیاں دیتے رہتے ہیں اور خود ملک کو لوٹ لوٹ کر اپنا بنک بیلنس اور جائیدادیں بنانے کے نشے میں لگے رہتے ہیں یہ بھول جاتے ہیں کہ ہم پر انکا بھی کوئی حق ہے جنھوں نے ہم کو اس قابل بنایا۔ اب اگر ہم کراچی کی سیاسی صورت حال دیکھیں تو ہم کو سب نظر آجائے گا کہ وہاں پر کس طرح عوام کو بیوقوف بنایا جارہا ہے۔ کراچی شہر کو تباہ وبرباد کرنے والے پھر ایک ہی پلیٹ میں کھانے کے لئے تیار ہو گئے ہیں۔ دوسری طرف عمران خان صاحب عوام کو جھوٹی تسلیاں دے دے کر ان کا بھی وقت ضائع کر رہے ہیں اور اپنا بھی کیونکہ عمران خان کے دائیں بائیں بھی سب چور کھڑے ہوتے ہیں۔ وہ ان سے ملک کو کیسے بچائیں گے۔ اگر عمران خان صاحب خود اور اپنی ٹیم کو سب سے پہلے احتساب کے لئے پیش کرتے تو شاید کچھ ملک کا بھلا ہو سکتا۔ اور عوام بھی ان کے لئے کھڑی رہتی۔ مگر یہاں تو سب ہی الٹ ہے۔ کوئی بھی ملک کو بچانا نہیں چاہتا بلکہ سب ملک کے معاشی حالات کو تباہ کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔

ہمارے ملک کے اندر کچھ ایسے عناصر بھی موجود ہیں جو یہ نہیں چاہتے کہ پاکستان دنیا کا سپر پاور بنے، پاکستان سے دہشت گردی کا خاتمہ ہو، پاکستان میں غیر ملکی سرمایہ کاری کریں، لوڈشیڈنگ اور بے روزگاری کا خاتمہ ہو۔ پاکستان کا ہر فرد خوشی سے رہے اور ہر طرف امن و خوشحالی ہو۔ مگر یہ سیاستدان اپنی خوشی کے لئے چوروں، ملک کے غداروں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیتے ہیں۔ جنہوں نے ملک کو تباہ وبرباد کیا ہو۔ جنہوں نے ظلم کی ندیاں بہائی ہوں جنہوں نے ملک کو دونوں ہاتھوں سے لوٹا ہو۔ یہ چور ایک بار پھر چہرے بدل کر ہمارے پاس آنے والے ہیں۔ ہمیں بھی چاہئے کہ ہم بھی ان کو ان کی ہی زبان میں جواب دیں اور مکمل طور پر ایسے چوروں، ملک کے دشمنوں، عوامی ظالموں کا بائیکاٹ کریں۔

جمہوری حکومتوں اور معاشروں میں اختلافات رائے جمہوریت کو کمزور کر دیتی ہیں۔ جمہوریت کی بقاء اور اپوزیشن کے جلسے جلوس کو جمہوریت کے حسن سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسی طرح پاکستان کے تمام حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے۔ آج ملک کو درپیش مسائل کا سامنہ ہے۔ پاکستان کے موجودہ تمام سیاست دان صرف اپنے حالات سیدھے کرنے میں لگے ہوئے ہیں ان کو پاکستان کے کسی بھی فرد سے محبت نہیں ہے۔ یہ پاکستان کا مستقل تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ پاکستان کے ادارے اتنے طاقت ور نہیں کہ ان کا احتساب کر سکیں۔ ان کا احتساب اگر کوئی کر سکتا ہے تو وہ ہے عوام کی طاقت۔ اگر اب بھی ہم نے ان کا احتساب نہ کیا تو یہ ملک کو دیمک کی طرح کھا جائیں گے۔

ہم سب جانتے ہیں کہ سیاستدانوں کے وعدے کتنے دل دکھانے والے ہوتے ہیں اور ان میں کتنی سچائی ہوتی ہے۔ اب پھر وہی وقت لوٹ کر آنے والا ہے اگر ہم ملک کے ساتھ سچا پیار کرتے ہیں تو ملک کو ان غداروں سے بچانا ہے۔ اب ہمارے پاس ان کا احتساب کرنے کا پورا پورا موقع ہے۔ ان کو بھی پتہ چلنا چاہئے کہ ہم نے ان کو کیا دیا ہے اور کس امید سے وہ ہمارے پاس آئیں گے اگر اس بار بھی ہم نے بائیکاٹ اور احتساب نہ کیا تو ہم کبھی بھی ان کا احتساب نہ کر پائیں گے۔ اور یہ پھر ہم پر مسلط ہو جائیں گے۔ ان جھوٹے سیاستدانوں کو پتہ چلنا چاہئے۔ کہ ہمارے ووٹ کی کیا اہمیت ہے۔ اور عوام کی طاقت کیا کر سکتی ہے۔۔۔۔۔۔

سیرت مصطفی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سیاسی پھلو اور آج کے سیاستدان

جب قریش حرب فجار سے واپس آئے تو ایک واقعہ پیش آیا کہ عاص بن وائل سہمی نے شہر زبید سے آئے ہوئے ایک شخص کا تجارتی سامان چھین لیا۔اس پر متاثرہ شخص نے عبدالدار مخزوم وجمح وسہم وعدی بن کعب سے مدد مانگی مگر ان سب نے مدد دینے سے انکار کر دیا۔اس کے بعد متاثرہ شخص نے جبل ابو قبیس پر چڑھ کر فریاد کی۔ اس کی اس فریاد کو قریش کعبہ میں سن رہے تھے۔ متاثرہ شخص کی فریاد سن کر حضور پر نور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے چچا حضرت زبیر بن عبد المطلب نے بنو ہاشم زہرہ اور بنو اسد بن عبدالعزے کو عبداللہ بن جدعان کے گھر جمع کیا۔ان سب نے وہاں آپس میں عہد کیا کہ ظالم کے خلاف مظلوم کی مدد کیا کریں گے۔اور مظالم واپس کر دیا کریں گے۔ یہ عہد کرنے کے بعد سب عاص بن وائل کے پاس گئے اور اس سے زبیدی کا مال واپس کرایا۔اس معاہدہ کو حلف الفضول کہا جاتا ہے کہ اس سے پہلے بھی اسی طرح کا ایک اور معاہدہ ہو چکا تھا۔ جس کی شرائط کچھ اس طرح تھیں کہ ہم ایک دوسرے کی حق رسانی کیا کریں گے۔طاقتور سے کمزور کا اور مقیم سے مسافر کا حق لے کر دیا کریں گے۔مذکورہ معاہدہ کرانے میں جنھوں نے مرکزی کردار ادا کیا ان کے نام فضل بن حارث، فضل بن وداعہ اور فضل بن فضالہ تھے۔زبیر بن عبدالمطلب کی سعی پر جو معاہدہ قریش کے درمیان ہوا اس میں سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ والہ وسلم بھی شریک تھے۔اعلان نبوت کے بعد سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ اس معاہدے کے بدلے میں مجھے سرخ اونٹ بھی دیے جاتے تو یں اس کو نہ توڑتا۔اب بھی اگر کوئی مظلوم یا حلف الفضول کہہ کر پکارے تو میں اس کی مدد کرنے کو حاضر ہوں۔

جب رحمت دوجہاں صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی عمر مبارک پینتیس سال ہوئی تو قریش نے کعبہ کو از سر نو تعمیر کیا۔قریش کے قبائل نے کعبہ کی دیواریں آپس میں تقسیم کر لیں۔ہر قبیلہ نے اپنے حصہ کی دیوار تعمیر کی۔جب عمارت حجر اسود تک پہنچی تو حجر اسود کی تنصیب کیلئے قبائل قریش میں سخت جھگڑا پیدا ہو گیا۔اس کی تنصیب ایک ایسی سعادت تھی کہ ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ یہ سعادت اس کو ملے۔اور وہ سب کسی بھی قیمت پر یہ سعادت چھوڑنے پر تیار نہیں تھے۔اسی کشمکش یں چار دن گزر گئے۔نوبت تلواروں تک پہنچ گئی۔بنو عبدالدار بنو عدی بن کعب نے تو یہ سعادت حاصل کرنے کیلئے جان دینے کی قسم کھائی۔اور اس وقت کے دستور کے مطابق خون سے بھرے پیالے میں اپنی انگلیاں ڈبو کر چاٹ لیں۔یہ اس بات کی علامت تھی کہ ہم یہ کام ہر صورت میں کریں گے۔پانچویں دن سب مسجد حرام میں جمع ہوئے تو ابو امیہ بن مغیرہ مخزومی نے کل صبح جو شخص اس مسجد کے باب بنی شیبہ سے حرم میں داخل ہو اس کو ثالث قرار دیا جائے۔وہ عمر میں سب سے بڑے تھے۔ان کی اس رائے سے سب نے اتفاق کر لیا۔دوسرے روز اسی دروازے سے سب سے پہلے داخل ہونے والے ہمارے پیارے نبی پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم تھے۔دیکھتے ہی سب پکار اٹھے کہ یہ امین ہیں ہم ان پر راضی ہیں۔جب انہوں نے شاہ کون ومکاں صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو معاملہ بتایا تو محبوب کبریاء صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنی چادر اپنی کملی مبارک بچھائی اور اس میں حجر اسود کو رکھ دیا۔پھر یوں فرمایا کہ ہر قبیلہ اپنا اپنا نمائندہ چن لے۔پھر وہی لوگ اس چادر کو پکڑ کر اٹھائیں۔اسی طرح ہی کیا گیا جب کملی مبارک مطلوبہ مقام تک پہنچ گئی تو سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حجر اسود کو اپنے مبارک ہاتھوں سے اٹھا کر نصب فرمادیا۔ اس فیصلہ سے سب خوش ہوگئے۔

ہجرت کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مکہ مکرمہ میں اپنا مال ومتاع چھوڑ کر قرب رسول کی خاطر مدینہ منورہ آگئے تھے۔ ان کی رہائش کا انتظام نہیں تھا۔ امت کے غمخوار نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مہاجرین کی رہائش کیلئے مسجد نبوی کے قریب مکانات کا انتظام کیا۔ اس قطعہ میں جو انصار کے مکان تھے وہ انصار نے شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو ہبہ کر دیے تھے۔ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے زمین کے ٹکڑے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں تقسیم فرمائے۔

مہاجر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنے وطن، اہل وعیال اور بھائیوں اور دیگر رشتہ داروں کو چھوڑ کر آئے تھے۔ ان کی اس کمی کو دور کرنے کیلئے رحمت دوجہاں صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مہاجر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان بھائی چارے کا رشتہ قائم کیا۔ تاکہ یہ اہل وعیال کی جدائی محسوس نہ کریں۔ اور ایک کو دوسرے سے مدد ملے۔ حبیب خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہر دوفریق میں سے ایک ایک کو بلاتے جاتے اور فرماتے جاتے۔ کہ یہ اور تم بھائی بھائی ہو۔ سب بھائی بھائی بن گئے۔ ان انصار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے مہاجر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کیلئے ایثار وقربانی کی ایسی مثالیں قائم کیں کہ اب بھی ان کو نافذ کرکے نفرت کا خاتمہ کیا جاسکتا ہے کہ کسی نے اپنا مال ومتاع دو حصوں میں تقسیم کرکے ایک خود رکھ لیا اور ایک اپنے بھائی کو دے دیا۔ کسی نے اپنے بھائی سے کہا کہ میری دو بیویاں ہیں ان میں سے آپ جو پسند کریں میں اس کو طلاق دے دیتا ہوں آپ اس سے نکاح کرلیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے باغات تقسیم کرنے کی درخواست مسترد فرمائی تو انصار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مہاجر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کہا کہ تم باغ کو پانی وغیرہ دیا کرو ہم تمہیں پھل میں شریک کریں گے۔

یہ تو سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سیرت طیبہ کے وہ پہلو جو مشہور بھی ہیں اور ہمارے موضوع کے مطابق بھی ہیں۔ اسی میں ہم آپ کو یہ بتائیں گے کہ سیرت مصطفیٰ کی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی روشنی میں سیاستدان اور لیڈر کیسا ہونا چاہیے۔ جیسا کہ آپ اس تحریر میں پڑھ آئے ہیں کہ سرکار دوعالم، نور مجسم، شفیع معظم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے کمزور افراد کو طاقتوروں سے مسافروں کو رہزنوں سے بچانے اور محفوظ کرنے کیلئے قبائل کے درمیان کیے گئے معاہدے جو حلف الفضول کے نام سے مشہور ہوا میں شریک ہوئے۔ اور حضور پرنور صلی اللہ علیہ والہ وسلم اس معاہدہ میں شرکت کو بہت اہمیت دیا کرتے تھے۔ اور اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگالیں کہ رحمت دوجہاں صلی اللہ علیہ والہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ اگر مجھے سو سرخ اونٹ بھی دیے جاتے اور مجھے اس معاہدہ میں شامل ہونے سے روکا جاتا تو میں سواونٹ مسترد کردیتا اور معاہدہ میں ضرور شامل ہوتا۔ تاکہ حق دار کو اس کا حق مل سکے۔ کسی کی ایذارسانی نہ ہو۔ کسی مسافر کو کوئی رہزن نہ لوٹ سکے۔ کسی بھی کمزور انسان کو کوئی طاقتور اپنے ظلم کا شکار نہ بنائے۔ اس کے بعد قریش نے مل کر کعبہ کو از سرنو تعمیر کیا تو حجر اسود کی تنصیب کے وقت سب قریش کے قبائل میں تنازع پیدا ہوگیا۔ حجر اسود کی تنصیب بہت بڑی سعادت تھی۔ جیسا کہ آپ اس تحریر میں پڑھ آئے ہیں کہ قریش کا کوئی بھی قبیلہ کسی بھی قیمت پر یہ سعادت چھوڑنے اور کسی دوسرے قبیلہ کو دینے پر تیار نہیں تھا۔ کچھ قبائل نے تو اس سعادت کے حصول کیلئے جان دینے تک کی بھی قسم کھائی۔ نوبت جنگ تک پہنچ گئی قریب تھا کہ جنگ شروع ہوجاتی۔ رحمت کل جہاں، شہنشاہ کون ومکاں صلی اللہ علیہ والہ وسلم اس معاملہ کو حل کرنے کیلئے ایسا ناقابل فراموش فیصلہ فرمایا کہ دنیا کا کوئی اور منصف یا ثالث ایسا فیصلہ کرنا تو دور کی بات ہے اس طرح سوچ بھی نہیں سکتا۔ کہ سب کو اس سعادت میں شامل کرلیا۔ حجر اسود تنصیب کرنے کی

سعادت تمام قبائل کے حصہ میں آئی کوئی بھی اس سے محروم نہیں رہا۔ یوں قبائل کے درمیان متوقع جنگ چھڑنے سے پہلے ہی ختم ہو گئی۔ اس کے بعد ہجرت کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو مکہ مکرمہ میں اپنے گھر بار چھوڑ کر آئے تھے۔ اہل و عیال اور وطن کی جدائی کے صدمے جھیل کر آئے تھے۔ آل اولاد مال و متاع کی جدائی کے صدمہ کو وہی لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں جو اس کو برداشت کر چکے ہیں۔ حضور پر نور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مہاجر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور انصار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان بھائی چارہ قائم کر دیا جس کو مواخات کہا جاتا ہے۔ تاکہ مکہ مکرمہ سے آئے ہوئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنے پیاروں کی کمی اس طرح پوری کرلیں۔ اس سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ قوم کا رہنما اور لیڈر وہ ہوتا ہے جو قوم کی مشکلات کا نہ صرف احساس کرتا ہے بلکہ ان مشکلات کے ازالے کیلئے اقدامات بھی کرتا ہے۔ رحمت دو جہاں صلی اللہ علیہ والہ وسلم مدینہ منورہ ہجرت کرکے تشریف لائے تو یہاں کا پانی پینے کے قابل نہیں تھا۔ شہر میں میٹھے پانی کا صرف ایک ہی کنواں تھا جو کہ ایک یہودی کی ملکیت تھا۔ اس کنویں سے یہودی تو پانی بھرتے تھے مگر مسلمانوں کو اس کی اجازت نہیں تھی۔ ایک دن مسجد نبوی میں حضور پر نور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کون ہے جو اس یہودی سے کنواں خرید کر مسلمانوں کیلئے وقف کردے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وہ کنواں آدھا خرید کر مسلمانوں کیلئے وقف کر دیا۔ اس کے استعمال کی ترتیب کچھ یوں تھی۔ کہ ایک دن مسلمان پانی بھرتے اور ایک دن یہودیوں کی باری ہوتی تھی۔ جس دن مسلمانوں کی باری ہوتی اس دن یہودی بھی پانی بھر لیتے اور جس دن یہودیوں کی باری ہوتی تھی اس دن صرف یہودی ہی پانی بھرتے تھے۔ قیامت کا دن ہوگا۔ پیاس کی شدت بہت ہوگی۔ پانی کہیں بھی دستیاب نہ ہوگا۔ صرف حوض کوثر ہوگا۔ جو شفیع روز محشر صلی اللہ علیہ والہ وسلم اپنے یداللہ والے مبارک ہاتھوں سے اپنے عاشقوں غلاموں امتیوں کو پلارہے ہوں گے۔ جو ایک پیالہ پی لے گا۔ اس کو پچاس ہزار سال کے اس دن میں دوبارہ پیاس نہیں لگے گی۔

سیرت مصطفیٰ کے ان گوشوں سے ہمیں یہ جاننے میں آسانی ہو جاتی ہے کہ قوم کا رہنما، لیڈر اور سیاستدان کیسا ہونا چاہیے۔ وہ ایسا ہونا چاہیے کہ اس کو اپنی قوم کی مشکلات کا علم بھی ہو اور احساس بھی ہو۔ اور وہ ان مشکلات کو حل کرنے کے فوری اقدامات بھی کرے۔ جیسا کہ سیرت مصطفیٰ کے ان روشن گوشوں سے ہمیں یہ آگاہی ہو رہی ہے کہ جب بھی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کوئی مشکل پیش آئی یا قریش کے قبائل میں کوئی تنازع پیدا ہوا تو رحمت دو جہاں صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بہت ہی دلنشین انداز میں معاملہ حل کرا دیا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ہر مشکل حل کر دی۔ سرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ان روشن گوشوں سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ آج کے دور میں لیڈر، رہنما اور سیاستدان ایسا ہونا چاہیے جس کو قوم کی مشکلات کا احساس ہو۔ یہ نہ ہو کہ قوم تو پانی کو ترس رہی ہو اور منرل واٹر سے پیاس بجھا رہا ہو۔ قوم بیروزگاری اور گھریلو پریشانیوں کی وجہ سے خود سوزیاں کر رہی ہو اور وہ عیش کر رہا ہو۔ قوم گرمی میں لوڈشیڈنگ کا عذاب جھیل رہی ہو اور وہ ایئر کنڈیشنڈ کمروں میں آرام کر رہا ہو۔ قوم کا رہنما، لیڈر اور سیاستدان تو ایسا ہونا چاہیے جو ملک میں آٹا، چینی سمیت ضروریات زندگی کی کوئی چیز نایاب ہو جائے تو اس کا فوری بندوبست کرے۔ ملک میں شرح خواندگی کی کمی ہو تو تعلیم کے فروغ کے اقدامات کرے۔ ملک میں بدامنی پھیل جائے تو ہر ممکن اقدام سے امن کی بحالی یقینی بنائے۔ ملک میں بجلی، گیس کا بحران ہو تو اس کا فوری اہتمام کرے۔ ملک ہیں سیلاب آتے ہو تو ان کی روک تھام کے منصوبوں پر عمل کرائے۔ ملک پر اندرونی بیرونی قرضوں کا بوجھ بڑھ جائے تو وہ اپنے اور سرکاری اخراجات کم کرے۔ خود سادہ زندگی گزارے

اور قوم کیلئے معیاری زندگی کا اہتمام کرے۔ وہ کیسا قوم کا رہنما ہے۔ ہمارے سیاستدان قومی رہنما اور لیڈر سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اس طرح کے گوشوں کا مطالعہ کرکے قوم کی درست رہنمائی کریں۔

اس وقت ملک میں عام انتخابات کی تیاریاں عروج پر ہیں۔ سیاستدان عوامی رابطہ مہم کے سلسلہ میں سیاسی جلسے کر رہے ہیں۔ لوگوں سے مل رہے ہیں۔ ووٹ مانگنے کا سلسلہ جاری ہے۔ پاکستان میں اسلام کے نام پر تو بار بار عوام سے ووٹ بٹورے گئے ہیں۔ تاہم اس ملک میں اسلامی نظام لانے کی کبھی کوشش نہیں کی گئی۔ تحریک لبیک یا رسول اللہ اس بار باقائدہ طور پر ساست میں آچکی ہے اور مذہبی طور پر اس لبرل سیاست کو ختم کرکے دین کو تخت پر لائی گی یہ بات یقینی ہے کہ مذہب اور سیاست کو الگ نہیں کیا جاسکتا۔ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ زندگی کے ہر شعبہ میں ہم سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے رہنمائی لے سکتے ہیں۔ اسی طرح سیاست میں بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سیرت مبارکہ میں رہنمائی موجود ہے۔ کامیاب سیاست دان بننے کیلئے سیرت محمدی کے سیاسی پہلوؤں کا مطالعہ ضروری ہے۔ سیاست یہ نہیں کہ انتخابات میں حصہ لیا جائے۔ قومی اور صوبائی اسمبلیوں کا ممبر بنا جائے۔ وفاقی اور صوبائی کابینہ میں شامل ہوا جائے۔ اور اسلام دشمن قوانین کو پاس کیا جائے اور ملک و قوم کے ساتہ غداری کی جائے سیاست تو یہ ہے کہ عوام کے مسائل حل کیے جائیں۔ عوام کی مشکلات میں کمی کی جائے۔ انہیں بنیادی ضروریات دی جائیں۔ سیاست کرنے اور ریاست کے امور کو چلانے کے سلسلہ میں خلافت راشدہ کے دور میں بھی بہترین سے بہترین رہنمائی پائی جاتی ہے۔ کہ چاروں خلفاء راشدہ نے کس طرح ریاست مدینہ کے امور کو چلایا اور قومی خزانہ کو کس طرح استعمال کیا۔ ان نفوس قدسیہ نے سرکاری خزانے سے کیا کیا مراعات حاصل کیں۔ وہ عوام کے مسائل سے کس طرح آگاہی رکھتے اور پھر از خود حل کرنے کے فوری اقدامات بھی فرمایا کرتے تھے۔ اب چونکہ الیکشن مہم جاری ہے اس تحریر کو بھی ممبر و مہراب پر بیان کی جائے اور دین کی سیاست میں اہمیت کو اجاگر کیا جائے۔

پاکستان کی اصل بیماری سسٹم اور کرپٹ سیاستدان

آج پاکستان میں پھر سیاسی نورا کشتی شروع ہو چکی ہے، سیاستدان ایک دوسرے پر الزامات لگا رہے ہیں، سب سیاسی پارٹیاں کسی نا کسی طرح اقتدار کے مزے لوٹ چکی ہیں وہ مسلم لیگ ن ہو، یا مسلم لیگ ق، ایم کیو ایم ہو یا اے این پی، جے یو آئی سب پارٹیوں نے ذاتی مفاد میں حکومت کی لیکن عوام کے لیے کسی پارٹی نے کوئی کام نہیں کیا۔

عوام غربت مہنگائی لوڈشیڈنگ بے روزگاری سیلاب کے عذاب میں مبتلا رہی لیکن سیاستدان اپنی لڑائیوں اور عیاشیوں میں لگے رہے اور وقت گزرتا گیا۔

اب سیاستدانوں کو پھر غریب عوام یاد آئے ہیں۔ جلسے اور جلوسوں میں چور بھی کہے چور چور جبکہ اصل میں یہ سب ڈاکو ہیں جو دن رات ملک کو لوٹ رہے ہیں۔ پاکستان کے اصل مسائل کی طرف کسی کی توجہ نہیں بیمار کا علاج تو کر لیا جاتا ہے لیکن بیماری کا علاج نہیں کیا جاتا پاکستان کی اصل بیماری یہی کرپٹ سیاستدان اور سسٹم ہے جس میں چند خاندان اور سیاست دان گھوم پھر کر پھر آ جاتے ہیں۔

عمران خان اس سسٹم کو بدلنے کی بات کرتا ہے لیکن اپنے ساتھ وہی گھسے کرپٹ لوٹے پٹے لوگ ملا رہا ہے تو میرا سوال ہے تبدیلی کیسے آئے گی۔

سیاست دانوں نے عوام کو صوبائیت اور لسانی طور پر اور مولویوں نے مسلمانوں کو فرقوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ پہلے اس تقسیم کو ختم کریں پھر عوام ایک پاکستانی قوم بنے گی۔

پنجاب میں گو زرداری گو کے نعرے لگے تو سندھ میں شریف برادران کے خلاف نعرے لگے۔ سیاست دان لوگوں کو ذاتی مفاد میں استعمال کرتے ہیں اور لوگ ہوتے رہتے ہیں۔ بار بار سیاست دانوں کے جھوٹے نعروں اور وعدوں میں آ جاتے ہیں۔ جمہوریت ہو تو آمریت کو یاد کیا جاتا ہے اور آمریت ہو تو جمہوریت کے لئے دعا کی جاتی ہے۔

پاکستان میں جمہوریت اور آمریت میں فرق صرف اتنا ہے کہ آمریت میں ایک بندہ کھاتا ہے اور غریب عوام لئے کچھ بچ جاتا ہے لیکن جمہوریت میں سب سیاستدان مل کر کھاتے ہیں تو غریب کے لئے کچھ نہیں بچتا۔ آمریت میں ملک میں ایک چوہدری اور بدمعاش ہوتا ہے اور جمہوریت میں ہر پارٹی اور سیاست دان بدمعاش ہوتا ہے۔

سچ یہ ہے کہ اگر آمریت پاکستان کے مسائل کا حل نہیں، تو جمہوریت نے بھی عوام کو کچھ نہیں دیا۔ پچھلے دور میں یہی سیاست دان کھا اور کما رہے تھے لیکن غریب کو کچھ مل رہا تھا اور آج فقط سیاست دان کھا اور کما رہے ہیں عوام صرف انکا پھینکا ہوا کھا رہے ہیں اور اس پر بھی یہ احسان جتلاتے ہیں کہ ہم نے عوام کی مدد کی۔

خادم اعلی صاحب لوگوں کی مدد کر کے ایسے احسان کرتے ہیں جیسے مغل بادشاہ اپنے خزانے سے کسی سائل کی دادرسی کر رہا ہو خادم اعلی صاحب ڈینگی مچھر اور بخار کے خلاف اقدامات اور ترقیاتی کام اور پیسوں سے عوام کی مدد کرنا لوگوں کے مسائل حل کرنا انکے فرائض میں شامل ہے ۔ پاکستان میں جمہوریت کو بھی اتنا ہی وقت ملا جتنا آمریت کو لیکن یہ بھی سچ ہے کہ آمروں کے دور میں لوٹ مار کم اور ترقی زیادہ ہوئی اگر موازنہ کیا جائے تو اے وب خان، ضیاء الحق اور مشرف کا دور بھٹو، بے نظیر اور نواز شریف کے دور سے بہت بہتر تھا۔ اگر واقعی جمہوریت آمریت کے اندھیروں میں روشنی کی کرن ہے تو چار سال اس جمہوریت کو اپنا آپ منوانے کے لئے کافی تھے، صدر بھی جمہوری، آرمی چیف بھی جمہوری، چیف جسٹس بھی جمہوریت کا حمائتی، اپوزیشن بھی فرینڈلی تھی پارلیمنٹ با اختیار سب سیاسی پارٹیاں بھی حکومت میں شریک تو آج پاکستان دن دگنی ترقی کر تا اور خوشحال ہوتا۔

ماضی میں سیاسی انتخاب کرنے والوں سے ایک سوال

کیا ماضی میں آپ کا دیا ہوا ووٹ کوئی تبدیلی لے کر آیا؟ شاید تھوڑے ہی لوگوں کا جواب ہاں میں ہے کیونکہ اب بھی ہم نہیں جانتے کہ پاکستان کا مطلب کیا ہے؟ کیا آئیدہ بھی ان کرپٹ سیاسی لوگوں کا انتخاب کرکے ہم لوگ دنیا کی عظیم قوموں میں کھڑے ہو سکتے ہیں؟ کیا ہمارے کرپٹ سیاستدان، حاکم پیارے ملک پاکستان سے واقعی مخلص ہیں یا صرف اور صرف اقتدار، دولت، طاقت، شہرت کی حوس ہے؟

تمام پاکستانیوں نے اپنے سیاسی راہنماؤں کو اس لیے ووٹ دے کر چنا تھا کہ وہ صرف اور صرف ووٹ لینے کے ٹائم پر بڑے بڑے وعدے کریں اور خوشحال پاکستان کا خواب دکھا کر ہمارے ووٹوں کا غلط استعمال کریں؟

آخر کب تک چند مخصوص خاندان، مخصوص لوگ ہمارے ووٹوں کو ایک ربر سٹمپ کے طور پر استعمال کرتے رہیں گے؟ کیا کبھی کوئی محمد علی جناح، لیاقت علی خان اور محب وطن راہنما ہمیں مل پائیں گے؟

ذرا سوچیے! کیا آج اچھے یا برے پاکستانی حالات کے ذمہ دار کہیں ہم یا ہمارا دیا ہوا حق رائے دہی یا ووٹ تو نہیں؟ کیا ہم نے صحیح لوگوں کو چنا یا ہمیں استعمال کیا گیا جیسا کہ پاکستان بننے کے بعد سے کیا جا رہا ہے؟

اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ ملک ہم نے ددین کی خاطر حاصل کیا اور جب ووٹ دیئے تو وہ ہم نے دینا کی خاطر دیئے۔ اب اگر ہم دوبارہ نظریہ پاکستان کو دہرائیں اور ووٹ دین کی خاطر اور دو قومی نظریہ کی خاطر دیں تو تبدیلی آسکتی ہے۔ ہمارے الگ وطن کا اصلی مقصد ہی یہ تھا کہ ہم اسلامی نظام کے نفاظ کریں اور اس میں امن و آشتی سے رہ سکیں۔

آئیں ہم ایک بار پھر روایتی سیاسی انتخاب کرکے پنے آپ پر یہ داغ نہ لگنے دیں کہ کسی بھی صورت میں کسی ایسی پارٹی جو کہ سیکولر ہو ملک دشمن غدار ہو، فراڈ اور دھوکہ دہی اور ماضی میں عوام کے حق اور بنیادی ضروریات پہنچانے میں ناکام رہی ہو اور سب سے بڑھ کر اسلامی تشخص کو مسخ کرنے میں پیش پیش رہی ہو اس کو ہرگز ووٹ نہ دیں ووٹ آزاد اور انفادی طور پر کھرے افراد کے حق میں اپنی رائے کا استعمال کنہ ریں۔ نیز ایسے لوگ بطور حکمران عوام پر بزورِ شمشیر حکومت کرچکا ہے، جس نے آگ اور خون کا کھیل کھیلا ہے (سانحہ ماڈل ٹاؤن، فیض آباد، کراچی وغیرہ)۔

روایتی سیاسی انتخاب کرکے ایسے افراد یا پارٹی کو ووٹ نہ دیں جس نے عوام کی دولت کو لوٹا ہے اور لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کیا ہے، اپنے آپ ضمیر فروشی نہ کریں۔ جس کا حاصل فقط پچتاوا اور آخرت کا وبال ہو۔

آیئے آج سے انفرادی طور پر ایک تحریک لبیک یا رسول اللہ ﷺ کا ساتھ دیں اور دین کو تخت پر لانے کیلے مہم جوئی شروع کریں کہ ہمارے ملک کے حالات کو بدل سکے ورنہ کبھی یہاں مک مکا، ڈیل ہوتی رہے گی کبھی کسی فرنگی ملک میں کبھی برکتوں والے شہروں میں! اگر ہم اپنے ووٹ کو

اسلامی طریقہ سے استعمال کریں اور اس کی طاقت کو سمجھیں تو ہم ملک میں امن اور استحکام لا سکتے ہیں ! ۔ سیاست کیلئے ضمیر فروشی نہ کریں۔ جس کا حاصل فقط پچتاوا اور آخرت کا وبال ہو۔

مایوس ووٹروں کیلئے نوید

اس الحاد اور فتنہ پرور دور میں فقط تحریک لبیک یا رسول اللہ کے قائدین نے کہا کہ میں سیکولر ازم کا مقابلہ کریں گے، قائد رضوی نے کہا میں سیکولر ازم کو شکست دوں گا، میں سارے ظالموں کے مقابل کھڑا ہوں گا۔ دین تخت پر لے کر آئوں گا میں ہر اس فرد کے سامنے دیوار بن جاؤں گا جو مسلمانوں کو تفرقہ بازی، قبیلوں،.برادریوں اور فرقہ بندیوں میں تقسیم کرکے الگ، الگ سلوک کرنے کا علمبردار ہے۔اور اندر خانے اسلام کو نقد پہنچانے پر گامزن ہے ان سب کرپٹ غدار اور لبرل سیاست دانوں کے خلاف تحریک لبیک یا رسول اللہ سامنے کرنے کو تیار ہے۔

تحریک لبیک یا رسول اللہ کی اسی کاوشوں کے نتیجے میں جو مایوس ہو چکے تھے اب یہ کہتے ہیں کہ میں ووٹ دوں گا اور ڈنکے کی چوٹ پر دوں گا۔

میں تحریک لبیک یا رسول اللہ ﷺ کو سیکولر کرپٹ نظام کو رد کرکے اسلامی نظام حیات کے قیام کے لیے میں ووٹ دوں گا۔

میں تحریک لبیک یا رسول اللہ ﷺ کو ظلم کا خاتمہ کرنے اور انصاف قائم کرنے کے لیے ووٹ دوں گا۔

میں تحریک لبیک یا رسول اللہ ﷺ کو قبیلوں اور برادریوں کی تفریق جس کو محمد ﷺ نے روندا تھا اس ہندوانہ سوچ کو ختم کرکے کلمہ طیبہ کی بنیاد پر قائم ہونے والے برادری اور قبیلے کے احیاء کے لیے ووٹ دوں گا۔

میں تحریک لبیک یا رسول اللہ ﷺ کو دین کو تخت پر لانے کے لئے کو فروغ دینے کے لیے ایک، ایک فرد کے دل پر دستک دوں گا۔

مین تحریک لبیک یا رسول اللہ ﷺ کو عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور جوانوں کا سہارا بننے کیئے اسکے ہاتھ مضبوط کروں گا۔

میں تحریک لبیک یا رسول اللہ ﷺ کو اللہ کے باغیوں کو میدان سیاست سے بھگا کر کلمہ طیبہ کے سبز ہلالی پرچم کی سربلندی کے لئے ووٹ دوں گا۔

میں تحریک لبیک یا رسول اللہ ﷺ کو قرآن کی حاکمیت اور نبی اکرم ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے نفاذ کے لیے ووٹ دوں گا۔

جن کا کہنا ہے کہ اگر میں ووٹ نہیں دوں گا تو پھر اسلام کے مقابلے میں سیکولر ازم جیت جائے گا۔ اگر اسلام ہار جائے تو پھر میری زندگی کا مقصد ختم ہو جائے گا۔ اس لیے میں ووٹ دوں گا اور ہر مایوس فرد کے پاس جا کر اسے اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے تحریک لبیک یا رسول اللہ ﷺ کو ووٹ دینے پر آمادہ کروں گا۔

سیاسی انتخاب نھیں بلکہ دینی انتخاب کریں

دینی انتخاب:

دین داری پر مبنی انتخاب کا مطلب ہے کہ انسان اس عمل میں اپنی دنیاوآخرت کی بھلائی کے لیے حصہ لیتا ہے۔

دین داری پر مبنی انتخابات میں انسان اس احساس کے ساتھ مرکزِ دین کی طرف جاتا ہے کہ یہ ایک شرعی فریضہ ہے اگر وہ اسے ترک کردے تو گنہگار ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا "(البقرۃ: آیت282سے)

(گواہوں کو جب گواہ بننے کے لیے کہا جائے، تو وہ انکار نہ کریں)۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے:

"وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ"(البقرۃ: آیت283سے)

(اور شہادت ہرگز نہ چھپاؤ جو شہادت چھپاتا ہے، اس کا دل گناہ میں آلودہ ہے)۔

اس میں شک نہیں کہ فرض کا ثواب نوافل سے بڑھ کر ہے کیونکہ بخاری کی روایت ہے، ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ ولم نے فرمایا: "مجھ سے قربت کے لیے بندہ جو عمل کرتا ہے ان میں مجھے سب سے زیادہ وہ اعمال محبوب ہیں جو میں نے اس پر فرض کیے ہیں"۔

سیاسی انتخاب:

سیاسی اغراض سے انتخاب میں شرکت کا مطلب ہے کہ اس میں اصل ہدف دنیا کی کامیابی ہوتا ہے خواہ یہ کامیابی آخرت کے نقصان کے ساتھ ہی حاصل ہو۔

جبکہ دینی نقطۂ نظر سے انتخاب یہ ہے کہ انسان اپنے گروہی رشتوں، قبائلی تعلقات، شخصی اغراض اور میڈیا کے پروپیگنڈے سب کو چھوڑ کر محض اللہ کی رضا کے لیے اپنے دل کو صاف کرتا ہے، اپنے اوپر اللہ کو گواہ ٹھہراتا ہے کہ وہ اپنے ملک کے لیے صرف ایسے ہی شخص کا انتخاب کرے گا جو لوگوں میں صالح تر ہوگا۔ وہ صرف اللہ کے نزدیک صالح تر اور مقصدِ انتخاب سے ہم آہنگ لوگوں کا انتخاب کرتا ہے۔

اس لیے کہ اس کے سامنے پروردگار کا یہ ارشاد ہوتا ہے:

"یَاأَیُّھَا الَّذِینَ آمَنُوا کُونُوا قَوَّامِینَ بِالْقِسْطِ شُھَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَی أَنفُسِکُمْ أَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالأَقْرَبِینَ إِن یَکُنْ غَنِیًّا أَوْ فَقِیرًا فَاللَّهُ أَوْلَی بِھِمَا فَلاَ تَتَّبِعُوا الْھَوَی أَن تَعْدِلُوا وَإِن تَلْوُوا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِیرًا" (النساء: 135)

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو، انصاف کے علمبردار اور خدا واسطے کے گواہ بنو اگرچہ تمہارے انصاف اور تمہاری گواہی کی زد خود تمہاری اپنی ذات پر یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو فریق معاملہ خواہ مالدار ہو یا غریب، اللہ تم سے زیادہ اُن کا خیر خواہ ہے لٰہذا اپنی خواہش نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو اور اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو بچایا تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے)۔

تشریح:

یہ آیت مومنین کے سامنے دینی انتخاب کے اسباب اور نشاناتِ راہ فراہم کرتی ہے۔ یہ بتاتی ہے کہ مومن عدل وانصاف کا پابند ہوتا ہے، وہ صرف اللہ کی رضا کی خاطر دین کی سربلندی کیئے اپنی رائے کا استعمال کرتا ہے۔

اس آیت کی روح سے دینی انتخاب کبھی اپنے نفس کی خواہش، والدین، یا رشتہ داروں کے خلاف بھی ہو سکتا ہے۔

یہ آیت ایسے ووٹروں کو مخاطب کرتی ہے جو دولت وثروت کی بنیاد پر سرمایہ داروں کا انتخاب کرتے ہیں۔

سیاسی انتخاب عارضی سہاروں کا محرک ہوتا ہے کہ وہ ان کے ماڈی مفادات کا تحفظ کرے گا جو کہ مادی ہیں دنیا کے ساتھ ہی ختم ہو جائیں گے، سیاسی انتخاب کے لیئے سڑکوں، شاہراہوں، ٹی وی چینلوں، یا رسائل وجرائد اور اخبارات میں امیدوار کے حق میں بھرپور تشہیر اور پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے۔

اس آیت کی روح سے دینی انتخاب امیدوار کی اس لیے تائید کی جاتی ہے کہ وہ دنیادار مالداروں کا مقابلہ کرنے اور ان کی کمر توڑنے کے لیے متحد ہو جائیں یا مالدار بو کے خلاف ایک تحریک بن جائیں۔

لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"إِن یَکُنْ غَنِیًّا أَوْ فَقِیرًا فَاللَّهُ أَوْلَی بِھِمَا" (النساء: آیت 135)

یعنی کسی مادی معیار کی بنیاد پر تم کسی کا انتخاب نہ کرو بلکہ تم امیدوار کی اہلیت کو دیکھو کہ وہ اللہ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے یا نہیں، مقصدِ انتخاب کے لیے اس کی شخصیت موزوں تر ہے یا نہیں۔

یہ آیت صرف اس حد تک دین داری کی بات نہیں کرتی بلکہ سرے سے نفسانی خواہشات اور مریضانہ رجحانات کا ہی جڑ کاٹ دیتی ہے، کہتی ہے کہ خیر وبھلائی کے اعتبار سے کوئی امیدوار اگر کمتر ہے، یا سرے سے اس کے اندر صالحیت ہے ہی نہیں تو اسے بالکل منتخب نہ کرو، اللہ تعالیٰ کہتا ہے:

"فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَن تَعْدِلُوا" ﴿النساء: آیت 135﴾

(لٰہذا اپنی خواہش نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو)۔

اس میں یہ بتایا ہے کہ انتخاب کی بنیاد سیاسی اغراض نہیں دینی مقاصد ہوں،

ظلم نہ ہو عدل ہو، عصبیت نہ ہو تعصب سے بالاتر ہو کر کیا کیا جائے.

کسی کی پرواکیے بغیر دور اندیشی کی راہ اختیار کی جائے، اس راہ میں وطنِ عزیز اور امّت کے لیے قربانی کا راستہ اختیار کیا جائے موقع پرستی نہ کی جائے۔

اور جب یہ آیت دین داری کی بات کرتی ہے تو ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعید بھی سناتی ہے.

"وَإِن تَلْوُوا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا"

(اور اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو بچایا تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے)۔

لگی لپٹی بات کہنا یا پہلو بچانے کی کوشش کرنا بہت ہی گھٹیا عادت ہے کیونکہ حق تو لوگوں کے سامنے روزِ روشن کی طرح واضح ہوتا ہے اور آپ خود حیران ہو کر خدائے واحد وقہار کی رضا کے بجائے کسی اور غرض کو سامنے رکھ کر انتخاب کا کام کرتے ہیں۔

یہ مادہ پرست حکمران اپنے اوپر گناہوں کا بوجھ لادتے ہیں، حق سے روگردانی اور دوری بڑھتی جاتی ہے،

فریبیوں کے جھنڈے بلند ہوتے ہیں،

شر پسند پارٹیوں کی جماعت مختلف پارٹیاں کی شکل میں کبھی اعلانیہ اور کبھی پسِ پردہ رہ کر انسانیت کی چیرہ دستی کے لیے میدان میں اتر پڑتی ہے،

شر پسند پارٹیوں کی دن رات کی سازشوں کا بازار گرم ہوتا ہے، حقائق کو مسخ کرنے، بگاڑ کو خوبصورت انداز میں پیش کرنے اور حق داروں سے حق چھیننے کی مہم زور پکڑتی جاتی ہے۔

خدا کی قسم ایسا سیاسی انتخاب ہی خیانت ہے

اگر آپ سیاسی انتخاب کریں گے تو یہ سیاسی نمائندوں کا چناؤ دیندار پارٹی اور دیندار نمائندوں بلکہ حق پرستوں، ملک میں حریت و انصاف، ترقی، محبت اور ایثار و قربانی کی روشنی پھیلانے کے لیے دینی انقلاب کی راہ میں شہادت کا نذرانہ پیش کرنے والوں، حق کی خاطر سینے پر زخم کھانے والوں ملک کے نظریہ کی خاطر جان قربان کرنے والوں اور ان کے شانہ بہ شانہ چلنے والوں کی پیٹھ میں چھری گھونپنے کے مترادف ہے۔

اب دینداري کي بنياد پر آپ کو انتخاب کرنا ھے تو خير و شر کے درميان تقابل کريں۔

روایتی سیاسی انتخاب کرکے اپنے آپ پر یہ داغ نہ لگنے دیں کہ کسی بھی صورت میں کسی ایسی پارٹی جو کہ سیکولر ہو ملک دشمن غدار ہو، فراڈ اور دھوکہ دہی اور ماضی میں عوام کے حق اور بنیادی ضروریات پہنچانے میں ناکام رہی ہو اور سب سے بڑھ کر اسلامی تشخص کو مسخ کرنے میں پیش پیش رہی ہو اس کو ہرگز ووٹ نہ دیں ووٹ آزاد اور انفادی طور پر کھرے افراد کے حق میں اپنی رائے کا استعمال کنہ ریں۔ نیز ایسے لوگ بطور حکمران عوام پر بزورِ شمشیر حکومت کر چکا ہے، جس نے آگ اور خون کا کھیل کھیلا ہے (سانحہ ماڈل ٹاؤن، فیض آباد، کراچی وغیرہ)۔

روایتی سیاسی انتخاب کرکے ایسے افراد یا پارٹی کو ووٹ نہ دیں جس نے عوام کی دولت کو لوٹا ہے اور لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کیا ہے، اپنے آپ ضمیر فروشی نہ کریں۔ جس کا حاصل فقط پچتاوا اور آخرت کا وبال ہو۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس بات سے بھی منع کیا ہے کہ ہم ان امیدواروں کی طرف جھکیں۔

"وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ" (هود:113)

(اِن ظالموں کی طرف ذرا نہ جھکنا ورنہ جہنم کی لپیٹ میں آ جاؤ گے اور تمہیں کوئی ایسا ولی و سرپرست نہ ملے گا جو خدا سے تمہیں بچا سکے اور کہیں سے تم کو مدد نہ پہنچے گی)۔

کیا موجودہ ظالموں، استبدادی حکومت کے باقیات، ظلم و جبر کی علامت، غیر اسلامی قوانین کو پاس کو پاس کروانا، تعلیمی پسماندگی اور بداخلاقی، اور فحاشی کی راہ میں گامزن لوگوں کی طرف میلان یا ان کے انتخاب کی حرمت کے سلسلہ میں اس سے زیادہ واضح کسی اور بات کی ضرورت ہے؟

امام احمد بن حنبل سے ایک شخص نے دریافت کیا: میں ظالموں کے کپڑے سیتا ہوں۔ کیا میں ظالموں کا مددگار ہوں؟ انہوں نے کہا: معاذ اللہ! تم خود ظالموں میں سے ہو۔

دینی پارٹیوں کے انتخاب فضیلت

اگر روایتی سکولر سیاسی نمائدوں انتخاب کا بائیکاٹ کرنے کے بعد اس کے بعد دوسرا مرحلہ خیر پسندوں کے درمیان میں سے افضل ترکے انتخاب کا ہے۔

اگر ہمارے دلوں میں صحیح معنوں میں اللہ کا خوف ہے، اگر ہمارا نفس واقعی اللہ کے خوف سے لرزتا ہے، ہمارے اندر عقل اور دین داری موجود ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث پڑھ کر ہمارا وجود لرز اٹھے گا

حدیث مبارکہ:

"من ولّٰی علی المسلمین رجلا وھو یجد من ھو اِرضی للہ منہ فقد خان اللہ ورسولہ والمؤمنین"

(جس نے اللہ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ شخص کی موجودگی میں کسی اور کو مسلمانوں کا ذمہ دار بنایا، اس نے اللہ، اس کے رسول اور مومنین کے ساتھ خیانت کی)۔

جب آپ ووٹ دینے لگیں اس وقت اگر آپ کا انتخاب دیانت داری پر مبنی ہے تو آپ اس حقیقت کو ضرور یاد کریں کہ آپ کے گرد ملائکہ ہیں، وہ روزِ حساب کے لیے ایک اور ورق پر لکھ رہے ہیں۔آپ کی یہ کیفیت ہونی چاہیے گویا آپ کے کانوں میں پروردگار کے یہ الفاظ گونج رہے ہوں کہ

"بَلَىٰ وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُونَ"(الزخرف:80)

(ہاں،ان کے پاس ہمارے فرشتے ہیں جو لکھ رہے ہیں)۔

جب آپ گواہی (رائے) دے چکیں تو یہ رائے خود آپ کے حق میں ہے یا آپ کے خلاف ذرا اس کو بھی جانچ لیں:

"سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْأَلُونَ"(الزحرف:19)

(ان کی گواہی لکھی جائے گی اور ان سے بازپرس کی جائے گی)۔

اللہ کے ڈرنے والے رائے دہندہ کے سوا اس کے سوا کوئی اور راستہ نہیں کہ وہ خدا شناس شاعر کے اس قول کا مصداق بن جائے:

قلم لکھے تیرا تو حق ہی لکھے ☆ رضائے رب اگر مقصود ہے تو

اس وقت کیا منظر ہوگا، آپ اپنے خداوند کو گواہ بنا کر خالص دینی تحریک لبیک یا رسول اللہ ﷺ کا انتخاب کرکے یہ کہ رہے ہوں گے: ہاں بار الٰہا میں سیاسی بازی گروں کے چکر میں نہ آؤں گا بلکہ دین داری کو ترجیح دوں گا۔

ہماری سیاست دین کی پابند ہوگی۔ مجھے تو دنیا و آخرت کی سعادت مطلوب ہے۔ میں اپنے وطنِ عزیز کے لیے ایسے لوگوں کو آگے بڑھاؤں گا جو اس کے لیے سراپا خیر ہوں گے۔ ہمارا یہی عمل مقصدِ انقلاب کو پورا کرے گا۔ شیخ شعراوی نے کہا تھا: حق پرست انقلابی، تیشہ چلاتا ہے کہ فساد کو ختم کردے پھر پرسکون ہو جاتا ہے کہ مجد و شرف کے عظیم منارے تعمیر کرے"

جو ووٹر اس آئینِ سیاست سے جو انتخابی معرکے میں دین کو پسِ پشت ڈال دے گا تو یہ تمہارے لیے دونوں جہاں میں خسارے کا سودا ہوگا:

"خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ ذَٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ" (الحج: 11)

(اُس کی دنیا بھی گئی اور آخرت بھی، یہ ہے صریح خسارہ!)۔

ہم دین کے لیے، اور اپنی آخرت کی بھلائی کے لیے مرکزِ رائے دہی کا رخ کریں، ہم وہ سیاست اختیار کریں جس میں دنیا کی بھی بھلائی ہو۔ پروردگار کا ارشاد ہے:

"رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ" (البقرۃ: 201)

(اے ہمارے رب تو ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی سے ہمکنار کر، اور ہمیں عذابِ جہنم سے بچا)

اقبال کا تصور دین و سیاست

اقبال کے تصور دین وسیاست کے بارے میں بھی بہت سی غلط فہمیاں پھیلائی جاتی رہی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اقبال نے اپنے فلسفے کی بنیاد ہی قرآن پر رکھی۔ انہوں نے اپنی نظم ونثر میں بہ کثرت قرآنی آیات کے حوالے دیے لہٰذا مذہب کے ساتھ جڑے ہوئے فلسفی شاعر کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ سیاست کو دین سے الگ رکھنا چاہتے تھے، درست نہیں ہے البتہ اقبال کا فہم دین روایتی مولویوں سے مختلف تھا۔ انہوں نے دین کی تشریح اسلام کے آفاقی سنہری اصولوں کے مطابق کی۔ لہٰذا ان کا دین پر مبنی سیاسی نظام بھی نئے زمانے کے تقاضوں پر پورا اترتا ہے۔ اقبال نے دین اور سیاست کو لازم و ملزوم قرار دیتے ہوئے تھیو کریسی (ملائیت) کی دو ٹوک مخالفت کی۔ اقبال نے دین اور سیاست کے بارے میں اپنے خطبۂ الہ آباد 1930ء میں بیان کیا۔

"کیا واقعی مذہب ایک نجی معاملہ ہے؟:

"کیا واقعی مذہب ایک نجی معاملہ ہے؟ اور آپ بھی یہ چاہتے ہیں کہ ایک اخلاقی اور سیاسی نصب العین کی حیثیت سے اسلام کا بھی وہی حشر ہو جو مغرب میں مسیحیت کا ہوا ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ ہم اسلام کو بطور ایک اخلاقی تخیل کے تو برقرار رکھیں لیکن اس کے نظام سیاست کی بجائے ان قومی نظامات کو اختیار کریں جس میں مذہب کی مداخلت کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا۔۔۔ (دین اور سیاست) دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں، اگر آپ نے ایک کو ترک کیا تو بالآخر دوسرے کا ترک بھی لازم آئے گا۔ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی مسلمان ایک لمحے کے لیے بھی کسی ایسے نظام سیاست پر غور کرنے کے لیے آمادہ ہوگا جو کسی ایسے وطنی یا قومی اصول پر مبنی ہو جو اسلام کے اصول اتحاد کی نفی کرے"۔

اقبال دین اور سیاست کو الگ نہیں بلکہ دونوں کو لازم و ملزوم سمجھتے ہیں:

اقبال کے خطبے کا یہ اقتباس بڑا واضح ہے اور اس میں کوئی ابہام نہیں کہ اقبال دین اور سیاست کو الگ نہیں بلکہ دونوں کو لازم و ملزوم سمجھتے ہیں۔ اقبال نے آل انڈیا مسلم کانفرنس لاہور (1932) کے خطبے میں اپنے اس تصور کی مزید وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "سیاست کی جڑیں انسان کی روحانی زندگی میں ہیں یہ میرا عقیدہ ہے کہ اسلام ذاتی رائے کا مسئلہ نہیں ہے اسلام ایک سماج ہے۔ آپ اسے سوک چرچ (Civic Church) بھی کہہ سکتے ہیں"۔

نوجوان دہریت اور مادیت سے محفوظ رہیں:

اقبال نے 10 دسمبر 1931ء کو کہا۔ "میں نوجوانوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ دہریت اور مادیت سے محفوظ رہیں۔ اہل یورپ کی سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ انہوں نے مذہب اور حکومت کو علیحدہ علیحدہ کر دیا۔ اس طرح ان کی تہذیب روح اخلاقی سے محروم ہو گئی اور اس کا رخ دہریانہ مادیت کی طرف پھر گیا"۔

اقبال کے خیال میں طاقت دینی

اقبال کے خیال میں اگر قوت اور طاقت دین اور اخلاق کی پابندیوں سے آزاد ہو تو وہ ہلاک کر دینے والے زہر سے بھی زیادہ خطرناک ہے اور اگر دین کی سرپرستی میں ہو اور اخلاقی اصولوں کی پابند رہے تو ایسی سیاست ہر زہر کا تریاق بن جاتی ہے۔ اگر سیاست دین سے الگ ہو جائے تو ایسی چنگیزیت بن جاتی ہے جو خدا کے خوف سے عاری ہو کر اخلاقیات کو تباہ و برباد کر دیتی ہے۔

لادیں ہو تو ہے زہر ہلاہِل سے بھی بڑھ کر

ہو دیں کی حفاظت میں تو ہر زہر کا تریاق

اپنے ایک اور مقبول عام شعر میں اقبال نے کہا ہے۔

جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

ایک اور جگہ اقبال نے قوم اور مذہب کے بارے میں کہا۔

قوم مذہب سے ہے، مذہب جو نہیں تم بھی نہیں

جذبِ باہم جو نہیں، محفلِ انجم بھی نہیں

دیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملت

ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارہ

دین اور سیاست کے بارے میں اقبال کے خیالات واضح ہیں مگر بعض مصنفین نے علمی اور فکری بحثوں میں پڑ کر اقبال کے واضح پیغام کے بارے میں کنفیوژن پیدا کر دیا اور اقبال کی تعلیمات فکری اور نظری بحثوں میں الجھ کر رہ گئیں۔ اقبال نے اپنے ایک انگریزی مضمون (اسلام کا سیاسی تصور) میں لکھتے ہیں۔

"اسلام کے قانون کے مطابق چرچ اور ریاست میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ریاست مذہبی اور سیکولر اتھارٹی کا امتزاج نہیں ہے۔ اسلام ایک واحدت ہے جس میں کوئی امتیاز نہیں ہے"۔ (زیر طبع کتاب "زندہ اقبال" سے ماخوذ)

باب ھفتم

نظام کا لغوی اور اصطلاحی تعارف

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے،اسلام میں تمام قسم کے حقوق حقوق انسانی کے دائرہ کار میں آتے ہیں ،اسلام نے مذہب ودین ،رنگ و نسل ، خاندان ونسب ،رشتہ وقرابت ،علاقہ وملک ،غرض کہ تمام گوشہ ہائے زندگی کو اور تمام دوسری بنیادی ضرورتوں کو انسان کی حقوق کی تشکیل میں سامنے رکھا ہے۔

اسلام دین فطرت ہے:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۳۰ (روم:۳۰)

ترجمہ: تو تم ایک طرف کے ہو کر دین (خدا کے رستے) پر سیدھا منہ کئے چلے جاؤ (اور) خدا کی فطرت کو جس پر اُس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے (اختیار کئے رہو) خدا کی بنائی ہوئی (فطرت) میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے

پیر کرم شاہ صاحب ضیاالقرآن میں لکھتے ہیں کہ اسلام دین فطرت ہے۔اس کا نظام شریعت ایسانہیں جو انسان کے فطری تقاضوں سے ہر وقت برسرپیکار ہو۔اللہ تعالیٰ ان فطری تقاضوں کا خالق ہے اور ان تقاضوں کی تخلیق میں بڑی بڑی حکمتیں ہیں اس لیے اس نے ان کی تکمیل کے تمام جائز، مناسب اور خوبصورت طریقوں کو جائز قرار دیا ہے۔ فطری تقاضوں کی تکمیل کے جائز طریقوں کے ہوتے ہوئے جو شخص غلط راستہ اختیار کرتا ہے اسے وہ سزا دیتا ہے اور سزا بھی ایسی جس سے اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس جرم کا ارتکاب کرکے اس نے اپنے ساتھ سراسر زیادتی کی ہے بلکہ دیکھنے اور سننے والوں کو بھی ایسی عطرت ہوتی ہے

اسلام دین فطرت ہے،اس کی حقیقت پسندی جب آپ کے سامنے عیاں ہوگی تو اس کا حسن خود ہی آپ لو مسحور کرلے گا۔

اسلام نے جن چیزوں کے بجالانے کا حکم دیا ہے ان میں ہمارا، ہماری قوم کا بلکہ ساری انسانیت کا بھلا ہے اور جن چیزوں سے روکا ہے اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ اس میں ہمارا، ہماری قوم کا اور ساری انسانیت کا نقصان ہے۔ (ضیاالقرآن)

اسلام چونکہ دین فطرت ہے اس لئے اس میں تمام جسمانی مادی ضروریات کے پہلو بہ پہلو روحانی واخلاقی ضروریات کا بھی خیال رکھا گیا ہے ،اور یہ ایسی ضروریات ہیں جن کے عدم توازن کی وجہ سے انسانی شخصیت میں بھی توازن برقرار نہیں رہتا،تو اس طرح جب افراد واشخاص کی فطرت متاثر ہوگی تو پورا سماج ہی متاثر ہوگا۔چنانچہ اسلام انسانی حقوق کی پاسداری میں سب سے آگے ہے۔اور سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ

آفاقی بھی ہے اور ابدی بھی اگر ازلی بھی کہا جائے تو کوئی مضائقہ اور مبالغہ نہ ہوگا، یہی وجہ ہے کہ جب سے انسان کا وجود اس دنیا میں آیا ہے، اسلام نے اس کو تمام حقوق بلا مطالبہ دائمی طور پر عطا کر دئے۔ اسلام تمام انسانوں کو ان کی انسانیت کے رشتہ و تعلق سے انسانی حقوق عطا کرتا ہے۔ وہ مسلم غیر مسلم، علاقہ وطن، رنگ نسل، غرض کہ کسی قسم کی تفریق نہیں کرتا۔

ماضی میں نظام

اسلام کے طرز حکومت اور آئین کے کچھ بنیادی اصول بھی سامنے آگئے، کہ اسلامی حکومت ایک شورائی حکومت ہے، جس میں امیر کا انتخاب مشورہ سے ہوتا ہے۔ خاندانی وراثت سے نہیں، آج تو اسلامی تعلیمات کی برکت سے پوری دنیا میں اس اصول کا لوہا مانا جا چکا ہے، شخصی بادشاہتیں بھی طوعاً و کرہاً اسی طرف آرہی ہیں، لیکن اب سے چودہ سو برس پہلے زمانہ کی طرف مڑ کر دیکھئے کہ پوری دنیا پر آج کے تین بڑوں کی جگہ دو بڑوں کی حکومت تھی، ایک کسریٰ، دوسرا قیصر اور ان دونوں کے آئین حکومت شخصی اور وراثتی بادشاہت ہونے میں مشترک تھے، جس میں ایک واحد لاکھوں، کروڑوں انسانوں پر اپنی قابلیت، صلاحیت سے نہیں، بلکہ وراثت کے ظالمانہ اصولوں کی بناء پر حکومت کرتا تھا اور انسانوں کو پالتو جانوروں کا درجہ دینا بھی بادشاہی انعام سمجھا جاتا تھا۔ یہی نظریہ حکومت دنیا کے بیشتر حصہ پر مسلط تھا، صرف یونان میں جمہوریت کے چند دھندلے اور نا تمام نقوش پائے جاتے تھے، لیکن وہ بھی اتنے ناقص اور مدھم تھے کہ ان پر کسی مملکت کی بنیاد رکھنا مشکل تھا، اسی وجہ سے جمہوریت کے ان یونانی اصولوں پر کبھی کوئی مستحکم حکومت نہیں بن سکی، بلکہ وہ اصول ارسطو کے فلسفہ کی ایک شاخ بن کر رہ گئے اس کے برخلاف اسلام نے حکومت میں وراثت کا غیر فطری اصول باطل کر کے امیر مملکت کا عزل و نصب جمہور کے اختیار میں دے دیا، جس کو وہ اپنے نمائندوں اہل حل و عقد کے ذریعہ استعمال کر سکیں، بادشاہ پرستی کی دلدل میں پھنسی ہوئی دنیا اسلامی تعلیمات ہی کے ذریعہ اس عادلانہ اور فطری نظام سے آشنا ہوئی اور یہی روح ہے اسی طرز حکومت کی، جس کو آج جمہوریت کا نام دیا جاتا ہے۔

انبیا علیہم السلام اور بنی اسرائیل کے قاضیوں کا نظام دنیا کا پہلا جمہوری نظام تھا۔ اس میں عوام اپنی مرضی سے اللہ کی مرضی اپنے اوپر نافذ کرتے ہیں۔ کوئی زبردستی ان پر اسلام نافذ نہیں کرتا۔ یہ نظام اپنی روح میں اتنا زیادہ جمہوری تھا کہ جب لوگوں نے اللہ کی مرضی کے خلاف ایک شخص کو بادشاہ مقرر کر کے اس نظام کی بساط لپیٹنی چاہی تو اللہ تعالیٰ نے انھیں اس کی بھی اجازت دے دی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ انسانی اختیار کے مقابلے میں اپنی مرضی بالجبر نافذ نہیں کرتے۔ عوام اپنی مرضی سے اللہ کی مرضی اپنے اوپر نافذ کرتے ہیں۔ تاہم نافرمانی کی سزا دینا اور اطاعت پر عطا کرنا ان کا حق ہے اور یہ کام وہ بہر حال کرتے رہتے ہیں۔

اسلامی نظام حکومت :

آگے فرمایا (آیت) "واطیعواللہ ورسولہ" اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اگر مسلمان اس اصول کو اپنا لیتے تو دنیا میں ذلیل وخوار نہ ہوتے مگر افسوس کا مقام ہے کہ آج مسلمانوں میں سے کوئی امریکہ کا غلام ہے اور کوئی روس کا حامی ہے، کوئی سرمایہ داری کی لعنت میں گرفتار ہے اور کوئی اشتراکیت پر چل رہا ہے، کہیں ملوکیت ہے اور کہیں ڈکٹیٹرشپ ہمارے ملک بھی یہی حال ہے اوپر مارشل لاء کی حکومت ہے اور نیچے مجلس سوریٰ قائم کر رکھی ہے بھلا ایسی شوریٰ کا کیا فائدہ جو مارشل لاء کے ماتحت ہو صحیح اسلامی شوری تو بااختیار ہوتی ہے اللہ کا ارشاد ہے (آیت) "وامرھم شوریٰ بینھم" (الشوری) مسلمانوں کے تمام کام تو باہمی مشورہ سے طے پاتے ہیں اور شوریٰ کے رکن اہل اور صائب الرائے لوگ ہوتے ہیں اور خلیفہ ان کے مشورے پر عمل کرنے کا پابند ہوتا ہے بلکہ خود نبی بھی شوریٰ کا پابند ہوتا ہے۔ اللہ کا اپنے نبی کو حکم ہے (آیت) "وشاورھم فی الامر" (آل عمران) اور معاملات میں ان سے مشورہ کریں (آیت) "فاذا عزمت فتوکل علی اللہ" پھر جب کوئی فیصلہ کرلیں تو اللہ پر بھروسہ کرکے اس پر عمل درآمد کردیں مقصد یہ ہے کہ شوریٰ کا مشورہ واجب ہے۔ اور اگر شوری کو کوئی اختیار ہی نہ ہو تو وہ کیا مشورہ دیگی اور اس پر کیا عمل درآمد ہوگا۔ اختیار تو سارا مارشل لاء کے ہاتھ میں ہے۔ محض اسلام کا نام استعمال کرنے کا کیا فائدہ؟ اب تین قوانین یک وقت چل رہے ہیں۔ ایک مارشل لاء کا ضابطہ ہے، دوسرا انگریزی قانون ہے اور تیسری شرعی عدالتیں ہیں۔ مگر انگریزی قانون اسلامی فیصلے کو منسوخ کردیتا ہے کیا فائدہ ہوا؟ اگر اللہ اور رسول کی اطاعت اختیار کی جاتی تو ملک میں ایک ہی اسلامی قانون نافذ ہوتا جو صدر ضیاء پر بھی اسی طرح لاگو ہوتا جیسا ایک عام آدمی پر۔ ملٹری اور پولیس بھی اسی قانون کے ماتحت ہوتی مگر ایسا نہیں ہے جس کی وجہ سے ہمیں کسی معاملے میں کامیابی حاصل نہیں ہو رہی ہے جب تک اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت نہیں ہوگی معاملات درست نہیں ہو سکتے۔

اسلامی نظام

موجودہ طرز کی جمہوریتیں چونکہ بادشاہی ظلم وستم کے ردعمل کے طور پر وجود میں آئیں تو وہ بھی اس بے اعتدالی کے ساتھ آئیں کہ عوام کو مطلق العنان بنا کر پورے آئین حکومت اور قانون مملکت کا ایسا آزاد مالک بنایا کہ ان کے قلب و دماغ زمین و آسمان اور تمام انسانوں کے پیدا کرنے والے اللہ اور اس کی اصلی مالکیت وحکومت کے تصور سے بھی بیگانہ ہوگئے، اب ان کی جمہوریت اللہ تعالیٰ ہی کے بخشے ہوئے عوامی اختیار پر اللہ تعالیٰ کی عائد کردہ پابندیوں کو بھی بار خاطر انصاف تصور کرنے لگیں۔

اسلام میں امر واطاعت کے مراکز

اسلام میں حقیقی حاکمیت اور اطاعت کاملہ کا حق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو حاصل ہے۔ وہی غیر مشروط مطاع ہے جس کی اطاعت کو کہیں بھی چیلنج نہیں کیا جاسکتا۔ قرآن کریم نے ایک سے زیادہ جگہوں میں اس حقیقت کو دہرایا ہے۔ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ (حکم اور اطاعت صرف اللہ کے لیے ہے)۔

دوسری جگہ فرمایا اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ (خبردار جس کی مخلوق ہے اسی کا امر ہے)۔ اس لیے مسلمانوں کی انفرادی زندگی اور اجتماعی نظام کا محور و مرکز خدا کی فرمانبرداری اور وفاداری کے سوا اور کچھ نہیں۔ جس طرح سر صرف اسی کے سامنے جھکتا ہے اور دلوں کی دنیا اسی سے آباد ہوتی ہے اسی طرح تمام معاملات میں راہنمائی کا سرچشمہ اور اطاعت کا آستانہ صرف اسی کی ذات ہے۔ زندگی کی ضرورتوں کے تحت انسان کو اور اطاعتوں سے بھی واسطہ پڑتا ہے۔ لیکن ان میں لازمی شرط یہ ہے کہ ان میں سے کوئی اطاعت بھی اللہ کے احکام سے متصادم نہ ہو۔ بلکہ اپنی حقیقت میں غیر خدا کی تمام اطاعتیں اللہ کی اطاعت کی مرہون منت اور اس کی تابع ہیں۔ اور اگر کسی حلقہ اطاعت میں شب ہے کی گنجائش بھی پیدا ہو کہ اس میں غیر خدا کی اطاعت کو اہمیت مل سکتی ہے تو ایسا حلقہ اطاعت توڑ کر پھینک دیا جائے گا۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اسی حقیقت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے: لَاطَاعَۃَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَۃِ الْخَالِقِ (خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کے لیے کوئی اطاعت نہیں ہے)۔

2 اسلامی نظام کی دوسری بنیاد رسول کی اطاعت ہے۔ رسول کی اطاعت کوئی مستقل بالذات اطاعت نہیں ہے۔ کیونکہ وہ خود بھی اللہ ہی کا مطیع و فرمانبردار ہے۔ اس کی اطاعت تو اس لیے کرنا ضروری ہے کہ دنیا میں اللہ کی اطاعت کی عملی صورت پیغمبر کی اطاعت کے سوا اور کوئی نہیں۔ اسی کی زبان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے احکام کیا ہیں؟ اسی کے عمل سے یہ راہنمائی ملتی ہے کہ اللہ کے احکام پر عمل کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ بندوں تک اللہ کے احکام اور فرامین پہنچنے کا کوئی مستند ذریعہ رسول اللہ کے سوا موجود نہیں۔ اور احکام کی عملی صورت' اس کے مبہمات کی وضاحت' اس کے مجملات کی تفصیل اور اس کے قول کی عملی شکل صرف پیغمبر ہی کی ذات سے معلوم ہو سکتی ہے۔ اس لیے جو شخص بھی اللہ کی اطاعت کرنا چاہتا ہے اس کے لیے یہ بات ازبس ضروری ہے کہ وہ اللہ کے رسول کی اطاعت کرے۔ یہ بات کہ نماز فرض ہے یہ بھی ہمیں اللہ کے رسول کے واسطے سے معلوم ہوئی ہے۔ اور نماز پڑھنے کا طریقہ کیا ہے؟ نمازوں کی تعداد کیا ہے؟ اس کے فرائض' واجبات اور سنن کیا ہیں؟ اس کے اوقات کیا ہیں؟ پورا نظام صلوٰۃ کیا ہے؟ رسول کی راہنمائی کی بغیر ان میں سے کسی بات کے جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ اس لیے پروردگار نے ارشاد فرمایا مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ (جو شخص رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے)۔ اور خود آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ مَنْ اَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ عَصَی اللّٰہَ (جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی)۔

تاریخی حقیقت بھی یہ ہے کہ دنیا میں جب بھی کبھی کسی مذہب کو نقصان پہنچا ہے اور مذہب کے ماننے والوں نے اللہ کی اطاعت میں کمزوری دکھائی ہے اور آہستہ آہستہ خواہشات کے پیروکار بنتے چلے گئے اور اپنے دین کو انھوں نے موم کی ناک بنادیا۔ اور اللہ کی کتابیں ان کے ہاتھوں میں کھلونا بن گئیں۔ اس المیہ کا آغاز اس وقت ہوا جب ان کا تعلق اللہ کے رسول سے کمزور پڑا' رسول سے جذباتی رشتہ ٹوٹا' اس کی اطاعت اور پیروی تاویلوں کی نذر ہو گئی' رفتہ رفتہ اس کی سنت مٹتی چلی گئی۔ پھر ایک وقت آیا کہ جب اللہ کی کتاب میں من مانی تاویلات کو روکنے کے لیے کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی۔ عبادات تک کا نظام بدل ڈالا گیا' تصورات بگاڑ دیئے گئے' عقائد کو حقیقی روح سے بیگانہ کر دیا گیا۔ پوری انسانی زندگی کے نظام کا مرکز و محور اگرچہ اللہ کی اطاعت ہے لیکن اس کی ظاہری شکل و صورت اور اس کی حقیقی روح کو باقی رکھنے کے لیے پیغمبر کی سنت کا محفوظ رہنا اور اس کی اطاعت کے جذبے کا باقی رہنا بے حد ضروری ہے۔ اس لیے قرآن کریم نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت اور اتباع پر یہاں تک زور دیا

کہ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْلَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ (اے پیغمبر ان سے کہہ دیجیے اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو پھر میری پیروی کرو' اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا)۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ

اولوالامر سے کون مراد ہیں؟

اولوالامر سے امراء مراد ہیں حضرت ابوہریرہ (رض) نے یہی فرمایا، اور حضرت ابن عباس اور حضرت جابر (رض) نے فرمایا ہے کہ اولوالامر سے فقہا اور علماء مراد ہیں جو لوگوں کو دینی احکام سکھاتے ہیں۔ حضرت حسن اور حضرت مجاہد (رح) کا بھی یہی قول ہے اور حضرت عکرمہ (رض) نے فرمایا کہ اولوالامر سے حضرت ابوبکر و عمر (رض) مراد ہیں۔ اور حضرت عطاء نے فرمایا کہ اس سے مہاجرین و انصار اور تابعین بالاحسان مراد ہیں۔ (ذکرہ البغوی فی تفسیرہ صفحہ ۴۴۴، ۴۴۵: ج ۱)

مفسر ابن کثیر صفحہ ۵۱۸: ج ۱ میں فرماتے ہیں: والظاھر واللہ اعلم انھا عامۃ فی کل اولی الامر من الامراء والعلماء

(یعنی بظاہر آیت شریفہ کا عموم تمام اولی الامر کو شامل ہے امراء اور علماء بھی اولی الامر ہیں) اور وجہ اس کی یہ ہے کہ علماء کے ہاتھ میں نظام دین ہے ان کی فرمانبرداری بھی ضروری ہے اور امرا کے ہاتھ میں نظام حکومت ہے دونوں فریق کی فرمانبرداری سے دین کے تمام شعبوں پر عمل ہو سکتا ہے اور اتحاد باقی رہ سکتا ہے۔

اطاعت جو اسلامی نظام میں مسلمانوں پر لازم ہے وہ اولوالامر کی اطاعت ہے جو خود مسلمانوں میں سے ہو۔ اس آیت کریمہ میں غور فرمایئے اللہ اور رسول کے ساتھ تو مستقلاً اطیعوا کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت مستقل بالذات ہے لیکن اولوالامر کے ساتھ مستقل اطیعو کا ذکر نہیں کیا گیا اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اولوالامر کی اطاعت مستقل بالذات نہیں ہے' بلکہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے ماتحت ہے۔ وہ کوئی ایسا حکم نہیں دے سکتے جو اللہ اور رسول کے احکام سے متصادم ہو یا ان کے مزاج اور روح سے ہٹا ہوا ہو۔

حقیقی نظام

حقیقی نظام وہی شورائی ہے کہ شوریٰ ایک فرد کا محاسبہ کرے اور اس کو سیدھا رکھے اور پوری عوام کو اس سے بالکل الگ رکھا جائے۔ اس وقت دونوں نظام پھنسے ہوئے ہیں نظام معیشت بھی اور نظام حکومت بھی لیکن ان دونوں کا صحیح حل صرف اور صرف قرآن کریم کی تعلیما ت ہی سے ممکن ہے دیکھتے ہیں کہ وہ وقت کب آتا ہے۔ تاہم اب فطرت کا تقاضا ہے کہ اس کو موقع دیا جائے۔

اسلام اور جمہوریت

اسلام واحد ایسا دین ومذہب ہے جو انسانی فطرت وعین عقل کے مطابق ہے۔اسلام کی اس خوبی اور ہماگیریت کی وجہ سے مستشرقین پریشان ہوگئے اور انہوں نے یک زبان ویک ذہن ہو کر اسلامی تعلیمات کے خلاف یلغار کردی ،اور انہوں نے سب سے پہلا حملہ مسلمانوں کے اقتدار پر کیا ،جن کو جنگ کے ذریعہ جیت سکتے تھے ان کو جنگ کے ذریعہ حاصل کیااور جو ان کے قبضہ میں نہ آسکے وہاں کی عوام میں بغاوت کے بیج بو کر جمہوریت کا سبز باغ دکھا کر وہاں جمہوری نظام نافذ کرادیا، چنانچہ اس وقت تقریباًپوری دنیامیں جمہوری نظام نافذ ہےاور جہاں جمہوری نظام نہیں ہے لیکن جمہوری نظام سے متاثر ضرور ہیں ،اس طرح سے آج جمہوریت زمانہ کی مجبوری اور ضرورت بن گئی ہے۔

مستشرقین کے زعم باطل کے مطابق یہ ان کی ایک بڑی کامیابی ہے،لیکن یہاں بھی ان کو منہ کی کھانی پڑی ،اسلام کیونکہ انفرادیت کی تعلیم نہیں دیتاتاسب کوساتھ لیکر چلنے کی دعوت دیتاہے، زمانہ کی ضرورت بن جانا واقعی یہ اسلام کاایک اہم پہلواور تقاضا ہے۔مگر اس کے یہ معنٰی ہر گز نہیں کہ اسلامی تعلیمات کو بھلا دیا جائے ،اسلامی عقائد اور اساسی حقائق کو گئے گزرے دور کا موضوع بنا دیا جائے،اللہ اور بندے کے درمیان ایک دیوار کھڑی کردی جائے۔اور اللہ تعالیٰ کو حاکم اعلیٰ نہ مان کر بندوں کو ہی وہ مقام دیدیا جائے ،اسلام میں ایسے نظام کی کوئی گنجائش نہیں۔

اسلام کو کسی خطہ خاص یا طبقہ خاص تک محدود نہیں رکھا۔بلکہ اسلام سب کی رہنمائی کرتا ہےاور سب کو اپنے دامن عافیت میں جگہ دیتا ہے ،اسلام تمام افکاروں تمام قوموں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے،اسلام محکوم نہیں بلکہ حاکم ہے،اسلام کسی کا پابند نہیں سب کو اپنا بند بنایاتا ہےاور سب کوساتھ لیکر چلنے کا قائل ہے۔

چین وعرب ہمارا ہندوستاں ہمارا

مسلم ہیں ہم وطن ہیں سارا جہاں ہمارا

دین جمہوریت سے جدانہیں

موجودہ دور میں مذہب خاص کر مذہب اسلام موضوع سخن بنا ہوا ہے، کہ اسلام اور جمہوریت دوجداگانہ نظام ہیں ،اور اسلام اس جمہوری دور میں عصری تقاضوں کے ہم آہنگ نہیں ہے۔جب کہ ایسانہیں ہے۔مذہب ایک قلبی طور پر محسوس ہونے والاایک حقیقی اور پر اثر احساس ہے ایک ایسی چیز جس کا تعلق زندگی کے تمام پہلوؤں کے ساتھ ہے۔دوسری طرف ایک فلسفیانہ نظام ہے جو انسان کو مذہب بیزاری سکھاتا ہے،ان کے یہاں سماجی اور معاشی تصور الگ ہیں۔جس کو یہ جمہوریت کے نام سے پکارتے ہیں۔اور اسلام کو اینٹی جمہوریت یا جمہوریت مخالف تصور کرتے ہیں۔اور اسلاو جمہوریت کا موازنہ کرتے ہیں۔جبکہ اسلام کا کسی جمہوریت یا کسی دوسرے سیاسی سماجی معاشی نظام سے موازنہ نہیں کیا جاسکتا۔اسلام کا مرکزی نقطہ نظر زندگی کے ناقابل تبدیل پہلوؤں سے ہے، جبکہ سیاسی اور سماجی اور معاشی نظام کا تعلق زندگی کے تغیر پذیر پہلوؤں سے ہے۔

جمہوریت ایک بتدریج فروغ پانے والا اصلاحی نظام ہے جو مختلف حالات میں حالات کی مناسبت سے تغیر پذیر ہے، جب کہ اسلام کے اپنے مستقل پائیدار اور جامع اصول ہیں جن کا دائرہ کار انسان کے اعمال عقائد ایمان عبادات اخلاقیات اور معاملات سے ہے، اور یہ ناقابل تبدیل اصول ہیں۔

اسلام میں شخصی آزادی یا جمہوریت:

اسلام میں انفرادی اور شخصی آزادی کافی اہمیت کی حامل ہے یہی ایک ایسا پہلو ہے جو تھوڑی بہت جمہوریت سے مماثلت رکھتی ہے۔ اسلامی دستور کے مطابق ہر ایک شخص کو خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم سب کو، مذہب، عقیدہ، تنظیم، وغیرہ کی کھلی اجازت دیتا ہے، بشرطیکہ وہ مفاد عامہ میں ہو، اور اس سے شر وفساد نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا ۚ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿٦٤﴾ (مائدہ ٦٤)

اور یہ ملک میں فساد کے لیے دوڑے پھرتے ہیں اور خدا فساد کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا

اس لئے اسلام ایک پر امن زندگی کی ضمانت اور حکم دیتا ہے۔ اسلام جمہوریت کے اس پہلو سے بالکل ہم آہنگ ہے بلکہ جمہوریین نے یہ اصول اسلام سے ہی اخذ کیا ہے۔ اسلام مساوات اخوت و بھائی چارگی کی تعلیم دیتا ہے اور یہی جمہوریت کا نعرہ ہے۔ قرآن فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ ﴿﴾

ترجمہ: لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا (یعنی اول) اس سے اس کا جوڑا بنایا۔ پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد و عورت (پیدا کرکے روئے زمین پر) پھیلا دیئے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ (القرآن)

ترجمہ: اے لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت (آدم وحوا) سے بنایا اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا (محض اس لئے کیا) تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سب سے بڑا شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا اور پوری خبر رکھنے والا ہے۔

اس طرح اسلام مساوات کی تعلیم دیتا ہے، اسلام یہ بات بھی تسلیم کرتا ہے کہ افراد اور گروہوں کو بعض بنیادی حقوق شہری آزادیاں ہونی چاہئیں اس بنیادی بات کی حد تک اسلامی تصور اور موجودہ جمہوریت باہم متفق ہیں۔ جہاں تک اسلام اور جمہوری نظام کا تعلق ہے، وہ درج ذیل ہے۔

حرمت جان یا جینے کا حق، عزت آبرو کی حفاظت، خصوصاً ناموس خواتین کی حفاظت، بنیادی ضروریات زندگی کی حفاظت و ضمانت، عدل و انصاف کے حصول کا حق، نیکی میں تعاون اور بدی میں عدم تعاون کا حق، مساوات کا حق، ظالم کی اطاعت سے انکار معصیت سے اجتناب، شخصی آزادی، نجی زندگی کا تحفظ، اخلاقی حقوق کی پاسداری، اظہار رائے کی آزادی، مذہبی آزادی، مسلک کی آزادی۔ عبادات کی آزادی وغیرہ یہ سب وہ اصل ہیں جو جمہوریت کے اصول ہیں، یہاں تک اسلام اور جمہوریت میں کوئی فرق نہیں۔

اسلام کا شورائی (جمہوری) نظام:

نظام کی اہمیت اور تقدس کا یہ عالم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب مقدس قرآن مجید کی ایک مکمل سورت کا نام ہی "سورۃالشوریٰ" ہے اور اس میں مسلمانوں کے شورائی (جمہوری) طرزِ حکمرانی کو عبادات اور اخلاق جیسے اوصافِ مومنانہ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ کسی کی رائے سے اختلاف رکھنے والے کو مکمل طور پر برداشت کرنا' اس کی بات پر توجہ دینا' یعنی حزب اختلاف (اپوزیشن) کو مطمئن کرنا اور اکثریت کے فیصلے کا پورا پورا احترام کرنا اور از روئے قرآن و سنت اور آثارِ صحابہ واجب ہے۔ جبکہ سورۃ آلِ عمران کی (۱۵۹) نمبر آیت میں مشورہ لینے کے حکم کے ساتھ عزم اور توکل کے حکم میں بھی دراصل اشارہ اسی بات کا ہے کہ اکثریت کی رائے سے جو فیصلہ طے ہو جائے اسے عزم بالجزم کے ساتھ نافذ کر دیا جائے اور نتائج کے سلسلے میں اللہ کی ذات پر توکل اور بھروسہ کیا جائے اور یہی اسلامی جمہوریت کا امتیاز اور مطلوب و مقصود بھی ہے۔ اگر اسلام کا منشا قیام حکومت یا سیاسی نظام نہ ہوتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے خلفائے راشدین ایک منفرد حکومت قائم کرکے دنیا بھر کی فتوحات اور تسخیر کے لیے قافلہ در قافلہ نہ نکلتے اور بادشاہانِ وقت کے ساتھ خارجی روابط اور دعوتِ اسلام کے لیے سُفراء اور رسائل نہ ارسال کرتے اور نہ ہی امت کو بالخصوص اصولِ حکمرانی تلقین فرمائے جاتے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اسلام جن سیاسی قدروں اور جس طرزِ حکمرانی کا علمبردار ہے وہ نہ صرف جمہوری اقدار اور جمہوری طرز کی حکمرانی ہے بلکہ وہ عصرِ حاضر کی صدارتی و پارلیمانی جمہوریت سے افضل اور انسانیت کے لیے زیادہ نفع بخش بھی ہے۔ اسلام کی جمہوری قدریں دراصل عادلانہ قدروں سے عبارت ہیں اور یہ عدل کو تقویٰ سے وابستہ کرتا ہے۔ عدل دراصل احترامِ آدمیت مساوات اور خدمت انسانیت کی زندہ و نمائندہ علامت ہے اسی لیے اسلام جن جمہوری اقدار کو پروان چڑھانا چاہتا ہے ان میں عدل و انصاف کو اولیت حاصل ہے۔ چنانچہ اسلام کی (قرآن میں) اس ضمن میں کچھ خاصی اصطلاحات ہیں جنہیں ہم اسلامی اصطلاحاتِ جمہوریت کا نام دے سکتے ہیں۔ ان اصطلاحات میں (علماء کونسل) ایتمار (باہمی مشورہ)، خلیفہ (جائز نمائندہ)، استفتاء (استصوابِ رائے یا ریفرنڈم)، مبایعت (عوامی تائید) شوریٰ (قومی اسمبلی) وغیرہ۔

الغرض ہر ملک کے جمہوری نظام کی مختلف ضروریات اور کیفیات ہوتی ہیں۔ جن کو باہمی مشورے سے طے کیا جاتا ہے۔

اسلام کا شورائی نظام:

تو ان تینوں طریقوں کو سامنے رکھتے ہوئے ایک لائحہ عمل مرتب یا جاسکتا ہے اب وہ لائحہ عمل جو مرتب کیا جائے گا اس کو ہم شورائی نظام کہیں گے اس کے لیے جمہوریت کا لفظ اس لیے استعمال نہیں کریں گے کہ جمہوریت کا معنی آج یہی ہے کہ ہاتھ گنتی کرو کہ ہاتھ کتنے کھڑے ہوتے ہیں

جدہر ہاتھ زیادہ کھڑے ہوگئے بس اس کے مطابق فیصلہ دے دو یہ نہیں دیکھنا کہ ہاتھ کھڑا کرنے والا کچھ سمجھتا بھی ہے کہ نہیں سمجھتا وہی بات جو میں نے پہلے عرض کی کہ ایک انسان کا فکر دو سو گدھوں کے دماغ میں نہیں آسکتا اس لیے تم کسی انسان کے پیچھے لگو گدھوں کے پیچھے لگنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اور اگر صرف افراد کو گننا مراد ہو تو قرآن صراحتا کہتا ہے ان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل اللہ۔ اگر زمین کے اندر بسنے والوں کی اکثریت کی رائے مانوگے تو یہ تمہیں سیدھے راستے سے بھٹکا دیں گے وجہ یہی ہے کہ اکثریت متبع شیطان ہے اور اہل حق سمجھ دار قسم کے لوگ نیک دین دار ہمیشہ کم ہوا کرتے ہیں تو جس قسم کا مسئلہ پیش ہو جائے اس قسم کے لوگوں کی رائے لینی چاہیے اور ان میں سے پھر اکثریت کا اصول نکالا جاسکتا ہے لیکن جمع سارے کے سارے سمجھ دار ہونے چاہئیں اور سمجھ داروں کی جو رائے ہوگی ساری امت کی ترجمانی سمجھی جائے گی اور اس کا نام اسلام شورائی نظام رکھتا ہے۔

شورائی نظام حکومت :

باوجود اس کے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) صاحب الہام ووحی ہیں، ہر آن مظہر مہبط انوار و تجلیات ہیں، مجبور ہیں کہ نظام حکومت شورائی رکھیں، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا نطق، نطق خدا ہے، پھر بھی خطاکاروں سے مشورہ طلبی کا حکم ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اسلام بہر حال ایک ایسے نظام حکومت کا مؤید ہے جس میں تمام قوم کے جذبات وخیالات کی صحیح صحیح ترجمانی ہو۔

یورپ آج جمہوریت کے تخیل کو وضع کرسکا ہے اور اس میں بھی صدہا نقائص ہیں، مگر اسلام آج سے تیرہ صدیاں پہلے اس حقیقت کو بیان کرچکا ہے۔

صدر شورائیہ کے اختیارات :

(آیت) " فاذا عزمت فتوکل علی اللہ "۔ میں رسول خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مخاطب فرمایا ہے، یعنی مشورہ طلبی کا مطلب صرف یہ ہے کہ قوم کے خیالات معلوم کئے جائیں، مگر آخری اختیارات آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو حاصل ہیں۔

اس سے موجودہ نظام جمہوریت کا بنیادی نقص واضح ہے یعنی امیر جماعت یا خلیفہ صرف نمائندہ ہی نہیں ہوتا، بلکہ قائد بھی ہوتا ہے، اس لئے صرف کام لینا چاہیے موجودہ نظام میں سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ صدر محض نمائندہ ہوتا ہے اور اس طرح ووٹ دیانتداری پر مبنی نہیں ہوتے، محض پارٹی بازی کے لئے ووٹ بڑھائے جاتے ہیں، صدر کو آخری اختیارات تفویض کردینے کے معنی یہ ہیں کہ پارٹی بازی ختم ہو جائے گی،

تبصرہ:

ان سب طریقوں کو سامنے رکھتے ہوئے ایک لائحہ عمل مرتب یا جاسکتا ہے اب وہ لائحہ عمل جو مرتب کیا جائے گا اس کو ہم شورائی نظام کہیں گے جمہوریت کا معنی آج یہی ہے کہ ہاتھ گنتی کرو کہ ہاتھ کتنے کھڑے ہوتے ہیں جدھر ہاتھ زیادہ کھڑے ہوگئے بس اس کے مطابق فیصلہ دے دو یہ نہیں دیکھنا کہ ہاتھ کھڑا کرنے والا کچھ سمجھتا بھی ہے کہ نہیں۔

اہل حق سمجھ دار قسم کے لوگ نیک دین دار ہمیشہ کم ہوا کرتے ہیں تو جس قسم کا مسئلہ پیش ہو جائے اس قسم کے لوگوں کی رائے لینی چاہیے اور ان میں سے پھر اکثریت کا اصول نکالا جاسکتا ہے لیکن جمع سارے کے سارے سمجھ دار ہونے چاہئیں اور سمجھ داروں کی جو رائے ہوگی ساری امت کی ترجمانی سمجھی جائے گی اور اس کا نام اسلام شورائی نظام رکھتا ہے۔

مشورہ کی ضرورت اور اہمیت:

اس سے مشورے کی اہمیت اور ضرورت ظاہر ہوئی اور یہ بھی پتہ چلا کہ جب سید الاولین والآخرین (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مشورہ سے مستغنی نہیں تو آپ کے بعد ایسا کون ہو سکتا ہے جو مشورہ سے بے نیاز ہو، آئندہ آنے والے امراء اور اصحاب اقتدار اور امت کے کاموں کے ذمہ دار جو بھی آئیں سب کے لیے مشورہ کرنے کی ضرورت واضح ہو گئی۔ مشورہ میں بہت خیر ہے جو اصحاب رائے ہوں خواہ عمر یا مرتبہ میں چھوٹے ہی ہوں ان کو مشورہ میں شریک کرنا چاہیے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ مشورہ کرنے کی صورت میں مختلف رائیں سامنے آجاتی ہیں۔ ان رایوں کے درمیان سے کسی مناسب ترین رائے کو اختیار کر لینا آسان ہوتا ہے۔ بعض مرتبہ بڑے کی نظر سے وہ گوشے اوجھل رہ جاتے ہیں جو چھوٹوں کی سمجھ میں آجاتے ہیں۔ تمام گوشے سامنے آنے سے کسی پہلو کو اختیار کرنے میں بصیرت حاصل ہو جاتی ہے۔ حضرت انس (رض) سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا ماخَابَ مَنِ اسْتَخَارَ وَلَا نَدِمَ مَنِ اسْتَشَارَ (یعنی جس نے استخارہ کیا وہ ناکام نہ ہوگا۔ اور جس نے مشورہ کیا اسے ندامت نہ ہوگی)۔ (ذکرہ الہیثمی فی مجمع الزوائد)

خانگی امور میں اور اداروں کے معاملات میں مشورے کرتے رہنا چاہیے جن لوگوں سے مشورہ کیا جائے ان کی ذمہ لازم ہے کہ وہ وہی رائے دیں جسے اپنی دیانت سے فیما بینھم و بین اللہ صحیح سمجھتے ہوں۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ارشاد ہے ان المستشار مؤتمن (یعنی جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امانت دار ہے) (اخرجہ الترمذی فی ابواب الزہد وابن ماجہ فی کتاب الادب)

اگر کوئی شخص اپنے ذاتی معاملہ میں مشورہ کرے تب بھی اسے وہی مشورہ دے جو اس کے حق میں بہتر ہو۔ سنن ابو دواؤد میں ہے کہ آنحضرت سرور عالم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ من اشار علی اخیہ بامر یعلم ان الرشد فی غیرہ فقد خانہ (جس نے اپنے بھائی کو کوئی ایسا مشورہ دیا جس کو وہ سمجھتا ہے کہ مشورہ لینے والے کی بہتری دوسری رائے میں تھی جو پیش نہیں کی گئی تو اس نے خیانت کی) (رواہ ابو داؤد فی کتاب العلم) اور حضرت علی (رض) سے اس کا قاعدہ کلیہ مروی ہے جسے علامہ سخاوی نے المقاصد الحسنہ صفحہ ۳۸۳ میں نقل کیا ہے اور وہ یہ کہ فاذا استشیر احد کم فلیشر بماھو صانع لنفسہ (کہ جب کسی سے مشورہ طلب کیا جائے تو وہ مشورہ دے جسے وہ اپنے لیے اختیار کرتا اگر وہ خود اس حال میں مبتلا ہوتا جس میں مشورہ لینے والا مبتلا ہے) اور یہ مضمون اس حدیث کے مطابق ہے جس میں افضل الایمان بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ ان تحب للناس ماتحب

لنفسک وتکرہ لھم ماتکرہ لنفسک (یعنی یہ کہ تو لوگوں کے لیے اسی کو پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے لوگوں کے لیے اس چیز کو ناپسند جانے جس کو اپنے لیے ناپسند جانتا ہے) (مشکوۃ المصابیح صفحہ ١٦)

مشورہ کی شرعی حیثیت :

مشورے کا حکم دینے کے بعد فرمایا (فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَوَکِّلِیْنَ) (پھر جب آپ پختہ عزم کرلیں تو اللہ پر توکل کیجیے بیشک توکل کرنے والے اللہ کو محبوب ہیں) مطلب یہ ہے کہ مشورے کے بعد آپ جب کسی جانب کو طے فرما کر عزم کرلیں تو اللہ پر بھروسہ کیجیے اور اپنے عزم کے مطابق عمل کیجیے۔ اس میں یہ بات ظاہر ہے کہ مشورہ کرنے کے بعد آپ کو سب کے یا کسی ایک کے مشورے کا پابند ہونا ضروری نہیں۔ جس طرف آپ کا رجحان ہو اس پر عمل کرلیں اس میں مشورہ دینے والوں کو بھی دلگیر ہونے کی ضرورت نہیں مشورہ دینا اور لینا ضائع نہیں ہے کیونکہ اس میں ہر شخص کو غور و خوض کرنے اور اپنی رائے پیش کرنے کا ثواب مل چکا ہے اب آپ جس رائے کو مناسب جانیں (اور رایوں میں اپنی ذاتی رائے بھی ہے) اس پر عمل فرمائیں۔

حضور (علیہ الصلوۃ والسلام) کے ارشاد عالیہ کتب احادیث بخاری و مسلم وغیرہ میں مرتب شکل میں دستیاب ہیں ان میں نظام حکومت کا مکمل خاکہ موجود ہے۔ خلفاء راشدین کے نظام حکومت کی تفصیلات موجود ہیں۔ شاہ ولی اللہ کی ازالتہ الخفاء اور دیگر کتب میں دستور مملکت موجود ہے۔ مگر آپ اس کو چھوڑ کر غیروں کے نظام تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اتنا عرصہ گزرنے کے باوجود اسلام کے نام پر قائم ہونے والے پاکستان میں ابھی تک انگریز کا قانون نافذ ہے۔ قوانین دیوانی و فوجداری، تجارت و معیشت وغیرہ سب انگریزی قانون ہیں انگریز کے زمانہ میں ان قوانین کو قبول کرنا تو ہماری مجبوری تھی، اب کیا تکلیف ہے ہم اسلامی نظام کیوں نافذ نہیں کرسکتے کیا کارپرداز ان حکومت کو اسلام کے قوانین و نظریات پر اعتماد نہیں ہے۔ اگر اعتماد ہوتا تو انگریزی قوانین پہلے دن سے تبدیل کردیئے جاتے۔

مسلم حکومتوں کا غلط طریق کار :

مسلمانوں کی حکومتیں ہیں صاحب اقتدار اسلام کے دعویدار ہیں اسمبلی میں قانون بناتے ہیں تو یورپ کے طرز حکومت کو سامنے رکھتے ہیں قرآن و حدیث کو سامنے نہیں رکھا جاتا، یورپین حکومتوں نے جو قوانین بنا رکھے ہیں انہیں میں کچھ رد و بدل کرکے قوانین نافذ کردیتے ہیں۔ حدود اور جنایات کے احکام شریعت کے مطابق نافذ کرنے کو کہا جاتا ہے تو کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں دیت اور قصاص کا قانون نافذ کرنے کے لیے کہا جاتا ہے تو بات سننے کو تیار نہیں۔ کسی ملک میں اقتدار مل جاتا ہے تو دشمنوں کو خوش کرنے کے لیے اعلان کرتے ہیں کہ ہمارا طریقہ کار نیشنل ازم ہوگا کوئی ملک اعلان کرتا ہے کہ ہم کمیونزم اور سوشلزم جاری کریں گے کچھ لوگ مغربی جمہوریت کے دلدادہ ہیں اور کچھ لوگ لادینی حکومت بنانے کا اعلان کرنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں اور اسلامی نظام نافذ کرنے سے شرماتے ہیں۔ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے یہ طور طریق کہاں تک زیب دیتا ہے۔ ایمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر چلیں اور عوام کو بھی چلائیں۔

موجودہ مغربی جمہوریت اور اسلامی ریاست کا فرق

موجودہ مغربی جمہوریت اور اسلامی ریاست کے درمیان کئی وجہ سے فرق ہے جس کو ہم یہاں اختصار سے بیان کررہے ہیں :

(۱) مغربی جمہوریت میں طاقت کا سرچشمہ عوام ہے، جب کہ اسلام میں اقتدار اور حاکمیت صرف اللہ کی ہے، سربراہ مملکت صرف اللہ اور اس کے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے احکام نافذ کرنے کا مجاز ہے۔

(۲) مغربی جمہوریت میں قانون وضع کرنے کی اتھارٹی اور معیار "اکثریت" ہے اور اسلام میں معیار "حق" ہے جس کا فیصلہ امام اور مستند علماء کتاب، سنت، اجماع اور اقوال مجتہدین کی روشنی میں کریں گے۔

(۳) مغربی جمہوریت میں مدت انتخاب پوری ہونے کے بعد یا اس سے پہلے اکثریت کے فیصلہ کی بناء پر سربراہ مملکت کو معزول کیا جاسکتا ہے، اس کے برخلاف اسلام میں سربرہ مملکت اس وقت تک اپنے عہدے پر قائم رہے گا جب تک وہ اسلام پر قائم ہے۔

(۴) جمہوری طریقہ انتخاب میں عہدہ دار کو منتخب کرنے کے لئے کوئی معیار نہیں اور ہر کس وناکس کو ووٹ دینے کا حق ہے جب کہ اسلام میں یہ حق صرف ارباب حل وعقد کو حاصل ہے۔

(۵) جمہوری طریقہ انتخاب میں عہدہ کے امیدوار کے لیے کوئی معیار نہیں ہے۔ تعلیمی اہلیت اور صالحیت کی کوئی شرت نہیں ہے جس کے نتیجہ میں عورت ہو یا مرد، پڑھا لکھا ہو یا جاہل، نیک ہو یا بدمعاش، پیسے اور اثر ورسوخ کے زور پر اسمبلی میں پہنچ کر قانون ساز اتھارٹی کا ممبر بن جاتا ہے، اسی طرح وزارت عظمیٰ کے امیدوار کے لیے بھی کوئی معیار نہیں ہے اور قومی اسمبلی میں پہنچنے والا ہر ممبر وزارت عظمیٰ کے لیے کھڑا ہو سکتا ہے، دفتر میں کلرک بھرتی ہونے کے لیے بھی کم از کم میٹرک پاس ہونے کا معیار ہے اور ملک کے اتنے بڑے عہدے کے لیے کوئی معیار نہیں رکھا گیا، اس کے برخلاف اسلام میں سربراہ مملکت کے لیے شرائط مقرر کی گئی ہیں جن کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

(۶) مغربی جمہوریت کے طریقہ انتخاب میں امیدوار اپنے آپ کو منصب کے لیے پیش کرتا ہے اور اس کے لیے کنویسنگ کرتا ہے جب کہ اسلام میں منصب کو طلب کرنا جائز نہیں ہے، اس کی تفصیل انشاء اللہ آئندہ ابواب میں آئے گی۔

ہر چند کہ مغربی جمہوریت اور اس کا طریقہ انتخاب متعدد وجوہ سے اسلامی احکام کے خلاف ہے، لیکن اگر اس طریقہ سے کوئی شخص منتخب ہو کر حکمران بن جاتا ہے تو اس کی حکومت صحیح ہوگی جس طرح متغلب کی حکومت صحیح ہوتی ہے اور اس کے جو احکام شریعت کے خلاف نہ ہوں ان میں اس کی اطاعت لازم ہوگی۔

عام جمہوری ملکوں کی اسمبلیاں اور ان کے ممبران بالکل آزاد وخود مختار ہیں، محض اپنی رائے سے جو چاہیں اچھا یا برا قانون بنا سکتے ہیں، اسلامی اسمبلی اور اس کے ممبران اور منتخب کردہ امیر سب اصول و قانون کے پابند ہیں اس اسمبلی یا مجلس شوری کی ممبری کے لئے بھی کچھ شرائط

ہیں اور جس شخص کو یہ منتخب کریں اس کیلئے بھی کچھ حدود و قیود ہیں پھر ان کی قانون سازی بھی قرآن وسنت کے بیان کردہ اصول کے دائرہ میں ہوسکتی ہے اس کے خلاف کوئی قانون بنانے کا ان کو اختیار نہیں۔

باب

نظام کے فوائد

آج کل دنیا کے ممالک کو کئی درجوں میں تقسیم کیا جاتا ہے بعض ترقی یافتہ ہیں ، بعض ترقی پذیر ہیں اور بعض پسماندہ ہیں ۔ ان ممالک کے معاشرتی، معاشی ،اور سیاسی نظام بھی مختلف ہیں ۔

نظام کا مطالعہ کرتے وقت وہاں کے شہریوں کی نفسیاتی کیفیات روایت اور طرز عمل کو سمجھنے پر زور دیتے ہیں اس نقطہ کی وضاحت یوں کی جاسکتی ہے۔ کہ ایک پاکستانی عالم اسلام میں ہونیوالے ہر واقعہ اور تبدیلی سے لازماً متاثر ہوتا ہے۔ للذا پاکستان کے سیاسی نظام کو سمجھنے کے لئے اس طرز عمل کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ کشمیر کا مسئلہ ہو یا فلسطین کا حکومت کو شہریوں کے رجحان کو پیش نظر رکھنا پڑتا ہے۔ایک حکومت اس فرق کو اگر سامنے رکھ کر سیاسی اداروں کے فرائض کا تعین کرتی ہے تو وہ صحیح سمت کی طرف رواں ہے۔ جدید حکومتوں کی کامیابی کے لئے کسی سیاسی نظام کو چلانے کے لئے شہریوں کے طرز عمل اور ردعمل کا مطالعہ کرنا ہوگا، للذا علم سیاسیات کے محققین کے لئے یہ ایک نیا موضوع ہے۔

مگر سیاسیات اور بادشاہت پر مبنی دونوں قسم کے اسلامی ممالک دنیا ہمہ وقت متعدد مسائل کا شکار ہے۔ دشمنان اسلام کی طرف سے تخلیق کردہ مسائل سے تو ہر کوئی باخوبی علم رکھتا ہے۔ مگر ہم اپنے پاؤں پر ماری جانے والی اپنی کلہاڑیوں کو پہچاننے سے کتراتے ہیں۔ دین اسلام کے دشمن تو اول روز سے ہی نت نئی سازشوں اور پریگنڈہ میں مصروف ہیں۔ماضی کے ادوار سے بھی اس بات کا باخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ہمیں حضور اکرم ﷺ کے دور سے سیکھنے کی ضرورت ہے۔آپ ﷺ نے راہزنوں اور لٹیروں کو کیسے مہذب قوم بنایا۔آپ ﷺ کی تعلیمات ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔آج ہم آپ ﷺ کی تعلیمات پر مکمل عمل پیرانہیں اسی بدولت دشمنوں کی سازشوں میں پھنستے چلے جارہے ہیں۔آپ ﷺ کے دور اور صحابہ اکرم رضی اللہ کے ادوار میں مسلمان مٹھی بھر تھے۔ مگر ان کے حوصلے اور ایمان پختہ تھے۔اللہ نے اس وقت کے حقیقی مسلمانوں کو مدد فراہم کی اور یوں اسلام دنیامیں پھیلتا گیا۔

موجودہ دور میں ہم عمل و کردار سے تو کوسوں دور ہیں۔ ہمارے کردار میں میں مسلمانوں کی جھلک دکھائی نہیں دیتی۔ ہمارے ایمان کی بات کی جائے تو وہ بھی کمزور ہو چکا ہے۔ ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان تو رکھتے ہیں مگر عمل اس کے خلاف کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ہم زوال کا شکار ہو رہے ہیں۔ جب ہمارے ایمان ہی پختہ نہیں ہوں گے اور ہم خود اپنی بھلائی کا نہیں سوچیں گے۔ایسے میں اللہ ہماری رہنمائی کیسے کرے گا۔

اسلام ضابطہ حیات ہی اصل نظام زندگی ہے

جمہوریت وغیرہ ایسے لوگوں کی اس سعی نامشکور کا مقصد یہ رہا ہے کہ وہ اسلام کی ترقی یافتہ تعبیر کرکے اس طرح اسلام کی خدمت کرنا چاہتے ہیں ۔ذرا غور کیجئے اشترا کیت ایک اجتماعی اور اشتراکی نظام ہے اور یہ خالص انسانوں کا بنایا ہوا ہے۔اس کے اندر کچھ چیزیں درست بھی ہوسکتی ہیں اور کچھ غلط بھی ہوسکتی ہیں۔اسی طرح جمہوریت بھی ایک نظام حکومت اور نظام زندگی ہے۔یہ جمہوری نظام خود انسانوں کی سوچ اور فکر کے نتیجے میں بنایا گیا ہے۔اس میں بعض چیزیں درست بھی ہوسکتی ہیں اور غلط بھی ہوسکتی ہیں۔ان کے مقابلے میں اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے اور یہ نظریاتی افکار ایک اجتماعی سوشل نظام ایک علیحدہ اقتصادی نظام اور ایک ممتاز عملی اور انتظامی ڈھانچے پر مشتمل ہے اور یہ نظام اللہ بنایا ہوا نظام ہے۔اس کے اندر نہ کوئی نقص پایا جاتا ہے نہ کوئی عیب ہے۔لہٰذا جو شخص تو وہ شخص اسلام کے حوالے سے درست موقف کا حامل نہیں ہے۔یا اس پر ایسے اقوال منطبق کرتا ہے جو انسانوں کے اعمال ہیں۔

یہ لوگ مغرب کی آزاد فکر کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں جو اسلامی طرز فکر سے اجنبی ہے۔یہ لوگ اپنی اس طرز فکر کی وجہ سے یورپ کے آزاد خیال مفکرین کو اہمیت دیتے ہیں۔اسی طرح یہ لوگ مغرب کے جمہوری اداروں ،بنیادی حقوق اور طرز حیات کو بنظر استحسان دیکھتے ہیں۔

نظام کی اقسام

نظام سیاست کا تعارف

سیاست کی تعریف:

سیاست عربی زبان کا لفظ ہے۔فیروز اللغات اور مرکزی اردو بورڈ کی لغت میں اس کے معنی ہیں۔بادشاہت کرنے کا طریقہ،نگہبائی،تنبیہہ کرنا لوگوں کو قصور وجرم کی سزا دینا۔دبدبہ ،رعب وغیرہ۔آکسفورڈ انسائیکلو پیڈیا ڈکشنری کے مطابق لفظ ((POlitic اسم صفت ہے ،جس کے معنی ہیں ((Secheming, Crafty , Prudent, Seagacious اور لفظ ((Politics اسم ہے ،جس کی تعریف یہ کی گئی ہے۔

Science and art of Government, political affairs or life. سیاسیات کو انگریزی میں ((Political Science کہتے ہیں۔لفظ یونانی زبان کے لفظ ((Polis سے ماخوذ ہے۔جس کے معنی شہر کے ہیں۔گویا سیاسیات وہ سائنس کا علم ہے جس کا تعلق شہر سے ہو۔کیونکہ شہر انسانوں نے بسائے اس لئے سیاسیات کا تعلق بھی انسانوں سے ہی ہے۔

سیاست کی ایک اور تعریف:

سیاست سے مراد ایک ایسا عمل ہے جس سے معاشرے کی معیشت، عدل وانصاف اور آزادی کے اصولوں کو فراہم کرنا ہے۔ سیاست ایک طریقۂ کار ہے جس کے ذریعے عوامی حلقوں کے مابین مسائل پر بحث یا کارروائی ہوتی ہے اور ریاستی فیصلے عوامی رائے عامہ کی مرضی کے مطابق کیئے جاتے ہیں۔ سیاست کی تعریف یوں بھی کی جاسکتی ہے کہ "ایک معاشرے کے بڑے بڑے مسائل ومشکلات کے بارے میں فیصلہ کرنا اور انکی تدبیر کرنا اور اس معاشرے کی مشکلات کو رفع کرنے، مختلف امور کو منظّم کرنے، منصوبہ بندی اور اسکے اجرا کو شامل کرنا ہے"۔ انسانی زندگی کے مختلف تاریخی ادوار نے ثابت کیا ہے کہ انسانی معاشرے سے وابستہ امور کی تدبیر اور سیاست پر خاص توجہ رکھنا چاہیے۔س

سیاست کے مقاصد :

اقتدار کے حصول کے لیے

حقوق کے حصول کے لئے

مذہبی اقدار کے تحفظ کے لئے

جمہوری روایات کے تحفظ کے لئے

سیاست کا پہلا بنیادی مقصد اقتدار کا حصول ہوتا ہے تاکہ عوام کو انکے حقوق ملتے رہیں، اپنے مذہبی اقدار کے تحفظ کو یقینی بنایا جائے اور جمہوری روایات کے مطابق ملک کا نظم ونسق چلایا جائے۔ ہر انسانی معاشرے میں ایک یا چند افراد سیاسی اقتدار کے حامل ہوتے ہیں اور اس کے اجتماعی امور کی تدبیر اور اجتماعی زندگی کے مختلف امور کو انجام دینا ان کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

نظام سیاست کی اقسام

نظام سیاست کا کام تو سلطنت، حکومت اور ملکی انتظام وغیرہ چلانا ہے لیکن سیاست فی الاصل وسیع معنی کی حامل اصطلاح ہے اور اگر سیاست کو ایک جملے میں بیان کرنا چاہئیں تو سیاست کے معنی مجموعی طور پر ریاستی نظام کو چلانے کے لیے کیے جانے والے اقدامات کے ہیں۔

نظام سیاست کے میدان میں قدم رکھنے کے بعد کسی جماعت کے پاس عملًا دو ہی راستے ہوتے ہیں یا یوں کہہ لیں کہ

نظام سیاست کی دو اقسام ہیں

انتخابی سیاست اور انقلابی سیاست۔

انتخابی سیاست اور انقلابی سیاست دونوں کی جدو جہد ملک و ریاست کے لیے ہوتی ہے لیکن دونوں اقسام میں واضح افراق پائے جاتے ہیں۔

انتخابی سیاست:

انتخابی سیاست کے معنی یہ ہیں کہ کسی جماعت کو ملک کے مجموعی نظام کی بنیادوں پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا بلکہ وہ اس بنیاد اور نظام کی قائل ہوتی ہے مگر وقت کے ساتھ ساتھ یا نااہل لوگوں کے اقتدار کی وجہ سے اس نظام میں کچھ خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں چنانچہ ایک سیاسی جماعت ان خرابیوں کی اصلاح کا منشور اور خود کو موجودہ قیادت کا متبادل بنا کر انتخابی میدان میں اترتی ہے۔

انقلابی سیاست

انقلابی سیاست میں کوئی جماعت رائج نظام یا نظریاتی اساس ہی کو باطل قرار دیتی ہے اور اس موجودہ نظام کے مقابل ایک نیا نظام متعارف کراتی ہے اور اسکا منشاء محض جزوی اصلاحات اور چہروں کے تبدیلی سے پورا نہیں ہوتا بلکہ اکی جدو جہد ایک نئے نظام کے قیام کے لیے ہوتی ہے۔

ایک سیاسی جماعت کو اپنے قیام کے لیے جہاں کچھ مادی ذرائع اور وسائل کی ضرورت ہوتی ہے ٹھیک وہیں پر ایک سیاسی جماعت کو اپنے قیام کے لیے کچھ نظری بنیادوں کی بھی ضرورت ہوتی۔ یہ نظری بنیاد جماعت کو منشور یا نظریے کی صورت میں میسر آتی ہے۔ منشور اور نظریہ میں بھی ان دونوں اقسام میں بنیادی فرق موجود ہے۔ منشور کو عام فہم زبان میں ایک اصلاحی پروگرام کہا جاسکتا ہے جو کے ریاست کو درپیش مسائل کے حل کا ایک مجموعہ ہوتا ہے اور صاحب منشور اس بات کا دعوے دار ہوتا ہے کہ اگر ہمیں اقتدار نصیب ہوا تو ہم فلاں فلاں اصلاحات کریں گے اور امور ریاست یوں یوں انجام دیں گے، جبکہ نظریہ دراصل ایک نئی بنیاد ہوتا ہے جس پر کہ ریاست کا مجموعی نظام تشکیل پانا ہوتا ہے، نظریہ ایک جامع پروگرام ہوتا ہے جو ایک نیا نظام پیش کرتا اور قریب قریب تمام شعبہ ہائے ریاست کا احاطہ کرتا ہے۔

نظریاتی اساس کے بعد جماعت کے لیے سب سے اہم کام تنظیم سازی اور کارکنوں کی تربیت ہوتا ہے۔۔انقلابی جماعتوں کے کارکنوں کی تربیت کا انتخابی سیاسی جماعتوں کے کارکنوں کی تربیت سے مختلف ہونا انقلابی سیاست کا فطری تقاضا ہے۔

انقلابی سیاست میں چونکہ موجودہ نظام کو چیلنج کیا جاتا ہے لہٰذا لازمی ہے کہ جماعت کے کارکنوں کو ایک طرف موجودہ نظام کے باطل ہونے کا یقین ہو اور دوسری طرف انہیں اپنے مجوزہ نظام سے بھی پوری پوری آگاہی ہو اور اپنے نظریے کی صداقت پر کامل یقین ہو۔انقلابی سیاست چونکہ مروجہ سیاسی طریقے کو ترک کر کہ ایک نیا طریقہ اپناتی ہے لہٰذا اسے تمام دوسری جماعتوں کی جانب سے مخالفت کا سامنا کرنا پڑھتا ہے۔

عوام کی اکثریت انتخابی سیاست سے ہی آشنا ہوتی ہے اور اکثریت کے لیے یہ طریقہ بالکل نیا طریقہ ہوتا ہے لہذا عوام کو اپنی جانب مائل کرنے کے لیے بھی انقلابی جماعت کے کارکنوں کو دوسری جماعتوں کے کارکنوں کے نسبت زیادہ محنت کرنا پڑتی ہے۔

انتخابی سیاست کی نسبت انقلابی سیاست میں جماعت کے کارکنوں سے ایک بڑی قربانی کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور عوام اس بڑی قربانی کے لیے تب ہی تیار ہو سکتے ہوں جب انکی تربیت بھی اسی طرح کی کی گئی ہو۔

جماعت کا نظریاتی اساس پر قیام، قیام کے بعد کارکنوں کی تربیت، تربیت کے بعد کارکنوں کی قابل ذکر تعداد، کارکنوں کی قابل ذکر تعداد سے عوامی جدو جہد کا مرحلہ شروع ہوتا ہے۔ اگرچہ کارکنوں کی تربیت بھی ایک طرح سے جدو جہد کا ہی ایک مرحلہ ہے لیکن ایک نئی جماعت کو شروع میں کچھ

ایسے کارکن ضرور ضرور ضرورت ہوتے ہیں جو تربیت مکمل کر کیبا قاعدہ جماعت کا حصہ بن چکے ہوں اور اب وہ جماعت کے پیغام کو ملک کے دوسرے علاقوں میں بسنے والے افراد تک پہنچائیں۔ جدو جہد سے یہ بھی مراد نہیں ہے کہ کارکنوں کی تربیت کا مرحلہ اس دوران رک جاتا ہے بلکہ اس عوامی جدو جہد کے ساتھ ساتھ کارکنوں کی تربیت کا مرحلہ پس منظر میں اسی شدت سے جاری رہتا ہے۔

انتخابی اور انقلابی جماعتوں کی جدو جہد میں بھی فرق ہے۔ انتخابی سیاسی جماعت کی جدو جہد عوام کو اپنے منشور سے آگاہ کرنا، موجوہ حکومت کی کمزوریوں سے آگاہ کرنا اور عوام کو انتخابات میں ووٹ دینے کے لیے قائل کرنا ہوتی ہے۔ انقلابی سیاسی جماعتوں کی جدو جہد کا بنیادی مقصد شہر شہر، نگر نگر، گلی گلی، گھر گھر اور فرد فرد تک اپنا پیغام پہنچانا ہوتا اور عوام کو اپنی جماعت میں شامل کرکے ایک بڑے مقصد کے لیے تیار کرنا ہوتا ہے۔ انقلابی سیاسی جماعت کی جدو جہد دراصل وقت کی قید سے آزاد ایک تحریک ہوتی ہے۔

جدو جہد کے بعد ہر انتخابی سیاسی جماعت کے زندگی میں فیصلہ کن دن آتا ہے جب اس جماعت کی کامیابی یا ناکامی کا فیصلہ ہوتا ہے اور اگر بالفرض جماعت کامیاب نہیں ہوتی یا مروجہ نظام میں اکثریت نہیں حاصل کر پاتی تو اس سے جماعت کو اگرچہ نقصان تو ہوتا ہے لیکن بہر حال دائمی نقصان نہیں ہوتا، اس لیے کہ ایسی جماعت اگلے انتخابات کی تیاری میں مصروف ہو جاتی ہے اور یہ موقع ایک انتخابی جماعت کو زندگی میں اتنی بار ملتا رہتا ہے جب تک وہ کامیاب نہ ہو جائے۔ انقلابی جماعت ایک طویل مدت تک یعنی دہائیوں تک تربیت اور جدو جہد کے مرحلے تک ہی محدود رہتی ہے اور پھر کہیں جا کر وہ اتنی طاقت حاصل کر پاتی ہے کہ وہ موجودہ نظام کی تبدیلی کے لیے میدان میں نکل آئے لیکن اگر بالفرض وہ اپنی اس کوشش میں ناکام ہو جاتی ہے تو جماعت کے پاس کسی جدو جہد کا کوئی موقع باقی نہیں رہتا بلکہ جماعت ہی گویا فوت ہو جاتی اور پھر انکی باقیات میں سے ایک نئی جماعت کا وجود پانا دہائیوں اور صدیوں پر مشتمل عمل ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پاکستان کے لیے کونسا طرز سیاست مناسب ہے۔ اس کے لیے لازم ہے کہ پاکستان میں رائج نظام کا تجزیہ کیا جائے۔ پاکستان اسلام کے نام پر اور جمہوری جدو جہد کے نتیجے میں وجود میں آیا تھا اور یہی وجہ ہے کہ پاکستان کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان تجویز کیا گیا تھا۔ میرے نزدیک پاکستان میں ایک ایسی اصولی، انقلابی اور اصلاحی جماعت نا گزیر ہے جو اگرچہ جمہوری جماعت ہو لیکن خالص انقلابی طرز پر جدو جہد کرے، یعنی جس کا قیام ایک نظریے پر ہو، جو کارکنوں کی انقلابی خطوط پر تربیت کریں، کارکنوں کو مستقبل کی قیادت کے طور پر تیار کرے، جسکا تربیتی پر گرام اصلاح عام کی تحریک ہو، جسکی قیادت بے لوث خدمتگار ہو، جسکی جدو جہد ذاتی مفادات اور عہدے اور اقتدار کی حرص سے پاک تحریکی شکل کی ہو اور جو اقتدار کے حصول کے بعد ریاست میں پاکستان کی نظریاتی اساس پر نظام قائم کرے۔

سیاسی نظام میں سے ایک صدارتی نظام ((Presidential system ایک ایسا نظام جمہوریت ہے جس میں سر براہ حکومت سر براہ ریاست بھی ہوتا ہے۔

پارلیمانی نظام ((Parliamentary system یا پارلیمانی جمہوریت ((Parliamentary democracyy جمہوری حکومت کا ایک نظام ہے جس میں مجلس عاملہ کے وزراء پارلیمنٹ اور مقنّنہ کو جوابدہ ہوتے ہیں۔

پارلیمانی نظام ایک ایسا نظام حکومت ہے جس میں ایکابینہ بلواسطہ یا بلاواسطہ ایک پارلیمنٹ کے تحت کام کرتی ہے۔ اس نظام میں اختیارات عموماوزیر اعظم کے پاس ہوتے ہیں. اس نظام میں صدر تو ہوتا ہے مگر صدر کے اختیاراتت بہت کم ہیں اور وزیراعظم کے سب سے زیادہ اختیارات ہوتے ہیں۔ پاکستان کا نظام پارلیمانی نظام ہے۔

جمھوری نظام سیاست

جمہوریت کے معنی

جمہوریت 'انگریزی لفظ 'ڈیموکریسی' کا ہم معنی ہے اور انگریزی کا لفظ 'ڈیموکریسی' یونانی لفظ 'ڈیموکریٹیا' سے مشتق ہے جو دو الفظ 'ڈیموس' یعنی 'لوگ'، اور 'کریٹیا' یعنی 'طاقت' یا 'اقتدار' سے مل کر بنا ہے۔اس طرح 'جمہوریت' کے معنی ہوئے، 'لوگوں کی طاقت'، یا 'لوگوں کا اقتدار'۔ یعنی ایک ایسا نظام حکومت جس میں اقتدار کی باگ ڈار 'لوگوں' کے ہاتھوں میں ہو نہ کہ فرد واحد یا چند لوگوں کے ہاتھوں میں۔

جمہوریت کی تعریف:

جمہوریت کا لفظ دویونانی الفاظ Demo یعنی "عوام" اور Kratos یعنی "حکومت" سے مل کر بنا ہے، جمہوریت کے لغوی معنی "لوگوں کی حکمرانی" کے ہیں۔یونانی مفکر ہیروڈوٹس کے مطابق "جمہوریت ایک ایسی حکومت ہوتی ہے جس میں ریاست کے حاکمانہ اختیارات قانونی طور پر پورے معاشرے کو حاصل ہوتے ہیں" اس کی تعریف یوں بھی ہوتی ہے کہ لوگوں کی "اکثریت کی بات ماننا" لیکن درحقیقت یہ "اکثریت کی اطاعت" کا نام ہے۔ جمہوریت ایک رویے کا نام ہے کہ کچھ لوگ عوام کی بہتری کے لئے کام کریں اور وہ عوام کی نمائندگی بھی کرتے ہوں، عوام نے ہی انکا انتخاب کیا ہو۔سابق امریکی صدر ابراہم لنکن نے جمہوریت کی تعریف یوں کی ہے کہ "عوام کی حاکمیت، عوام کے ذریعے، عوام پر"، جمہورت کے چاہنے والے اس قول کو بار بار دہراتے ہیں [پاکستان میں نہیں]۔

عربی زبان میں شوریٰ کے معنی، اشارہ کرنا، مشورہ کرنا، اظہار رائے کرنا اور غور وخوض کرنا اور عربی لغت میں شہد کو چھتے سے نکالنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے مثلاً "شار العسل" اس نے چھتے سے شہد کو نچوڑا اس عمل کو شوریٰ کہتے ہیں۔

اصطلاحی تعریف:

جماعتی نوعیت کے جن امور کے متعلق قرآن وسنت میں واضح تصریح موجود نہ ہو امت مسلمہ ان پر آزادانہ رائے زنی کے ذریعے فیصلہ کرے۔

مغربی مفکریں کی جمھوریت کی تعریف

جمہوریت کو انگریزی زبان میں democracy کہا جاتا ہے۔ جو یونانی زبان کے دو الفاظ سے مل کر بنا ہے جس کے معنی عوام اور طاقت کے ہیں۔ اس لحاظ سے جمہوریت ایک ایسا نظام حکومت ہے جس میں اقتدار عوام کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اور ان کے منشاء کے مطابق حکومت فرائض انجام دیتی ہے۔

ماہرین نے جمہوریت کی مختلف انداز میں تعریفیں کی ہیں۔ چند مشہور تعریفیں مندرجی زیل ہیں۔

سیلے seeley نے جمہوریت کی تعریف کچھ یوں کی ہے:

''جمہوریت ایک ایسی طرز حکومت ہے جس میں ہر ایک شریک ہوتا ہے''

لارڈ برائس کے خیال میں:

''جمہوریت وہ طرز حکومت ہے جس میں اختیارات ایک فرد واحد یا افراد کے ایک مخصوص طبقہ یا طبقات کی بجائے مواشرے کے تمام افراد کو بحثیت مجموعی حاصل ہوتا ہے''

ابراہیم لنکن نے جمہوریت کی تعریف یوں کی ہے:

''جمہوریت عوام کی حکومت عوام کے زریعے اور عوام کی خاطر''

جمہوریت کی اقسام

جمہوریت کی دو اقسام ہوتی ہیں جو مندرجہ زیل ہیں۔

1- بلاواسطہ یا براہ راست جمہوریت

2. بلواسطہ یا نمائندہ جمہوریت

Direct democracy بلاواسطہ جمہوریت

بلاساسطہ جمہوریت سے مراد وہ طریقہ کار ہے جس میں عوام براہ راست حکومتی امور میں حصہ لیتے ہیں۔ عوام خود ہی قانون وضع کرتے ہیں اور انتظامی امور انجام دیتے ہیں۔ براہ راست جمہوریت کا یہ طریقہ قدیم یونان میں رائج تھا۔ یونان کے شہر بلند و بالا پہاڑوں کی وجہ سے ایک دوسرے سے الگ تھلگ تھے جن کو شہری ریاست بھی کہا جاتا تھا۔ شہری ریاست رقبہ اور آبادی کے لحاظ سے بہت مختصر ہوتی تھی۔ تمام افراد ایک جگہ جمع ہو کر

اپنی ضروریات کے مطابق قانون وضع کرتے اور انتظامی امور انجام دیتے تھے۔اس طرح وہ قدیم یونان کی شہری حکومت کے امور میں براہ راست حصہ لیتے تھے۔اس لئے اس طریقہ کار کو براہ راست جمہوریت کہا جاتا ہے۔اب قومی ریاستوں پر براہ راست جمہوریت پر عمل کرنا کافی مشکل ہے۔

بالواسطہ جمہوریت Indirect democracy

بالواسطہ جمہوریت سے مراد وہ طریقہ ہے جس میں تمام شہری براہ راست حکومت کے امور انجام نہیں دیتے بلکہ وہ اپنے نمائندے منتخب کرتے ہیں جو عوام کی جانب سے ان کے منشاء کو مطابق نظامِ مملکت چلاتے ہیں۔ موجودہ دور میں قومی ریاستوں کا رقبہ بہت وسیع اور آبادی بہت زیادہ ہے۔اور ریاست کے تمام شہری ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے اور نہ ہی وہ قانون وضع کر سکتے ہیں اور نہ کاروبارِ حکومت میں حصہ لے سکتے ہیں۔اس لئے عوام انتخابات کے زریعے اپنے نمائندے منتخب کرتے ہیں جو اپنے رائے دہندگان کی جانب سے کاروبارِ حکومت چلاتے ہیں۔اسی وجہ سے انہیں نمائندہ جمہوریت بھی کہتے ہیں۔ دراصل دورِ جدید میں فلاحی ریاست کے فرائض میں بے پناہ اضافہ ہو چکا ہے اور انسانی زندگی بے حد مصروف ہو گئی ہے۔ معاشی جدوجہد کی وجہ سے عام شہریوں کے پاس اتنا وقت نہیں کہ وہ حکومتی فرائض بھی انجام دے سکیں۔اس لئے وہ اپنے نمائندوں کو منتخب کرکے نظامِ حکومت چلانے کا اختیار دے دیتے ہیں اور ان کے بنائے ہوئے قوانین اور فیصلوں کا احترام اور پابندی کرتے ہیں۔

ریاست کے وہ افراد جو سیاسی سوچ بوجھ رکھتے ہیں انتخابات میں حصہ لیتے ہیں۔ عوام کی اکثریت کی تائید سے منتخب ہو کر پارلیمینٹ کے رکن بن جاتے ہیں۔اگر ریاست میں پارلیمانی نظام ہو تو پارلیمینٹ میں اکثریتی جماعت کا قائد کابینہ بناتا ہے۔کابینا اپنی کارگزاریوں کے سلسلے میں پارلیمینٹ کے سامنے جوابدہ ہوتی ہے۔ پارلیمینٹ کے اراکین عوام کے سامنے جوابدہ ہوتے ہیں۔ صدارتی نظام میں عوام صدر اور پارلیمینٹ کے اراکیں کو منتخب کرتے ہیں جو عوام کے روبرو جوابدہ ہوتے ہیں۔اس طرح دورِ جدید میں عوام اپنے نمائندوں کے زریعے کاروبارِ حکومت میں شریک ہوتے ہیں۔

مروجہ جمہوریت کا ارکان خمسہ

(۱) اقتدار کا منبع لوگ ہوں یعنی اصل سیاسی طاقت کے مالک لوگ ہوں اور وہی رہیں یعنی اگر حکمرانی کا حق کسی کے سپرد کر دیں تو واپس لینے کا بھی حق رکھتے ہوں۔

(۲) عوام مختارِ کل اور مکمل آزاد ہوں یعنی ان پر کوئی بیرونی طاقت حکمراں نہ ہو بلکہ یہ خود ہی حاکم اعلیٰ ہوں، جو چاہیں کرسکیں، دوسرے انکے سامنے جوابدہ ہوں یہ کسی کے سامنے جوابدہ نہ ہوں۔

(۳) حکومت انکی مرضی کے مطابق ہو اور انکی مرضی کا اظہار، بغیر کسی دباؤکے واضح اور آزادانہ طور پر ہو۔

(۴) حکام کا تقرر عوام کی مرضی اور ان ہی کے نمایندوں کے ذریعہ ہو اور حکام اسی وقت تک اپنے عہدوں پر فائز رہیں جب تک انہیں لوگوں کا اعتماد حاصل رہے۔

(۵) ملک کا انتظام چلانے کے لیے جو قانون چاہیں یہ وضع کر سکیں، اور جب جس قانون کو چاہیں بدل سکیں، یعنی قانون سازی کے معاملے میں مکمل آزاد ہوں، ان پر کوئی خارجی دباؤ یا پابندی عائد نہ ہو۔

جمہوریت کی مندرجہ بالا نظریاتی تعریف کے پیش نظر جمہوریت کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ جمہوریت اپنی ان خصوصیات کے ساتھ کبھی بھی اور کہیں بھی قائم نہیں ہوئی۔ اس کا تفصیلی جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔

طاقت (اقتدار اعلیٰ) جمہور (عوام) کے ہاتھوں میں نہیں ہے۔ اصل طاقت اور قانون سازی کا حق چند لوگوں کے پاس ہے جسے عام طور پر پارلیمنٹ کے نام سے موسم کیا جاتا ہے۔ جو (بظاہر) خود مختار ہوتے ہیں کہ اپنے ملک کے لیے جو قانون چاہیں بنائیں۔ حکام کی تقرری اور اسکے احتساب کا حق اسی کو حاصل ہے۔ یہی انتظامیہ اور عدلیہ کو کنٹرول میں رکھتی ہے۔ بالفاظ دیگر کہا جا سکتا ہے کہ آج کل بیشتر ممالک میں سیاسی طاقت یا اقتدار پارلیمنٹ کے ہاتھوں میں ہوتا ہے۔

اقتدار کا چند ہاتھوں میں مرکوز ہونا جمہوریت کے منافی ہے۔ جمہوریت کی بنیادی خصوصیات میں اقتدار جمہور کے ہاتھ میں ہوتا ہے، لیکن عملاً ہم دیکھتے ہیں کہ ساری طاقت چند ہاتھوں میں ہوتی ہے، تو کیا اب بھی جمہور سے مراد چاند لوگ ہیں۔ درحقیقت جمہوریت کی یہ تعریف ہی غلط کی گئی ہے۔ عملاً یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ تمام شہری ایک جگہ پر جمع ہو کر اس طاقت کا استعمال کر سکیں کیوں کہ یہ ایک دن کا معاملہ نہیں ہے، روزانہ کوئی نہ کوئی مسئلہ درپیش ہوگا۔ اس لئے اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ جمہوریت میں ہر شخص براہ راست سیاسی طاقت کا استعمال کر سکتا ہے تو وہ مغالطے میں مبتلا ہے۔ جس کسی نے بھی یہ توقع قائم کر رکھی تھی دراصل اس نے ایک 'مہمل' سا خواب دیکھا تھا جو کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوا ہے اور نہ ہو سکے گا۔

اقتدار جمہور کے نمائندوں کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جمہور کے پاس طاقت نہیں ہوتی یا وہ اس کا استعمال نہیں کرتے بلکہ تمام لوگ اپنی طاقت اور اختیار کو کسی نمائندہ کو تفویض کر دیتے ہیں اور یہی نمائندے جمہور کی طرف سے طاقت کا استعمال کرتے ہیں۔ بالفاظ دیگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ظاہری طور پر اور عملاً سارے اختیار پارلیمنٹ کے پاس ہوتی ہے اور وہ خود مختار ہوتی ہے لیکن جب تک اسے جمہور کا اعتماد حاصل رہے۔ یعنی ہر جمہوری ملک میں دو طرح کا اقتدار ہوتا ہے ایک تو قانونی، ظاہری، عارضی یا میعادی جو کہ پارلیمنٹ کے پاس ہوتا ہے اور استعمال کے وقت اسے مکمل آزادی حاصل ہوتی ہے، اس کے اختیارات لامحدود ہوتے ہیں اور دوسرا اصلی اقتدار جو کہ جمہور کے پاس ہوتا ہے۔ پارلیمنٹ اگر جمہور کی مرضی کے مطابق حکومت نہیں کرتی تو جمہور جب چاہے انتخاب کے ذریعہ پارلیمٹ کو برطرف کر سکتی ہے۔ پس جمہوریت کی روح یہ نہیں کہ اقتدار اعلیٰ جمہور کے ہاتھ میں ہو بلکہ جمہور کے نمائندے جمہور کی مرضی کے مطابق اختیارات کا استعمال کریں۔

جمہور کے نمائندے جمہور کی نمائندگی نہیں کرتے۔ عملی دشواریوں کے پیش نظر جمہور اگر اپنے نمائندوں کے ذریعہ اپنے اختیارات کا استعمال کرے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، اور اگر جمہور کے نمائندے واقعی جمہور کی مرضی، خواہشات اور نظریات کے مطابق حکومت کریں تو جمہوریت کی ایک بنیادی شرط پوری ہو جاتی ہے کہ حکومت جمہور کی مرضی کے مطابق قائم ہو اور قائم رہے۔ اسکے لیے تین باتیں ضروری ہیں:

(۱) جمہور یا عوام میں سیاسی شعور بیدار ہو، انکی اپنی خود کی مرضی ہو اور یہ خواہش ہو کہ انکی مرضی کے مطابق حکومت قائم ہو۔

(۲) جمہور یا عوام کو اپنی مرضی اور خواہشات کا اظہار کرنے اختیار، مواقع، ماحول، آزادی وغیرہ حاصل ہوں، اور ان پر کسی قسم کا دباؤ نہ ہو۔

(۳) جمہور جس پارٹی کو منتخب کرے وہ اپنے انہی اصول، پالسی، نظریہ کی پابند رہے جس پر وہ انتخاب کے وقت تھی۔ ایسا نہ ہو کہ اقتدار اور اختیار ملنے کے بعد جمہور کی خواہشات کو پامال کرنے لگے۔

مندرجہ بالا باتوں کو جب عملی جاما پہنایا جاتا ہے تو اس کے نتائج حوصلہ افزا نہیں نکلتے اور کبھی کبھی تو نتائج جمہوریت کے بالکل منافی ہوتے ہیں اور جب اس پہلو سے غور کیا جاتا ہے تو سچّائی سامنے آتی ہے کہ جمہوری حکومت میں سرمایاداروں کی مداخلت اور کنٹرول ہوتا ہے۔ موجودہ جمہوری نظام میں عام طور پر انتخابات پارٹی کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔ پارٹی تنظیم کی محتاج ہوتی ہے اور تنظیم کے لیے مال و دولت کی ضرورت سے کسی کو بھی انکار نہیں۔ چنانچہ بہت سے سرمایہ دار اپنا سرمایہ سے مختلف پارٹیوں کی مدد کرتے ہیں اور جب وہ سرمایہ لگاتے ہیں تو پارٹی کے ارکان سے یہ امید لگاتے ہیں کہ وہ اسمبلی اور پارلیمنٹ میں جاکر ان کے مفادات کا تحفظ کریں گے۔ اس طرح پارٹیاں جمہور کی نہیں مخصوص سرمایہ داروں کی نمائندگی کرنے لگتی ہیں اور ان کے مفاد کے پیش نظر ملک کی پالیسی اور قانون بناتی ہیں۔

انتخابات کے بعد جمہور کے ہاتھ میں اختیار نہیں رہتا۔ عوام کے منتخب نمائندہ پارلیمنٹ کے ممبر اور ہر سیاہ و سفید کے مالک بن جاتے ہیں، عوام اپنے سارے اختیارات ان کو اس توقع پر دے چکی ہوتے ہیں کہ یہ عوام کی مرضی کے مطابق حکومت چلائیں گے۔ اب اگر یہ اپنے وعدوں سے پھر جائیں اور عوام کی مرضی کے خلاف کام کرنے لگیں تو بسا اوقات یہ بدترین اور ظالم و جابر فرماں روا سے بھی زیادہ خطرناک ہو جاتے ہیں کیوں کہ انہیں قانون کی حمایت حاصل ہوتی ہے اور قانون کی رو سے انہیں لامحدود اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ انہیں ملک کا دستور بھی مسترد کرنے اور نیا دستور سازی کا قانونی حق ہوتا ہے اور ووٹر یا جمہور یا عوام ان سے نہ تو کوئی بازپرس کر سکتے ہیں اور نہ ہی پارلیمنٹ کے خلاف بغاوت کر سکتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ ایسے حکمران پارٹی کے خلاف آئندہ انتخاب میں ووٹ ڈالا جا سکتا ہے لیکن ان حکمران پارٹی کو یہ بھی قانونی حق حاصل ہے کہ انتخابات کو غیر معینہ مدت کے لئے ملتوی رکھے اور اپنی من مانی کرتے رہیں۔

اسلام کے سیاسی نظام یعنی خلافت کی بنیاد اس عقیدہ پر ہے کہ انسان تو کیا کوئی بھی ہستی اسکی مستحق اور اہل نہیں کی دوسروں پر فرماں روائی کرے۔ خلافت میں حاکم اعلیٰ اللہ ہے، جس کی فرماں روائی کائنات کے ذرّے ذرّے پر ہے لیکن جمہوری نظام میں (بظاہر) حاکم اعلیٰ عوام ہوتی ہے جو کہ اسلامی نقطۂ نظر سے غلط ہے۔

حاکم اعلیٰ اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کی وجہیں ہیں جنکی بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ قانون سازی یا فرماں روائی کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ حاکم اعلیٰ اس ہستی کو کہتے ہیں جسکے اختیارات لا محدود ہوں اور وہ خود مختار ہو، جو کسی کے سامنے جواب دہ نہ ہو اور جسے فرماں روائی کا حق مالک ہونے کی بنا پر حاصل ہو کسی کا عطا کیا ہوا نہ ہو۔

خلیفہ جمہور کا نمائندہ نہیں، رسول اکرم ﷺ کا نائب ہوتا ہے۔ خلیفہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مرضی کی ترجمانی کرنے پر مامور ہوتا ہے نہ کہ امت کی مرضی کی۔

خلافت میں شرعی قانون نافذ ہوتا ہے قانون سازی نہیں کی جاتی۔ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ضابطہ اور اس کی مرضی کا مظہر ہے خلیفہ اسی کا پابند ہوتا ہے۔

خلیفہ کے انتخاب کا معیار تقویٰ ہوتا ہے۔ براہ راست عوام تو کیا خواص بھی اپنی پسند کا متفقہ طور پر خلیفہ منتخب نہیں کر سکتے اس لئے اسلام میں اسی صورت کو ترجیح دی گئی ہے کہ امت میں سب سے متقی و پرہیز لوگ، جنکی سیرت قرآن و سنت سے زیادہ قریب ہو وہ باہمی مشورے سے کسی بہترین فرد کا انتخاب کر لیں۔ یہ اصول حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد خلیفہ کے انتخاب کا جو طریقہ تجویز کیا تھا اس سے بالکل واضح ہے۔ اسلام نے اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی ہے کہ لوگ مناصب کی خواہش و طلب کے ساتھ میدان میں آئیں اور پھر انہیں مناصب دیا جائے۔ جبکہ جمہوریت میں یہ لازمی ہے۔

موجودہ مغربی جمہوریت اور اسلامی ریاست کا فرق

موجودہ مغربی جمہوریت اور اسلامی ریاست کے درمیان کئی وجہ سے فرق ہے جس کو ہم یہاں اختصار سے بیان کر رہے ہیں:

(۱) مغربی جمہوریت میں طاقت کا سرچشمہ عوام ہے، جب کہ اسلام میں اقتدار اور حاکمیت صرف اللہ کی ہے، سربراہ مملکت صرف اللہ اور اس کے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے احکام نافذ کرنے کا مجاز ہے۔

(۲) مغربی جمہوریت میں قانون وضع کرنے کی اتھارٹی اور معیار "اکثریت" ہے اور اسلام میں معیار "حق" ہے جس کا فیصلہ امام اور مستند علماء کتاب، سنت، اجماع اور اقوال مجتہدین کی روشنی میں کریں گے۔

(۳) مغربی جمہوریت میں مدت انتخاب پوری ہونے کے بعد یا اس سے پہلے اکثریت کے فیصلہ کی بناء پر سربراہ مملکت کو معزول کیا جاسکتا ہے، اس کے برخلاف اسلام میں سربرہ مملکت اس وقت تک اپنے عہدے پر قائم رہے گا جب تک وہ اسلام پر قائم ہے۔

(۴) جمہوری طریقہ انتخاب میں عہدہ دار کو منتخب کرنے کے لئے کوئی معیار نہیں اور ہر کس و ناکس کو ووٹ دینے کا حق ہے جب کہ اسلام میں یہ حق صرف ارباب حل وعقد کو حاصل ہے۔

(۵) جمہوری طریقہ انتخاب میں عہدہ کے امیدوار کے لیے کوئی معیار نہیں ہے۔ تعلیمی اہلیت اور صالحیت کی کوئی شرت نہیں ہے جس کے نتیجہ میں عورت ہو یا مرد، پڑھالکھا ہو یا جاہل، نیک ہو یا بدمعاش، پیسے اور اثر ورسوخ کے زور پر اسمبلی میں پہنچ کر قانون ساز اتھارٹی کا ممبر بن جاتا ہے، اسی طرح وزارت عظمیٰ کے امیدوار کے لیے بھی کوئی معیار نہیں ہے اور قومی اسمبلی میں پہنچنے والا ہر ممبر وزارت عظمیٰ کے لیے کھڑا ہو سکتا ہے، دفتر میں کلرک بھرتی ہونے کے لیے بھی کم از کم میٹرک پاس ہونے کا معیار ہے اور ملک کے اتنے بڑے عہدے کے لیے کوئی معیار نہیں رکھا گیا، اس کے برخلاف اسلام میں سربراہ مملکت کے لیے شرائط مقرر کی گئی ہیں جن کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

(٦) مغربی جمہوریت کے طریقہ انتخاب میں امیدوار اپنے آپ کو منصب کے لیے پیش کرتا ہے اور اس کے لیے کنویسنگ کرتا ہے جب کہ اسلام میں منصب کو طلب کرنا جائز نہیں ہے، اس کی تفصیل انشاء اللہ آئندہ ابواب میں آئے گی۔

ہر چند کہ مغربی جمہوریت اور اس کا طریقۂ انتخاب متعدد وجوہ سے اسلامی احکام کے خلاف ہے، لیکن اگر اس طریقہ سے کوئی شخص منتخب ہو کر حکمران بن جاتا ہے تو اس کی حکومت صحیح ہوگی جس طرح متغلب کی حکومت صحیح ہوتی ہے اور اس کے جو احکام شریعت کے خلاف نہ ہوں ان میں اس کی اطاعت لازم ہوگی۔

عام جمہوری ملکوں کی اسمبلیاں اور ان کے ممبران بالکل آزاد وخود مختار ہیں، محض اپنی رائے سے جو چاہیں اچھا یا برا قانون بنا سکتے ہیں، اسلامی اسمبلی اور اس کے ممبران اور منتخب کردہ امیر سب اصول و قانون کے پابند ہیں اس اسمبلی یا مجلس شوریٰ کی ممبری کے لئے بھی کچھ شرائط ہیں اور جس شخص کو یہ منتخب کریں اس کیلئے بھی کچھ حدود وقیود ہیں پھر ان کی قانون سازی بھی قرآن وسنت کے بیان کردہ اصول کے دائرہ میں ہوسکتی ہے اس کے خلاف کوئی قانون بنانے کا ان کو اختیار نہیں۔

بادشاہی نظام سیاست

ملوکیت نظام:

ملوکیت کے معنی ہیں شخصی حاکمیت، یعنی ایک ایسا نظام ہے جس میں ایک شخص طاقت کے زور پر اقتدار حاصل کرتا ہے۔ عوام اس کو اپنا حکمران تسلیم کرنے پر مجبور ہوتے ہیں، اسکی مثال بادشاہت یا پاکستان میں آپ اسکو مارشل لا یا جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کی حکمرانی بھی کہہ سکتے ہیں، ملوکیت کے لیے چند باتیں ضروری ہیں:

حکمران کی نامزدگی

حکمران کا مرتبہ

حکمران کے اختیارات

حکمران کے جانشین کا تقرر

حکمران طاقت کے زور پر حکومت کو حاصل کرتا ہے، اسکی حیثیت مختار کل کی سی ہوتی ہے۔ وہ اپنے ہر فیصلے کو نافذ کرنے اور منوانے کو اپنا حق سمجھتا ہے، اور قانون کے سامنے جواب دہ نہیں ہوتا ہے۔ ملک کے وسائل پر اسکا مکمل کنٹرول ہوتا ہے اور وہ انکو اپنی مرضی سے استعمال کرتا ہے۔ حکمران کے فیصلے کو رد کرنے کا اختیار کسی کو نہیں ہوتا۔ حکمران کا جانشین کون ہوگا اس کا فیصلہ بھی حکمران ہی کرتا ہے۔ سب کے علم میں ہوتا ہے کہ کہ اگر حکمران کسی وجہ سے حکمرانی نہ کرپائے یا اسکی موت ہوجائے تو اسکا جانشین ہی حکمران بنے گا۔

آمریت کی ایک دوسری شکل بھی دنیا نے تمدن کے ارتقا کے ساتھ ساتھ دیکھی ہے۔اس کا پس منظر یہ ہے کہ چونکہ کسی قائم شدہ بادشاہت کو ہٹانا آسان نہیں ہوتا۔ایسی کوشش کرنے والے بالعموم قتل کردیے جاتے تھے۔ اس لیے لوگوں کو اپنے ساتھ ملانے کے لیے بعض اولوالعزم لوگ نظریات کا استعمال کرتے تھے۔

سماج اور ریاست میں بادشاہت اور خاندانی آمریت کے بعد اقتدار کی دوسری بنیاد نظریاتی آمریت کو حاصل رہی ہے۔اس طریقے میں فرد کی ذاتی صلاحیت اور استعداد کے ساتھ ساتھ یا اس سے بڑھ کر ایک نظریہ کچھ ہم خیال لوگوں کو حصول اقتدار کی جدوجہد پر ابھارتا ہے۔یوں ایک نظریاتی پارٹی یا گروہ وجود میں آتا ہے۔ بعض اوقات اقتدار پر اس گروہ کا قبضہ ہوجاتا ہے۔یوں ایک فرد کے بجائے ایک پورا نظریاتی گروہ کسی معاشرے کو اپنا یرغمال بنا کر اپنا غلبہ واقتدار قائم کرلیتا ہے۔قدیم دور میں یہ نظریاتی پارٹی بھی بادشاہت کا روپ دھار لیتی تھی، البتہ دور جدید میں فرد کے بجائے پارٹی یا گروہ کی آمریت کا چلن عام ہوا۔اس کی ایک نمایاں مثال کمیونسٹ تحریک ہے جس کے اقتدار نے ستر برس تک نصف دنیا کو اپنے شکنجے میں جکڑے رکھا۔

یہ دونوں شکلیں بظاہر مختلف ہیں، مگر ان میں جو چیز مشترک ہے، وہ یہ ہے کہ عوام کی مرضی و منشا کے بغیر بادشاہت اور آمریت عوام پر مسلط ہوجاتی ہے۔ان میں کوئی اچھی بات ہوتی ہے تو لوگوں کو اس کا فیض ملتا ہے اور ان کا جو شر ہے، وہ بہر حال عوام کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔

سیاسی نظام کے فوائد و نقصانات

جمہوریت کی خوبیاں

حکومت میں شرکت کا احساس

جمہوریت کی سب سے اہم خوبی یہ ہے کہ عوام کو اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ وہ اپنے نمائندوں کے زریعے سے کاروبار حکومت میں شریک ہیں۔ اس لئے وہ مقنّنہ کے بنائے ہوئے قوانین اور حکومت کے فیصلوں کی پابندی کرتے ہیں اور ملک کیلئے ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار رہتے ہیں۔

حقوق کا تحفظ

جمہوریت میں عوام کے حقوق مکمل طور پر محفوظ ہوتے ہیں۔ عوام کے منتخب نمائندے پارلیمینٹ میں ہوتے ہیں۔ وہ کوئی ایسا قانون نہیں بناتے جو عوام کے حقوق کے منافی ہو۔اور نہ ہی حکومت کو ایسے اقدامات اٹھانے دیتے ہیں جن سے عوام کے حقوق غصب ہونے کا خطرہ ہو۔

اختیارات بطور امانت

عوام اپنے نمائندے منتخب کرکے ان کو نظامِ حکومت چلانے اور عوامی فلاح و بہبود کے فروغ کا اختیار دیتے ہیں۔ اربابِ حکومت کو بھی اس بات کا خیال ہوتا ہے کہ عوام نے ان کو ایک مخصوص مدت کیلئے حکومت کرنے کا اختیار دیا ہے۔ اگرانھوں نے اس اختیارات کا ناجائز استعمال کیا توآئندہ وہ عوام کے اعتماد سے محروم ہو جائینگے۔اس لئے حکومت ایسے کوئی اقدامات نہیں اٹھاتی جو عوام کی ناراضگی کا باعث ہو۔

عوام کی سیاسی واخلاقی تربیت

جمہوریت عوام کی سیاسی اور اخلاقی تربیت کا بہترین زریع ہے۔ عوام کو مقامی سطح سے لے کر قومی سطح تک متعدد بار انتخاب کے مرحلے سے گزرنا پڑتا ہے ہر سیاسی جماعت اپنے امیدوار کے حق میں حمایت حاصل کرنے کے لئے عوام سے رجوع کرتی ہےاور قومی مسائل پر اپنا نقطہ نظر پیش کرتی ہے۔ اس سے عوام کو سیاسی جماعتوں کے پروگراموں اوران کے امیدواروں کے متعلق کوائف سے مکمل آگاہی حاصل ہو جاتی ہے۔ وہ بہتر امیدوار کا انتخاب کر سکتے ہیں۔اس کے علاوہ ان کو اپنے حقوق اور فرائض سے بھی آگاہی ہوتی ہےان کو اپنے ووٹ کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ بار بار انتخابات ہونے سے عوام میں یہ احساس بھی پیدا ہوتا ہے کہ ان پر کتنی زمہ داری عائد ہوتی ہےاور اگرانہوں نے اپنا ووٹ لالچ میں آ کر دیا تواس سے ناقابلِ تلافی قومی نقصان ہو گا۔اس طرح جمہوریت سے نہ صرف عوام کی سیاسی بلکہ اخلاقی تربیت بھی ہوتی ہے۔

جوابدہی کا تصور

جمہوریت میں ہر سطح پر جوابدہی کا تصور پایا جاتا ہے جس کے باعث حکمرانوں کے اختیارات کے ناجائز ناجائز استعمال کے مواقع کم ہو جاتے ہیں۔ پارلیمنٹ کے نمائندے عوام کے رو برو اور پارلیمانی حکومت پارلیمنٹ کے رو برو جوابدہ ہوتی ہے۔ اگر منتخب نمائندے عوام کی منشاء اور اپنے وعدوں کے مطابق قانون سازی نہیں کرتے تو اگلے انتخابات میں عوام ان کو مسترد کر دینگے۔ اسی طرح پارلیمنٹ میں حزب اختلاف برسر اقتدار جماعت کا احتساب کرتی ہے اس سے کابینہ کے ارکان مستعد رہتے ہیں اور کوئی ایسا کام نہیں کرتے جو عوام کے مفادات کے خلاف ہو۔ جوابدہی کا یہ تصور جمہوریت میں اپنی مثال آپ ہے۔

جزبہ حب الوطنی کا فروغ

جمہوریت سے عوام میں حب الوطنی کے جزبہ کو فروغ ملتا ہے۔ اس نظام کا بنیادی اصول یہ ہے کہ عوام کی حکومت عوام کے لئے ہے۔ اس سے عوام میں یہ اطمینان پیدا ہوتا ہے کہ وہ حکومت کے کاروبار میں شریک ہیں۔ اس سے عوام قومی امور میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ ان میں اپنے وطن سے محبت کا جزبہ فروغ پاتا ہے۔

انقلابات سے تحفظ

جمہوریت کا نظام لچکدار ہوتا ہے۔ ناپسندیدہ عناصر کو انتخابات کے زریعے مسترد کیا جا سکتا ہے۔ افکار و خیالات کی مکمل آزادی کے باعث عواام اپنے جزبات کا اظہار کر سکتے ہیں اور حکومت پر کھل کر تنقید کر سکتے ہیں۔ حکومت رائے عامہ کو نظرانداز نہیں کرتی۔ اگر حکومت عوام کے مشوروں اور ان کی منشاء کو نظر انداز کردے تو آئندہ انتخاب میں عوام ایسی حکومت کو پرامن طور پر تبدیل کر سکتے ہیں۔ اس طرح عوام کو حکومت تبدیل کرنے کیلئے تشدد کا راستہ اختیار نہیں کرنا پڑتا اور ملک انقلابات سے محفوظ رہتا ہے۔

امن پسند نظام

جمہوری نظام دوسرے نظاموں کے مقابلے میں زیادہ امن پسند ہے۔ اس میں اقتدار عوام کے نمائندوں کے پاس ہوتا ہے اور جوابدہی کے تصور کی وجہ سے وہ کوئی ایسا فیصلہ نہیں کر سکتے جو عوام کو ناپسند ہو۔ انسانوں کی اکثریت امن پسند ہوتی ہے اس کے برعکس ایک بادشاہ یا آمر اپنے اقتدار کو وسعت دینے کی مرض میں مبتلا ہوتا ہے جس کا نتیجہ دوسروں سے لا ظمی تصادم ہوتا ہے۔

خامیاں

دورِ جدید میں جمہوریت ایک مقبول ترین طرزِ حکومت ہے لیکن خوبیوں کے باوجود ناقدین نے اس پر کافی تنقید کی ہے اور اس کی خامیوں کی نشاندہی کی ہے۔ جمہوریت کی خامیوں کا جائزہ زیل میں لیا جاتا ہے۔

جاہلوں کی حکومت

جمہوریت میں یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ عوام اپنے نمائندوں کو منتخب کر کے عنانِ حکومت ان کے سپرد کرتے ہیں۔ ناقدین کا خیال ہے کہ عوام کی بہت کم تعداد اعلیٰ تعلیم یافتہ یا سیاسی سوجھ بوجھ کی حامل ہوتی ہے۔ اکثر جاہل اور کم تعلیم یافتہ ہوتے ہیں ایسے افراد سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ بہترین اور اہل نمائندے منتخب کر لیں گے۔ اس لئے عنانِ حکومت بھی ایسے افراد کو مل جاتی ہے جو جاہل اور کند ذہن ہوتے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ ناقدین اسے جاہلوں کی حکومت قرار دیتے ہیں۔

جوابدہی کا تصور

جمہوریت میں یہ کہا جاتا ہے کہ کابینہ پارلیمینٹ کے روبرو اور پارلیمینٹ عوام کے روبرو جوابدہ ہوتے ہیں، یہ محض ایک فریب ہے۔ عوام کو نمائندے منتخب کرنے کا اختیار ضرور حاصل ہوتا ہے لیکن اگر یہ نمائندے عوام کی منشاء کو نظر انداز کر دیں تو عوام پانچ سال سے قبل ان کا احتساب نہیں کر سکتے۔ پھر جب عوام کی اکثریت ہی جاہل ہے تو احتساب کا پورا عمل بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ پارلیمانی نظام میں کابینہ پارلیمینٹ کے سامنے جوابدہ ہوتی ہے لیکن بیسویں صدی میں یہ محض ایک تصور بن گیا ہے۔ اگر کابینہ کے خلاف کسی وقت تحریک عدم اعتماد پیش ہو تو وزیرِاعظم سربراہِ مملکت کو پارلیمینٹ توڑنے کا مشورہ دے سکتا ہے۔ سربراہِ مملکت اس مشورہ پر عمل کرتا ہے۔ اس طرح پارلیمینٹ کو غیر موثر کر دیا جاتا ہے۔ ان وجوہات کی بناء پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ جواب دہی کا اصول ناقص ہے۔

سست اور غیر مستحکم طرز حکومت

یہ طرز حکومت نہایت سست اور غیر مستحکم ہے۔ اس میں حکومت کے تمام فیصلے اور قانون سازی بحث و تمحیص اور صلاح مشورے سے ہوتے ہیں۔ خصوصاً پارلیمانی نظام میں وزیرِاعظم کو اپنے وزراء اور پارلیمینٹ کو اعتماد میں لیناپڑتا ہے۔ اس سے وقت کا بہت ضیاع ہوتا ہے اس لئے اسے سست حکومت کہا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اس نظام میں حکومتیں جلد تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ خصوصاً پارلیمانی نظام میں جب کسی سیاسی جماعت کو پارلیمینٹ میں واضح اکثریت حاصل نہیں ہوتی تو توڑ جوڑ کے زریعے اسے آسانی سے ختم کیا جاسکتا ہے اس وجہ سو اسے غیر مستحکم طرزِ حکومت کہا جاتا ہے۔

بے جا اخراجات

اس نظام میں بار بار انتخاب، پروپیگنڈہ، جلسے جلوس اور انتخابی مہم پر بے جا اخراجات آتے ہیں۔ سیاسی جماعتیں تو فنڈ حاصل کر کے پورا کر سکتی ہیں لیکن۔ اوسط درجے کا امیدوار ان اخراجات کو پورا نہیں کر سکتا۔ اس طرح اوسط درجہ کا شہری اس میں امیدوار بننے کا تصور نہیں کر سکتا جس سے ملک کے ایک طبقہ کی اجارہ داری قائم ہو جاتی ہے۔

سیاسی بدعنوانیاں

جمہوریت میں سیاسی جماعتیں انتخاب جیتنے کیلئے مختلف ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں۔اور جو افراد منتخب ہو جاتے ہیں وہ مختلف طریقوں سے اخراجات پورے کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔اگر کسی سیاسی جماعت کو پارلیمینٹ میں اکثریت حاصل نہ ہو تو دوسرے اراکین کا اعتماد حاصل کرنے کیلئے ان کو عہدے سیاسی رشوت کے طور پر دئے جاتے ہیں۔اس کے علاوہ چونکہ پارلیمینٹ کے نمائندوں اور وزراء کو عوام سے ووٹ حاصل کرنا ہوتے ہیں۔اس لئے اپنے بہی خواہوں کو مختلف طریقوں سے نوازا جاتا ہے۔

سیاسی گروہ بندی

اس نظام میں قوم کو مختلف جماعتوں اور گروہوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔دوسری سیاسی جماعتوں کو عوام کی نظروں سے

گرانے کیلئے ہر قسم کے حربے استعمال کئے جاتے ہیں۔برسرِ اقتدار جماعت قومی مفاد کے بجائے جماعتی مفاد میں فیصلے کرتی ہے اس طرح قوم نہ صرف مختلف گروہوں میں تبدیل ہو جاتی ہے بلکہ ملک کی بقاء اور سلامتی کو خطرے لاحق ہو جاتے ہیں۔

پاکستانی جمہوریت اور سیاست میں ملوکیت:

پاکستانی حکمران اور سیاستدان جمہوریت کا رونا تو روتے ہیں، مگر جمہوریت سے انکی مراد حصول اقتدار ہوتا ہے جس سے انکی ذاتی خود غرضیاں پوری ہوسکیں۔اول تو پاکستان کی سیاست کا زیادہ عرصہ فوجی حکمرانی میں گذرا مگر جمہوری دور میں بھی سیاست سرمایہ داروں اور جاگیر داروں کے گھر کی باندی بنی ہوتی ہے جس میں غریب صرف جلسوں کی نفری بڑھانے، نعرے بازی کرنے اور ووٹ ڈالنے میں حصہ لیتا ہے، لیکن کسی غریب کا سیاست میں حصہ لینا ناممکن ہے۔ہمارے ملک میں جمہوریت سے عوام کا کوئی لینا دینا نہیں اگر جنرل کی غلامی سے جان چھوٹتی ہے تو جمہوریت کے نام پر چند برس بعد ووٹ ڈال کر آقا بدلنے کی اجازت ہوتی ہے، آقا بننے سی پہلے یہ سیاستدان عوام کو خوبصورت خواب دکھاتے ہیں لیکن آقا بنتے ہی انکو یاد بھی نہیں ہوتا کہ عوام سے انہوں نے کیا وعدہ کیا تھا، البتہ وہ دوبارہ جب عوام سے ووٹ مانگتے ہیں تو پھر وہی وعدہ کرتے ہیں جو پہلے کیا تھا، آکی مثال پیپلز پارٹی کی یہ چوتھی حکومت ہے جو 1970 سے "روٹی کپڑا اور مکان" کا وعدہ کر رہی ہے مگر آج پاکستان کے عوام اور خاص طور پر کراچی اور بلوچستان کے عوام روٹی کپڑا اور مکان کو بھول کر اپنی جان کی امان مانگ رہے ہیں۔جمہوریت اور سیاست کے بارے میں پاکستان کے رہنماؤں کی سوچ میں مکمل تضاد ہے، اس لئے کہ ان لوگوں نے عوام کی بہتری، ترقی اور سرحدوں کی حفاظت کے بجائے اپنی سیاست کی بنیاد، مکاری، قتل و غارت گری، جاہ طلبی، ریاست اور وسعت طلبی، نیز محروم عوام کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑنے پر رکھی ہے۔یہ عوام دشمن غریبوں کو موت کے حوالے کرنے، انہیں علمی، فنی اور فکری افلاس کے حوالے کرنے کو اپنی سیاست کا محور سمجھتے ہیں۔یہ اپنے ہدف کو حاصل کرنے کے لئے ہر قسم کے وسیلہ کو استمال کرتے ہیں چاہے وہ وسیلہ دھوکہ اور فریب کاری ہی کیوں نہ ہو، حتیکہ یہ اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے مذہب کا

استمال بھی بڑی بے دردی سے کرتے ہیں۔ اس قسم کی سیاست کو یہ اپنی دانائی کہتے ہیں حالانکہ یہ دھوکے بازی کے علاوہ کچھ نہیں۔ پاکستانی سیاست میں جمہوریت کا انداز فکر ایک بھی سیاسی جماعت میں موجود نہیں، بلکہ ہر سیاسی رہنما نے اپنی اپنی جماعت میں ملوکیت قایم کی ہوئی ہے، جیسا کہ پہلے کہا گیا کہ "ملوکیت کے معنی ہیں شخصی نظام" پاکستان میں ایک بھی ایسی سیاسی جماعت نہیں جس میں کبھی انتخابات ہوئے ہوں اور اگر کبھی ہوئے تو یہ صرف دکھاوہ ہوتا ہے۔ ان سیاسی پارٹیوں میں ملوکیت کا پورا پورا راج ہے۔ ہر پارٹی کے رہنماکی حیثت اپنی پارٹی میں مختار کل کی سی ہوتی ہے۔ اسکا فیصلہ ہی آخری ہوتا ہے، کہنے کو ہر پارٹی میں مشاورتی کمیٹی ہوتی ہے مگر صرف دکھاوے کیلیے۔ وہ پارٹی کو اپنی سوچ کے مطابق چلاتا ہے اور اگر کوئی اختلاف رائے کرئے تو انکو پارٹی چھوڑنے پر مجبور کردیا جاتا ہے، وہ ملوکیت کے بہت ہی اہم اصول کا پہلے دن ہی اعلان کرتا ہے کہ اس کے بعد اسکا جانشین کون ہوگا۔ پارٹی کو وہ ایک ذاتی کمپنی کے مالک کی طرح چلاتا ہے اور جانشین عام طور پر یا تو اُس رہنماکی بیوی یا اسکی اولاد ہوتی ہے ورنہ اسکے بہن بھائی میں سے کوئی۔ پاکستان بننے سے پہلے کے لیڈر مرحوم خان عبدالغفار خان نیشنل عوامی پارٹی کے قاید تھے، انکے جانشین انکے صابزادے خان عبدالولی خان ہوئے، انکے بعد کچھ عرصے انکی بیگم نسیم ولی خان ہوئیں، آجکل انکے صابزادے اسفندیار ولی خان پارٹی کے سربراہ ہیں، پارٹی کا نام بدل کر اب عوامی نیشنل پارٹی رکھ لیا ہے، مرحوم مفتی محمود جمیعت علمائے اسلام کے سربراہ ہوا کرتے تھے، آجکل انکے صابزادے مولانا فضل الرحمٰن پارٹی کے سربراہ ہیں۔ پاکستان تو مسلم لیگ نے مسلمانوں کے اتحاد سے بنایا تھا مگر مسلم لیگ میں اتحاد نہیں رہا اسلیے اس وقت سب سے زیادہ سیاسی جماعتوں میں مسلم لیگیں ہیں، البتہ آپکو مسلم لیگ کے ساتھ الف سے ے تک کے حروف ملیں گے، جیسے مسلم لیگ ن، اسکے سربراہ نواز شریف ہیں یہ جماعت انکو ضیاالحق کی طرف سے ملی تھی کیونکہ ہر آمر کے پیچھے ایک نام نہاد مسلم لیگ کا ہونا ضروری ہوتا ہے، اب یہ مسلم لیگ ن نواز شریف کی ذاتی کمپنی کی طرح سے ہے، 1999 میں جب مشرف نے انکو گرفتار کیا تو انکی بیگم جو ایک گھریلو خاتون ہیں وہ پارٹی کی سربراہی کرتی رہیں جبتک وہ نواز شریف کے ساتھ جدہ نہیں چلی گئیں۔ نواز شریف کے بھائی شہباز شریف پنجاب کے وزیراعٰی ہیں، دونوں بھائی اور انکی اولادیں پارٹی کو اپنی کمپنی کی طرح کامیابی سے چلارہے ہیں۔ مسلم لیگ ق دو بھائی یعنی چوہدری شجات اور چوہدری پرویز چلارہے ہیں، اب ان کی اولاد بھی شامل ہوگئی ہے، یہ بھی پارٹی کو اپنی ملکیت کی طرح ہی چلارہے ہیں۔ مسلم لیگ ف یعنی فنکشنل کے سربراہ پیر پگارا تھے انکے بعد انکے صابزادے پیر صبغت اللہ شاہ راشدی مسلم لیگ ف کے سربراہ ہوگئے۔ آجکل پیپلز پارٹی پنجاب کے صدر منظور وٹو نے بھی 1995 میں مسلم لیگ جناح بنائی تھی، اب اسکی ضرورت نہیں۔ عمران خان پاکستان تحریک انصاف کے سربراہ ہیں، ان کی پارٹی کے اندر بھی کبھی انتخابات نہیں ہوتے، ابھی کوئی جانشین تو نہیں چنا مگر وہ بھی پارٹی کو اپنی ملکیت سمجھ کر چلارہے ہیں۔ مرحوم اکبر بگٹی جمہوری وطن پارٹی کے سربراہ تھے، آجکل انکے صاحبزادے طلال اکبر بگٹی اسکے سربراہ ہیں۔ بلوچستان نیشنل پارٹی کے بانی مرحوم سردار عطااللہ خان مینگل تھے، آجکل انکے صابزادے سردار اختر مینگل اسکے سربراہ ہیں۔ جی ایم سید جیئے سندھ تحریک کے بانی تھے آجکل انکے پوتے سید جلال محمود شاہ قوم پرست جماعت سندھ یونائیٹڈ پارٹی کے سربراہ ہیں، پارٹی انتخابات کی انکو بھی ضرورت نہیں ہے۔ الطاف حسین پہلے مہاجر قومی مومنٹ اور حالیہ متحدہ قومی مومنٹ [ایم کیو ایم] کے بانی اور سربراہ ہیں، پارٹی کے انتخابات اس جماعت میں بھی نہیں ہوتے، الطاف حسین نے کسی کو جانشین تو مقرر نہیں کیا ہے، مگر ایم کیو ایم انکی مرضی سے چلتی ہے، انہوں نے ایک رابطہ کمیٹی بھی بنائی ہوئی ہے مگر آخری فیصلہ الطاف حسین ہی کا ہوتا ہے۔ الطاف حسین بھی ایم کیو ایم کو اپنی ذاتی کمپنی کی طرح ہی چلارہے ہیں۔ جماعت اسلامی کے بانی اور امیر مولانا مودودی نے اپنی خرابی صحت کی وجہ سے اپنی زندگی میں ہی جماعت اسلامی کے امیر کی حیثیت سے علیدگی

اختیار کرلی تھی، انکی اولادوں میں سے کوئی بھی سیاسی منظر پر نہیں آیا، انکے بعد آجکل تیسرے امیر جماعت اسلامی سید منور حسن ہیں، جمہوریت تو جماعت اسلامی میں بھی نہیں ہے مگر بظاہر یہ کسی کی ذاتی کمپنی بھی نہیں ہے۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے بانی اور چیرمین ذوالفقار علی بھٹو تھے انہوں نے پہلے اپنی پارٹی کے دو ممبران معراج محمد خان اور غلام مصطفی کھر کو اپنا جانشین بنایا مگر آگے چل کر ان دونوں کے بھٹو سے شدید اختلافات ہوگے، ہوا وہی جو ہونا تھا، ضیاالحق نے جب بھٹو کو گرفتار کیااور بعد میں پھانسی دے دی بیگم نصرت بھٹو پارٹی کی سربراہ بن گئیں، تھوڑے عرصے بعد بے نظیر بھٹو اپنی والدہ کی جگہ پارٹی کی سربراہ بن گئیں، انکی ناگہانی موت کے بعد زرداری پارٹی کے سربراہ بن گئے اور انہوں نے پہلے دن ہی اعلان کردیا تھا کہ پارٹی کا اگلا سربراہ بلاول ہوگا۔ ملوکیت کی اس سے بڑی مثال اور کیا ہوگی۔ پاکستان میں اسوقت کم وپیش دوسوکے قریب سیاسی پارٹیاں ہیں اور سب کا یہی حال ہے۔

سیاست دانوں کی اقسام

ان سارے سیاست دانوں کی صف میں بڑی نامی گرامی ہستیاں شامل ہیں۔اور مختلف کردار کی وجہ سے مشہور ہیں ان کرپٹ موقع پرست اور بدعنوان سیاستدانوں کو علیحدہ کرنے کے لیے ہمیں ان کو اقسام میں تقسیم کرنا پڑے گا۔ کیونکہ غلط سیاست دانوں نے سیاست لفظ کو بدنام کرکے رکھدیا ہے۔ان قسام کی تقسیم درج ذیل ہے

۱۔اصولی سیاست دان

۲۔ مفاد پرست سیاست دان

۳۔ کٹھ پتلی سیاست دان

۴۔انقلابی سیاست دان

۵۔ عوامی سیاست دان

۶۔مزاحمتی سیاست دان

۷۔ادبی سیاست دان

۸۔عملی سیاست دان

۹۔ تصوراتی سیاست دان

۱۰۔آل رائنڈر سیاست دان

۱۱۔ غدار سیاست دان

۱۲۔ گستاخ سیاست دان

۱۳۔ دینی سیاست دان

۱۴۔ قوم پرست سیاست دان

ریاست اور خاندانی آمریت

تمدن کے ارتقاکے ساتھ انسان نے بڑی بڑی بستیاں آباد کرنا شروع کیں۔ قصبے اور شہر وجود میں آئے۔ نسلیں اور قومیں بنا شروع ہوئیں جو صدیوں ایک ہی جگہ آباد رہتیں۔ چنانچہ نسلی اور جغرافیائی وحدتیں وجود میں آنے لگیں۔ ان میں متعدد سردار اپنے اپنے قبائل یا گروہوں کی قیادت کرتے اور کسی اجتماعی مسئلے کی شکل میں مل بیٹھ کر تنازعات اور مسائل کو حل کرنے کی کوشش بھی کیا کرتے تھے۔

تاہم اس تاریخی عمل میں کبھی کبھی کسی قبیلے میں کوئی اولوالعزم اور غیر معمولی شخص پیدا ہو جاتا۔ یہ حوصلہ مند فرد اپنی کرشمہ ساز شخصیت، جرات و عزیمت، تنظیمی صلاحیت اور لوگوں کو متاثر کرنے کی استعداد کی بنیاد پر مختلف الخیال لوگوں کا رہنما بن جاتا، اور رفتہ رفتہ اپنی طاقت بڑھاتے ہوئے دیگر قبائل کو شکست دے کر یا اپنے ساتھ ملا کر ایک وسیع حکمرانی قائم کرلیتا۔ یوں اس جغرافیائی یا نسلی وحدت میں ایک منظّم اور باقاعدہ ریاست وجود میں آجاتی۔ اس کی ایک نمایاں مثال چنگیز خان کی ہے جو ایک چھوٹے سے قبیلے کے سردار کا بیٹا تھا، مگر اپنی غیر معمولی صلاحیت کی بنا پر اس نے منگولیا کے مختلف قبائل کو ساتھ ملا کر ایک منظّم ریاست قائم کی جس نے آنے والے دنوں میں پوری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا۔

ایسے کسی حکمران کی طاقت محض ذاتی طاقت نہیں ہوتی تھی، بلکہ اس کا قبیلہ، اس کے جنگجو اور اس کے حلیف بھی پوری طرح اس کے ساتھ ہوتے اور اس نظام سے مستفید ہوتے تھے۔ چنانچہ حلیف اور رفقا اپنے مفاد کے تسلسل کے لیے اس کی وفات کے بعد اس کی اولاد یا متعلقین میں سے کسی کو اپنا حکمران تسلیم کرلیتے۔ مفاد اور عصبیت کے علاوہ اس کا ایک اور اہم سبب یہ تھا کہ یہ طریقہ پرامن بھی تھا۔ ورنہ ہر دفعہ حصول اقتدار کی جنگ میں بہت کشت و خون ہوتا۔ خاندانی بادشاہت ان تمام وجوہات کی بنا پر قیادت کی تبدیلی کا ایک بہترین ذریعہ تھی۔ یوں قدیم دنیا میں بادشاہت کا ادارہ اقتدار کا پہلا اور سب سے عام ذریعہ رہا۔

نظام کی ایک قسم آمریت بھی ہے

آمریت کی ایک دوسری شکل بھی دنیا نے تمدن کے ارتقا کے ساتھ ساتھ دیکھی ہے۔اس کا پس منظر یہ ہے کہ چونکہ کسی قائم شدہ بادشاہت کو ہٹانا آسان نہیں ہوتا۔ایسی کوشش کرنے والے بالعموم قتل کردیے جاتے تھے۔ اس لیے لوگوں کو اپنے ساتھ ملانے کے لیے بعض اولوالعزم لوگ نظریات کا استعمال کرتے تھے۔

سماج اور ریاست میں بادشاہت اور خاندانی آمریت کے بعد اقتدار کی دوسری بنیاد نظریاتی آمریت کو حاصل رہی ہے۔اس طریقے میں فرد کی ذاتی صلاحیت اور استعداد کے ساتھ ساتھ یا اس سے بڑھ کر ایک نظریہ کچھ ہم خیال لوگوں کو حصول اقتدار کی جدوجہد پر ابھارتا ہے۔یوں ایک نظریاتی پارٹی یا گروہ وجود میں آتا ہے۔ بعض اوقات اقتدار پر اس گروہ کا قبضہ ہوجاتا ہے۔یوں ایک فرد کے بجائے ایک پورا نظریاتی گروہ کسی معاشرے کو اپنا یرغمال بنا کر اپنا غلبہ واقتدار قائم کرلیتا ہے۔قدیم دور میں یہ نظریاتی پارٹی بھی بادشاہت کا روپ دھار لیتی تھی، البتہ دورجدید میں فرد کے بجائے پارٹی یا گروہ کی آمریت کا چلن عام ہوا۔اس کی ایک نمایاں مثال کمیونسٹ تحریک ہے جس کے اقتدار نے ستر برس تک نصف دنیا کو اپنے شکنجے میں جکڑے رکھا۔

یہ دونوں شکلیں بظاہر مختلف ہیں، مگر ان میں جو چیز مشترک ہے، وہ یہ ہے کہ عوام کی مرضی و منشا کے بغیر بادشاہت اور آمریت عوام پر مسلط ہوجاتی ہے۔ان میں کوئی اچھی بات ہوتی ہے تو لوگوں کو اس کا فیض ملتا ہے اور ان کا جو شر ہے، وہ بہر حال عوام کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔

نظام خلافت

دوسری شکل وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلافت راشدہ میں ظاہر ہوئی۔لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول کیا اور اپنی خوشی سے آپ کو اپنا حکمران تسلیم کرلیا۔تاہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ آخری نبی اور رسول تھے اور آپ کے بعد آسمان سے وحی اترنے کا سلسلہ بند ہوگیا، اس لیے آپ کے بعد کسی کو آسمان سے حکومت کے لیے نامزد کرنے کا سلسلہ ختم ہوگیا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ خلافت راشدہ میں خلفاے راشدین کو لوگوں نے اپنی مرضی سے اپنا حکمران منتخب کیا۔

خلفاے راشدین کا انتخاب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عرب سیاسی طور پر ایک منظّم ریاست کے بجائے ایک قبائلی نظام کے دور میں تھا۔قریش کعبہ کے متولی بھی تھے اور اس کی وجہ سے عرب میں سیادت و قیادت کا جتنا کچھ تصور تھا، اس کے لحاظ سے وہی عرب کے رہنما تھے۔

یہ بات ظاہر ہے کہ خلفاے راشدین کا انتخاب لوگوں نے کیا، وہ زبردستی لوگوں کے اوپر مسلط نہیں ہوئے تھے۔ان لوگوں کا خاندانی یا نظریاتی آمریت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔اسی بنا پر ہم نے اس خلافت کو بادشاہت یا نظریاتی آمریت کے خانے میں نہیں رکھا، بلکہ آسمانی جمہوریت کے ذیل

میں رکھا ہے۔تاہم بدقسمتی سے بنی اسرائیل کی طرح مسلمانوں نے بھی اس آسمانی جمہوریت کو گنوادیا اور بادشاہت اور آمریت کے جال میں پھنس گئے۔اور خلافت کے نام پر مسلمان چودہ صدیوں تک بنوامیہ، بنو عباس اور عثمانی خاندانی بادشاہتوں کو سہتے رہے۔

مغربی جمہوریت

آسمانی جمہوریت کا یہی وہ تصور تھا جس نے دنیا کو پہلی دفعہ اس حقیقت سے روشناس کرایا کہ بادشاہت یا آمریت کے علاوہ یہ ممکن ہے کہ لوگ اپنی مرضی سے اپنے حکمران کا انتخاب کریں۔چنانچہ قدیم یونان ہو یا جدید مغرب، ہمارے نزدیک یہ جمہوریت کے اصلی ماڈل نہیں، بلکہ اس آسمانی جمہوریت کی نقل ہیں جو دنیا کو اللہ تعالیٰ نے عطاکی اور جس میں انسان پر انسان زبردستی مسلط نہیں ہوتے تھے۔اس مغربی نظام میں یقیناً بڑی کمزوریاں ہیں۔خاص کر ہمارے ہاں تو جمہوریت کے نام پر وہی مذاق ہورہا ہے جو اسلام کے نام فرقہ واریت اور انتہا پسندی کا زہر پلا کر ہمارے ساتھ کیا گیا تھا۔اس پر ہم کسی اور وقت بات کریں گے۔تاہم جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ اب آسمان سے حکمران کا فیصلہ نازل نہیں ہو سکتا۔ہمیں تین نظام ہائے سیاست میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہے۔یعنی بادشاہت، آمریت اور جمہوریت۔ باشاہی جبر اور آمرانہ سوچ کے مقابلے میں جمہوری نظام بلا شبہ اللہ کی ایک نعمت ہے جو سب سے پہلے اسی نے اپنے بندوں کو عطاکی۔چنانچہ ہمارے نزدیک جمہوریت ہی وہ تصور ہے جو اب مسلمانوں کے لیے بہترین انتخاب ہے۔

جمہوریت اور خلافت

اس موقع پر دو غلط فہمیوں کا ازالہ کرنا ضروری ہے۔ایک کا تعلق سماجیات کے غلط فہم سے ہے اور دوسرے کا دین کے غلط فہم سے۔پہلی غلط فہمی غلط تقابل پر مبنی ہے جس میں خلافت کو جمہوریت کے بالمقابل ایک نظام کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ خلافت اور جمہوریت اپنی نوع کے لحاظ سے دو جدا تصورات ہیں جو بالمقابل نہیں ہو سکتے۔اسی غلط فہمی کو واضح کرنے کو ہمیں پچھلے صفحات میں سماج اور ریاست کے ارتقا اور حکمرانی کی مختلف شکلوں کو تفصیل سے زیر بحث لانا پڑا ہے۔

مذکورہ بالا تمام تفصیلات سے یہ حقیقت بالکل واضح ہے کہ جمہوریت کا اگر کوئی تقابل ہو سکتا ہے تو وہ بادشاہت اور آمریت ہے نہ کہ خلافت۔ یہ تینوں نظام دراصل ایک ہی سوال کا جواب دیتے ہیں۔وہ یہ کہ وہ کیا بنیاد ہے جس پر کسی شخص کو ریاست کا حکمران بنایا جائے گا۔ بادشاہت کا جواب ہے کہ بادشاہ کا بیٹا بادشاہ بنے گا۔آمریت کا جواب ہے کہ جو زیادہ طاقت ور ہوگا، وہ جبراً اقتدار پر قبضہ کرلے گا۔جمہوریت کا جواب یہ ہے کہ جس کا انتخاب عوام الناس کریں گے، وہی حکمران بنے گا۔

اس کے برعکس خلافت ایسے کسی سوال کا جواب نہیں ہے، بلکہ مسلمانوں کی چودہ سو برس کی خلافت کی تاریخ میں تینوں طریقے ملتے ہیں۔خلافت راشدہ میں اس دور میں جو عوامی رائے عامہ کو جاننے کا ممکنہ طریقہ تھا، اس کے مطابق عوام کی مرضی کے عین مطابق، یعنی جمہوری

طریقے پر خلفاے راشدین کا انتخاب کیا گیا۔ جبکہ ان کے بعد ہمیں زبردستی اقتدار پر قبضہ کرنے والے لوگ بھی نظر آتے ہیں اور خاندانی بادشاہتیں بھی نظر آتی ہیں۔

اسی پس منظر میں ہم جمہوریت کے مخالفین سے یہ سوال دریافت کریں گے کہ وہ اپنے لیے اقتدار میں آنے کا کیا راستہ تجویز کرتے ہیں۔ وہ یقیناً عوام کی تائید سے اقتدار میں آنے کی بات تو کر نہیں سکتے، کیونکہ یہی جمہوریت ہے اور یہ ان کے نزدیک کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے حق میں وحی اتاریں، اس کا بھی کوئی امکان اب باقی نہیں رہا ہے۔ اس لیے یہ دروازہ بھی بند ہو چکا ہے۔ اب لے دے کر ایک ہی راستہ بچتا ہے اور وہ یہ کہ طاقت کے زور پر اقتدار پر قبضہ کر لیا جائے اور پھر بزور قوت لوگوں پر اپنا خود ساختہ فہم اسلام نافذ کر دیا جائے۔ یہی وہ راستہ ہے جسے خلافت کے سارے موئدین پیش کرتے ہیں۔ یہ کرنا ہے تو ضرور کیجیے۔ مگر اس حقیقت کو جان لیجیے کہ اسے آمریت کہتے ہیں۔ اسے استبداد کہتے ہیں۔ اسے ظلم کہتے ہیں۔

اس موقع پر ہم قرآن مجید کی آیات اس لیے نقل نہیں کریں گے کہ تیرہ سو برس آمریت کے سائے میں پلنے کے بعد ہم ان آیات کے مدعا کو ماننے پر اب شاید تیار نہیں۔ لیکن یہ بتانا ہماری ذمہ داری ہے کہ یہ نظریاتی آمریت وہ طریقہ ہے جسے اختیار کر کے کمیونسٹوں نے تمام وسط ایشیا کے مسلمانوں کو زبردستی کمیونزم کے شکنجے میں جکڑ دیا تھا۔ یہی وہ راستہ ہے جس پر چل کر کمال اتاترک نے ترکی کے مسلمانوں پر زبردستی سیکولرازم کو مسلط کیا تھا۔ کیا اس کے بعد ہمیں اس راستے کی شناعت اور غلط ہونے پر مزید کوئی تقریر کرنے کی ضرورت ہے؟

جو لوگ اس راستے کو درست سمجھتے ہیں، وہ دراصل پاکستان کی ہر اقلیت کو یہ اخلاقی جواز دے رہے ہیں کہ جس کو وہ حق سمجھتے ہیں، کسی بھی طرح اقتدار پر قبضہ کر کے اسے نافذ کر دیں۔ آپ نے اگر اپنے آپ کو یہ حق دے دیا ہے تو دوسرے لوگوں کو یہ حق خود بخود مل چکا ہے۔ پاکستان جیسے معاشرے میں جہاں مختلف فرقوں کے لوگ بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں، ایسے کسی راستے کے جواز کی باتیں کرنا ایک خوف ناک قسم کے فساد کو جنم دینے کے مترادف ہے۔

دین کے اجتماعی احکام

یہاں کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ ہم دین کے اجتماعی احکام کی نفی کر رہے ہیں۔ اس میں کسی شک کی گنجایش نہیں کہ جس طرح افراد کے لیے دین نے احکام دیے ہیں، ٹھیک ویسے ہی اس نے سیاست اور سماج کے پہلو سے بھی بہت سے احکام دیے ہیں۔ جہاد، حدود، نماز، زکوٰۃ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ریاستی سطح پر ترویج اور ان جیسے اور بہت سے احکام ہیں جن کا تعلق ریاست سے ہے۔

تاہم سوال یہ ہے کہ دین کے اجتماعی احکام اللہ تعالیٰ نے کیا حکمرانوں کو مخاطب کر کے دیے ہیں یا وہ اس لیے دیے گئے ہیں کہ کچھ لوگ زبردستی اقتدار پر قبضہ کر کے ان احکام کو اپنے فہم کے مطابق لوگوں پر زبردستی ٹھونس دیں؟ حقیقت یہ ہے کہ احکام اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو دیے ہی اس وقت تھے جب وہ حکمران بن چکے تھے۔ پھر اہم ترین بات یہ ہے کہ یہ احکام ان لوگوں کے لیے دیے گئے ہیں جنھوں نے پوری طرح ایمان کو سمجھ کر قبول کیا اور جو اپنی زندگی اللہ کی مرضی کے مطابق گزارنے کے لیے تیار ہیں۔ اسلام کے اجتماعی احکام ایسی رعایا کے حکمرانوں کو مخاطب کر کے دیے گئے

ہیں۔ان احکام کا کوئی تعلق اس بات سے نہیں کہ ایک اقلیتی گروہ اقتدار پر قبضہ کرے اور اپنے تصورات کو جنھیں وہ حق سمجھتا ہو، اسے اکثریت پر نافذ کردے۔

لیکن کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ان احکام کو اجتماعی زندگی سے بالکل نکال کر پھینک دیا جائے اور ہم اپنے اجتماعی معاملات اللہ کو چھوڑ کر انسانوں کی مرضی کے مطابق چلائیں۔ ہمارا ہر گز یہ مدعا نہیں ہے۔ ہمارا یہ یقین ہے کہ اسلام کی شریعت جس طرح آخرت میں فلاح کی ضامن ہے، وہ دنیا میں بھی کامیابی کا ذریعہ ہے۔ جس طرح افراد کے بارے میں اس کی رہنمائی بہترین نتائج دیتی ہے، اسی طرح اجتماعی زندگی میں بھی اسلام کے قوانین ہی بے مثل ہیں۔تاہم ان کو زندگی کا حصہ بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ اہل علم سماجی علوم اور دین میں گہرا تفقہ پیدا کردیں۔ دین میں تفقہ تو خود قرآن مجید کا تقاضا ہے اور سماجی علوم میں اس لیے کہ جدید سماج اپنے ارتقا کے بعد انتہائی پیچیدہ ہو چکا ہے۔ کم از کم اس کی مبادیات سے واقف ہونا لازمی ہے۔

اہل علم اور علما کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ عوام اور خواص، دونوں کو دین کی تعلیم دیں، ان کے شبہات و سوالات کا جواب دیں، انھیں خدا کے حضور پیشی سے ڈرائیں اور ان کو بتائیں کہ انھوں نے اللہ کی مرضی کے مطابق خود کو نہیں ڈھالا تو اس کے انتہائی بھیانک نتائج نکلیں گے۔ یہی اہل علم کے کرنے کا اصل کام ہے۔ علما میں سے کچھ اگر یہ سمجھتے ہیں کہ ان میں نظام حکومت کو چلانے کی بہتر صلاحیت ہے۔ اور یہ کہ وہ دوسروں سے زیادہ بہتر انداز میں سیاست کے ذریعے سے دین کی خدمت کر سکتے ہیں تو ان کا حق ہے کہ خود کو عوام کے سامنے پیش کریں۔ جمہوری طریقے سے عوامی تائید سے منتخب ہو کر اقتدار حاصل کریں اور جو تبدیلیاں وہ لانا چاہتے ہیں، وہ لائیں۔ تاہم اگر عوام کی اکثریت ہی اسلام کی اجتماعی سطح پر نفاذ کے قائل نہیں ہے تو ان پر بالجبر اسلام مسلط کرنے کے بجائے انھیں اس پر قائل کرنے کی کوشش کریں۔ یہی درست راستہ ہے۔

تاہم اس سب کے باوجود اگر کسی کی یہ رائے ہے کہ عوامی خواہشات کے برخلاف کوئی چیز اپنی دانست میں حق سمجھ کر دوسروں پر اس کا مسلط کرنا درست ہے تو پھر ہمیں یہ سمجھا دیں کہ اگر آج پاکستان کی کوئی اقلیت زبردستی اقتدار پر قبضہ کرکے اپنا نقطۂ نظر سب پر نافذ کردے تو یہ کیسے غلط ہوگا۔ کیونکہ وہ تو اپنی بات کو حق ہی سمجھتے ہیں۔

خلافت اور نیابت

خلافت و نیابت کا حضرت آدم (علیہ السلام) سے شروع ہو کر خاتم الانبیاء (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تک ایک ہی انداز سے چلتا رہا آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا زمانہ خلافت و نیابت تا قیامت ہے آپ کی وفات کے بعد نظام عالم کیلئے جو نائب ہوگا وہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا نائب ہوگا آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بعد نیابت زمین اور نظم حکومت کے لئے انتخاب کا طریقہ شروع ہو گیا یہ امت جسے خلافت کے لئے منتخب کردے وہ خلیفہ رسول کی حیثیت سے نظام عالم کا واحد ذمہ دار ہوگا اور خلیفہ سارے عالم کا ایک ہی ہو سکتا ہے۔ خلفاء راشدین کے آخری عہد تک سلسلہ خلافت صحیح اصول پر چلتا رہا اس لئے ان کے فیصلے ایک محکم دستاویز اور امت کے لئے حجت مانے جاتے تھے، کیونکہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کے متعلق ارشاد فرمایا: "علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین"۔ میری سنت کو لازم پکڑو اور خلفائے راشدین کی سنت کو

باب

جمہوری نظام

جمہوریت کی تعریف:

جمہوریت کا لفظ دو یونانی الفاظ Demo یعنی "عوام" اور Kratos یعنی "حکومت" سے مل کر بنا ہے، جمہوریت کے لغوی معنی "لوگوں کی حکمرانی" کے ہیں۔ یونانی مفکر ہیروڈوٹس کے مطابق "جمہوریت ایک ایسی حکومت ہوتی ہے جس میں ریاست کے حاکمانہ اختیارات قانونی طور پر پورے معاشرے کو حاصل ہوتے ہیں" اس کی تعریف یوں بھی ہوتی ہے کہ لوگوں کی "اکثریت کی بات ماننا" لیکن درحقیقت یہ "اکثریت کی اطاعت" کا نام ہے۔ جمہوریت ایک رویے کا نام ہے کہ کچھ لوگ عوام کی بہتری کے لئے کام کریں اور وہ عوام کی نمائندگی بھی کرتے ہوں، عوام نے ہی انکا انتخاب کیا ہو۔ سابق امریکی صدر ابراہم لنکن نے جمہوریت کی تعریف یوں کی ہے کہ "عوام کی حاکمیت، عوام کے ذریعے، عوام پر"، جمہورت کے چاہنے والے اس قول کو بار بار دہراتے ہیں [پاکستان میں نہیں]۔

عربی زبان میں شوریٰ کے معنی، اشارہ کرنا، مشورہ کرنا، اظہار رائے کرنا اور غور و خوض کرنا اور عربی لغت میں شہد کو چھتے سے نکالنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے مثلاً "شار العسل" اس نے چھتے سے شہد کو نچوڑا اس عمل کو شوریٰ کہتے ہیں۔

اصطلاحی تعریف:

جماعتی نوعیت کے جن امور کے متعلق قرآن وسنت میں واضح تصریح موجود نہ ہو امت مسلمہ ان پر آزادانہ رائے زنی کے ذریعے فیصلہ کرے۔

مغربی مفکرین کی جمہوریت کی تعریف

جمہوریت کو انگریزی زبان میں democracy کہا جاتا ہے۔ جو یونانی زبان کے دو الفاظ سے مل کر بنا ہے جس کے معنی عوام اور طاقت کے ہیں۔ اس لحاظ سے جمہوریت ایک ایسا نظام حکومت ہے جس میں اقتدار عوام کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اور ان کے منشاء کے مطابق حکومت فرائض انجام دیتی ہے۔

ماہرین نے جمہوریت کی مختلف انداز میں تعریفیں کی ہیں۔ چند مشہور تعریفیں مندرجہ ذیل ہیں۔

سیلے seeley نے جمہوریت کی تعریف کچھ یوں کی ہے:

''جمہوریت ایک ایسی طرز حکومت ہے جس میں ہر ایک شریک ہوتا ہے''

لارڈ برائنس کے خیال میں:

''جمہوریت وہ طرز حکومت ہے جس میں اختیارات ایک فرد واحد یا افراد کے ایک مخصوص طبقہ یا طبقات کی بجائے مواشرے کے تمام افراد کو بحیثیت مجموعی حاصل ہوتا ہے''

ابراہیم لنکن نے جمہوریت کی تعریف یوں کی ہے:

''جمہوریت عوام کی حکومت عوام کے زریعے اور عوام کی خاطر''

موجودہ جمہوریت اور اسلامی جمہوریت میں فرق

اور یہ عین آج کل کی جمہوریت ہے اور جمہوری طریقہ ہے کہ اکٹھے ہوگئے سمجھ دار قسم کے لوگ، یہ ایرے غیرے نہیں کیونکہ تمام لوگ بصیرت نہیں رکھتے جو سمجھتے نہیں کہ کیا چیز اچھی ہے اور کیا چیز اچھی نہیں ان کا وزن ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے آج کل کی جمہوریت میں اور اسلامی جمہوریت میں یہی فرق ہے اسلام اپنے نظام کا نام شورائی نظام رکھتا ہے اس کے لیے جمہوریت کا لفظ نہیں بولتا شورائی نظام کا مطلب ہے مشورے کے ساتھ کام کرو "وامر ھم شوری بینھم" اور مشورہ جب بھی لیا جاتا ہے تو سمجھ دار لوگوں سے لیا جاتا ہے جو مسئلہ درپیش ہو جو شخص اس کے متعلق بصیرت رکھتا ہے اس سے رائے لی جائے گی کہ اس میں کس طرح سے کریں۔

اور آج کل کی جو مغربی جمہوریت ہے اس میں ہر ایرے غیرے کو ووٹ دینے کا حق ملتا ہے چاہے وہ دائیں اور بائیں کا فرق نہیں کرتا جیسے کہ علامہ اقبال (رح) کہتے ہیں۔

بگریز از طرز جمہوری

یہ جو موجودہ طرز جمہوری ہے اس سے بھاگو، اس کی وجہ یہ ذکر کی کہ اس میں لوگوں کو گنا جاتا ہے ان کا وزن نہیں کیا جاتا کہ وزن دار شخص کون ہے؟ رائے کس کی وزنی ہے؟ یہاں لوگوں کو گنتے ہیں لوگوں کا وزن نہیں کرتے، اور پھر یہ بھی کہا کہ کسی پختہ کار کے متبع ہو جاؤ اور اس جمہوری طرز سے بھاگ جاؤ کیونکہ ایک انسان کا فکر دو سو گدھوں کے دماغ میں نہیں آسکتا ایک طرف تو ایک انسان ہو اور دوسری طرف دو سو گدھے ہوں اب اگر گنتی کروگے تو دو سو گدھے بڑھ گئے لیکن فکر انسانی دو سو گدھوں کے دماغ میں نہیں آسکتا اس لیے جو مسئلہ درپیش ہو اس میں جو پختہ کار لوگ ہیں ان سے مشورہ لو مشورہ لینے کے بعد اس کے مطابق عمل کرو، اب ایک طرف امام غزالی (رح) ہیں اور دوسری طرف پانچ بھیڑیں چرانے والے بیٹھیں ہیں یا پچاس کان کھودنے والے بیٹھے ہیں ایک طرف امام غزالی (رح) ہیں اور دوسری طرف اس قسم کے جاہل کہ ان کو علم کا پتہ ہی نہیں کہ ہوتا کیا ہے۔

اب ایک مسئلہ علمی پیش ہو جاتا ہے اب اگر ہاتھ اٹھانے سے فیصلہ کیا جائے گا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جاہل اس عالم کے اوپر غالب آ جائیں گے یہ جہالت جو ہے یہ علم کے اوپر غالب آ جائے گی کیونکہ اکثریت جو ہے وہ دنیا میں جاہلوں کی ہوتی ہے اس لیے افراد کے اعتبار سے اکثریت کا اعتبار نہیں ہے۔ان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل اللہ۔زمین کے اندر جو لوگ موجود ہیں اگر ان میں سے اکثریت کی اطاعت تم کرو گے تو یہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں گے وجہ کیا ہے کہ عادت یہی ہے، واقعہ یہی ہے کہ اکثریت جاہل ہوتی ہے اور اکثریت نادان ہوتے ہیں اور وہ اکثریت جس وقت فیصلہ دیں گے اگر ان کے فیصلہ کو مان لیا جائے تو وہ جہالت کا فیصلہ ہے تو اسلام نے اپنے نظام کی بنیاد اس پر رکھی ہے کہ جو لوگ سمجھ دار ہیں جو اس معاملہ میں بسیرت رکھتے ہیں ان سے رائے لو، مشورہ کرکے جو طے ہو جائے اس کے مطابق عمل کرو یہ شوائی نظام ہے سمجھ دار لوگوں سے مشورہ لیا جاتا ہے۔

نظام جمہوریت۔

یوں تو اسے عوام کی حکومت کہا جاتا ہے اور عوام کے نمائندے اپنی آزادانہ مرضی سے اپنا آئین بناتے ہیں اور حکومت اسی آئین کے مطابق نظام حکومت چلانے کی پابند ہوتی ہے۔لیکن اکثر ممالک میں جمہوریت برسراقتدار گروہ یا وہ گروہ جسے طاقت کا سرچشمہ سمجھا جاتا ہے'کی لونڈی کے سوا کچھ نہیں ہوتی۔ وہ آئین کو بھی موم کی ناک بنائے رکھتے ہیں اور جمہوریت کا نام لے لے کر اپنی خواہشات اور اپنی اغراض کے مطابق نظام حکومت چلاتے ہیں۔

بادشاہت اور آمریت میں تو یہ غلامی صاف نظر آتی ہے لیکن جہاں تک جمہوریت کا تعلق ہے'اس میں بھی سرچشمہ اقتدار عوام کو کہا جاتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ عوام کی مرضی سے چنے جانے والے لوگ انہی کی خواہشات کے مطابق قانون سازی کریں گے اور اسی قانون کی اطاعت تمام ملک کے رہنے والوں کو کرنی پڑے گی۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اب تک انسانوں نے جو نظام ہائے حکومت تشکیل دیے ہیں'ان کی بنیادی روح انسان کی غلامی یا اطاعت ہے۔

مروجہ جمہوریت کا دوسرا رخ:

جہاں مکمل طور پر آج جمہوریت نافذ ہے' وہاں یہ دیکھ کر انتہائی دکھ ہوتا ہے کہ عوام کے نام سے انسان کے سفلی جذبات اور خواہشات کی پیروی کی جارہی ہے۔ اخلاقیات کا جنازہ نکال دیا گیا ہے۔ان جرائم کو سند جواز عطا کردی گئی ہے' جن پر کبھی اللہ کا عذاب نازل ہو چکا ہے۔انسانی زوال کے بدترین ادوار میں بھی جن برائیوں کو کبھی جائز قرار نہیں دیا جاسکا۔آج باقاعدہ تالیوں کی گونج میں انھیں سند جواز دی جارہی ہے۔مرد و عورت کا ناجائز تعلق اور ناجائز اولاد قانونی اور اخلاقی طور پر عزت کے زینے چڑھتی ہوئی دکھائی دیتی ہے اور نکاح اور اس کے نتیجے میں حلال اولاد آہستہ آہستہ مغرب میں بوجھ سمجھی جانے لگی ہے۔ کسی بھی معاشرے میں جب مذہب نظر انداز ہوتا ہے تو اخلاقی حدود کا پامال ہونا یقینی ہو جاتا ہے اور جیسے جیسے اخلاقیات کا احترام ختم ہو جاتا ہے' ویسے ویسے لوگوں کی اکثریت خواہشات اور سفلی جذبات کی اسیر ہوتی جاتی ہے۔ جمہوریت میں فیصلے چونکہ اکثریت کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔اس وجہ سے ان کی آئینی کاوشیں' تہذیبی اظہار' سماجی رسوم اور ثقافتی علامتیں اخلاقی سطح سے گرتی چلی جارہی ہیں۔اس پوری

تفصیل سے ہمیں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اگر انسان کی عظمت انسانیت کی بقامیں ہے اور انسانیت اخلاقیات کی پابندی کا دوسرا نام ہے' تو پھر ہمیں ایک ایسے نظام کو اختیار کرنا ہوگا' جس میں سر چشمہ اقتدار اور سر چشمہ آئین و قانون عوام نہ ہوں بلکہ وہ ذات ہو جو انسانوں کی خالق ہے۔ جس نے انسانی فطرت وجبلت کو پیدا فرمایا۔ جو انسانی طبیعت اور اس کے مزاج کو سمجھتی ہے۔ وہ خوب جانتی ہے کہ انسانی زندگی کی اصلاح کن اصولوں کی پاسداری میں ہے۔ اور وہ کیا پابندیاں ہیں' جن کو اختیار کر لینے کے بعد انسانیت کا محفوظ سفر جاری رہ سکتا ہے۔ انسانوں کو حقوق بھی میسر آتے ہیں اور انسانی تہذیب بھی ترقی کرتی ہے۔ چونکہ خرابی کی ساری بنیاد انسانوں کے چند گروہوں کو غیر معمولی اختیارات کا مل جانا ہے اور یا تمام اچھے اور برے انسانوں کو ایک ہی سطح پر رکھ کر ان کی رائے کو یکساں وزن دے کر بنیادی فیصلوں میں انھیں شریک کرنا ہے۔ اسلام نے برائی کی اس بنیاد کو ختم کرنے کے لیے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے۔ حضرت ربعی ابن عامر (رض) نے رستم کے دربار میں نہایت اختصار کے ساتھ اسے تین باتوں کی صورت میں بیان فرمایا تھا۔ اللہ کے اس عظیم بندے نے ان تین باتوں کی شکل میں قرآن وسنت کا ست نکال لیا ہے۔ رستم نے پوچھا کہ آپ ہمارے ملک پر حملہ کرنے کے ارادے سے کیوں آئے اور وہ کیا دعوت ہے جو آپ پیش کر رہے ہیں۔ آپ نے پہلی بات کے جواب میں جو کچھ کہا' وہ اس وقت پیش نظر نہیں۔

پوری امت کا گمراہ ہونا تب لازم آتا جب وہ قدرت اور اختیار سے اس واجب کو ترک کرتی نہ کہ عجز اور اضطرار سے (اور خلافت عباسیہ ساتویں صدی ہجری میں ختم ہو گئی تھی' اور اسلامی حکومتیں مختلف ٹکڑوں میں بٹ گئی تھیں' اس وقت چالیس سے زیادہ اسلامی ملک ہیں' اور ان سب کا کسی ایک امت کے ماتحت ہونا بہ ظاہر ممکن نہیں ہے' اس لیے اس دور کے مسلمان امام کے قائم نہ کرنے میں معذور ہیں۔ ہم نے اس مسئلہ کی مفصل اور مکمل تحقیق "شرح صحیح مسلم" جلد خامس میں کی ہے) اور یہ حدیث ہر چند کہ خبر واحد ہے' تاہم اس کا محمل یہ ہے کہ خلافت کاملہ یا پے در پے خلافت متصلہ تیس سال تک رہے گی' کیونکہ اس کے بعد بنوامیہ اور بنو عباس میں خلفاء رہے ہیں۔ (شرح المقاصد ج ۵ ص' ۲۳۹۔ ۲۳۸ مطبوعہ منشورات الشریف الرضی' ایران' ۱۴۰۹ھ)

ڈکٹیٹر شپ اور مغربی جمہوریت

پرانے زمانے میں ملوکیت یا ڈکٹیٹر شپ عام تھی۔ بادشاہ مسلمان ہو یا غیر مسلم اس کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ قانون کی حیثیت رکھتا تھا جس کے خلاف نہ کوئی داد ہوتی نہ فریاد۔ بادشاہ کوئی بھی ملکی فیصلہ کرنے کے لیے کسی وزیر، مشیر، دانشور، عالم، فقیہ، سائنس دان کے مشورہ کا پابند نہیں ہوتا تھا اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ برسر اقتدار طبقہ غریب، رعایا پر ظلم وستم کا بازار گرم رکھتا اور انہیں اپنی آزادی کیلئے سوچنے کا موقع بھی نہ دیتا۔ آج بھی دنیا میں اس قسم کے نظام موجود ہیں جو حکومت کی پالیسی کے خلاف ایک لفظ تک سننا برداشت نہیں کرتے۔ ایسے لوگ ہوس ملک گیری میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اگر کسی کے مدمقابل آنے کا شبہ بھی پڑ جائے تو اس کو تہس نہس کر کے رکھ دیتے ہیں۔ روس، چین اور دیگر کمیونسٹ ممالک میں اسی قسم کی ڈکٹیٹر شپ رائج ہے کبھی روس اور چین مسلمانوں کے گڑھ ہوا کرتے تھے، مگر بے دین حاکموں نے ظلم وستم کی انتہا کر دی، وہاں کی مسجدیں ی گرا دی گئیں، کتابیں ضائع کر دیں اور دینی مدرسے ویران کر دیے۔ اب ان ممالک میں آزادی کی لہر پھر اٹھی ہے تو حکمران طبقہ کے بھی

ہوش ٹھکانے آنے لگے ہیں، ان کو بھی آزادی کی صبح طلوع ہوتی نظر آ رہی ہے ورنہ انہوں نے چینی ثقافتی انقلاب کے دس سال بڑی کسمپرسی میں گزرے، ملوکیت کے زمانے میں امریکہ میں بھی یہی کچھ ہوتا رہا ہے۔ سیاہ فارم مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جاتے رہے اس ملوکیت کی تاریخ ہی یہ رہی ہے کہ اپنے مقابلے میں نہ باپ بیٹے کو برداشت کرتا ہے اور نہ بیٹا باپ کو، بھائی بھائی کا جانی دشمن بن جاتا ہے اور ہوس اقتدار کے سوا ان کے نزدیک ہر چیز ہیچ ہوتی ہے۔

باب

ووٹ نہ دینے کا شرعی حکم

وہ امیدوار ووٹ دینا اپنی دنیا اور آخرت دونوں خراب کرنا ہے۔

○ وہ امیدوار جو بڑے بڑے گناہوں (زنا، شراب خوری، سود خوری وغیرہ) میں ملوث ہے اس کو ووٹ دینا اپنی دنیا اور آخرت دونوں خراب کرنا ہے۔

○ وہ امیدوار جو دین کے ضروری اعمال (نماز، روزہ وغیرہ) سے غافل ہو اس کو اپنا نمائندہ بنانا گناہ میں شریک ہونا ہے۔

○ وہ امیدوار جس کی پارٹی کا مقصد مذہبی نفرت پھیلانا ہو اس کو قطعی ووٹ نہ دیں۔ اس کو ناکام بنانا آپ کا دینی فرض ہے۔

○ وہ امیدوار جس کی پارٹی صوبائیت اور عصبیت کی دعوت دیتی ہو اس کو قطعی ووٹ نہ دیں۔ ایسی پارٹیاں لڑاؤ اور حکومت کرو کے اصول پر کام کرتی ہیں۔ اس کو ناکام بنانا آپ کا دینی فرض ہے۔

○ وہ امیدوار جس نے کبھی پاکستان کے خلاف کوئی بیان دیا ہو یا وہ ایسی پارٹی سے تعلق رکھتا ہو جو نظریہ پاکستان کے خلاف سوچ رکھتی ہے، چاہے وہ ہزار معذرتیں پیش کرے، اس کو بالکل ووٹ نہ دیں۔

○ وہ امیدوار جس کو کسی بھی جرم میں عدالت سے سزا ہو چکی ہو اس کو ووٹ بالکل نہ دیں۔

○ وہ امیدوار جس کی اپنے علاقے میں شہرت اچھی نہ ہو اس کو ووٹ نہ دیں۔ ایسے امیدوار سے اچھی امید لگانا عقلمندی نہیں ہے۔

○ وہ امیدوار جو اپنے مخالفوں کے لیے گندی اور بازاری زبان استعمال کرتا ہو اس کو قطعی ووٹ نہ دیں۔ اچھے اخلاق اچھا مسلمان ہونے کی علامت ہے۔

○ وہ امیدوار جس پر مالی بدعنوانیوں یا کسی اور جرم میں عدالتوں میں مقدمات چل رہے ہیں اس کو اپنا ووٹ دینے سے بچیں۔ ایسے لوگ منتخب ہو کر اپنا اثر ورسوخ اپنے جرائم چھپانے کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔

○ وہ امیدوار جو بیک وقت دو حلقوں سے الیکشن لڑ رہا ہے اس کو ووٹ ہرگز نہ دیں۔ ایسے امیدوار کا ایک ہی مقصد ہے، صرف انتخابات میں کامیابی۔ آپ اس کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتے!

○ وہ امیدوار جو آپ کے علاقے سے پہلے بھی منتخب ہوا اور کوئی کام نہیں کیا اس کو اپنا ووٹ دوبارہ دینا بیوقوفی ہے۔ مومن ایک سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جاتا!

○ وہ امیدوار جو پہلے بھی دو بار الیکشن میں ہار چکا ہو اس کو ووٹ نہ دیں۔ ایسا امیدوار عادی سیاستدان ہے جس کا مقصد اپنی ذات کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔

○ وہ امیدوار جو تعلیمی اعتبار سے بہت کم ہو یا ان پڑھ ہو اس کو ووٹ قطعی نہ دیں۔

○ وہ امیدوار جس کے آمدنی کے ذرائع معلوم نہ ہوں اس کو ووٹ نہ دیں۔ صرف چور اور لٹیرے ہی اپنے ذرائع آمدنی چھپاتے ہیں۔

○ وہ امیدوار جو موروثی اور خاندانی سیاستدان ہو اس کو اپنا ووٹ دینا عقلمندی نہیں۔ ایسا امیدوار صرف اپنا اثر ورسوخ قائم رکھنے کے لیے انتخابات میں حصہ لیتا ہے۔ خدمت اس کا مقصد نہیں ہوتا۔

○ وہ امیدوار جس کی بیوی، بچے اور بھائی وغیرہ بھی انتخابات میں کھڑے ہیں آپ کے ووٹ کا حق دار نہیں۔ خاص طور پر جب یہ مختلف پارٹیوں سے کھڑے ہوئے ہیں۔ ایسے لوگ صرف پیسے اور منصب کے بھوکے ہوتے ہیں۔

○ ایسی پارٹی کا امیدوار جو ایک علاقے یا صوبے تک محدود ہو اس کو ووٹ نہ دیں۔ امیدوار ایسی پارٹی سے ہو جس کے امیدوار پورے پاکستان کے ہر صوبے سے الیکشن میں حصہ لے رہے ہوں۔

○ وہ امیدوار جو اپنی حفاظت کے لیے باڈی گارڈ رکھنے پر مجبور ہو اس کو بھی ووٹ قطعی نہ دیں۔ جو اپنی جان کے خوف میں مبتلا ہو وہ اپنے حلقے میں کبھی آنا جانا نہیں کر سکے گا۔ آپ کا اس سے خدمت کی توقع لگانا نادانی ہے۔

○ ایسی پارٹی کا امیدوار جس کی قیادت کے قول و فعل میں تضاد ہو اس کو اپنی نمائندگی کا حق بالکل نہ دیں۔

○ وہ امیدوار جس نے اپنا سرمایہ ملک سے باہر رکھا ہو اس کو قطعی ووٹ نہ دیں۔ اس کو پاکستان سے کوئی تعلق نہیں!

○ وہ امیدوار جس کے پاس پاکستان کے علاوہ کسی اور ملک کی شہریت بھی ہو اس کو قطعی ووٹ نہ دیں۔ وہ صرف اپنے ذاتی مفادات کے لیے الیکشن میں کھڑا ہوا ہے۔

جس نے اللہ تعالیٰ کے دین میں تغیر و تبدل کیا یا ایسی بدعت کا ارتکاب کیا جس سے اللہ تعالیٰ راضی نہ ہو اور نہ اس کے بارے اللہ تعالیٰ اجازت دے تو وہ حوض سے بھگائے جانے والوں میں سے ہوگا اور اس سے دور رہنے والوں میں سے ہوگا جن کے چہرے سیاہ ہوں گے اور ان میں سب سے زیادہ مطرود اور بعید وہ ہوگا جس نے جماعت مسلمین سے اختلاف کیا اور ان کے راستہ سے علیحدہ ہوگیا جیسا کہ خوارج اپنے مختلف فرقوں کی بناپر اور روافض اپنی واضح گمراہی کی بناپر اور معتزلہ طرح طرح کی خواہشات اور ہوس پرستی کی بناپر، یہ تمام کے تمام دین میں تبدیلی لانے والے اور بدعت کا ارتکاب کرنے والے ہی اور اسی طرح وہ ظالم جو ظلم وستم میں حق مٹانے میں اہل حق کو قتل اور ذلیل ورسوا کرنے میں انتہائی زیادتی کرنے والے ہیں اور وہ جو اعلانیہ گناہ کبیرہ کرنے والے ہیں اور جو معاصی اور گناہوں کو حقیر اور ہلکا سمجھنے والے ہیں اور راہ حق سے انحراف کرنے والوں خواہش پرستوں اور بدعت کا ارتکاب کرنے والوں کی جماعت، ان تمام کے بارے میں یہ اندیشہ ہے کہ وہی اس آیت سے مراد ہوں، اور مثال اسی طرح ہے جو ہم نے بیان کردی ہے، کسی کو ہمیشہ کے لئے جہنم میں نہیں رکھا جائے گا سوائے اس انکار کرنے والے کافر کے جس کے دل میں رائی کے دانے برابر بھی ایمان نہ ہوگا۔

موجودہ دور کے منافقین اور موجودہ سیاست

موجودہ دور کے منافقین بھی ظاہر و باطن دونوں میں متر دد ہیں۔ اس لئے ایک بھائی اگر ایک پارٹی میں ہے تو دوسرا کسی اور پارٹی میں ہے۔ جو بھی پارٹی غالب آ گئی تو ہمارا کام بنتا رہے گا۔ (یقدم رجلا و یاخر اخری) یعنی ایک قدم ایک طرف اٹھا کر دوسرا قدم رکھنے اور نہ رکھنے میں متر دد ہے۔ باطن میں کہتے ہیں کہ اسلام کا قانون نافذ ہو جاتا تو اچھا تھا، لیکن مفادات ہیں کیا کریں۔ ان کو چھوڑ نہیں سکتے، اسمبلی میں بھی مخالفت کرتے ہیں اور ووٹنگ کے وقت بھی بھاگ جاتے ہیں۔ ہمیں بھی ووٹ نہیں دیتے، دوسروں کو بھی نہیں دیتے، امیدوار پھر ان کو کمروں سے اٹھا کر لاتے ہیں کہ ان کی مجبوری ہے تو یہ منافقت نہیں تو اور کیا ہے؟

اسی طرح پاکستان میں اسلام کو خطرہ عیسائیت یا بدھ مت سے نہیں، بلکہ منافقین سے زیادہ خطرہ ہے۔ یہ منافق آپ کو پھر فریب دینا چاہتے ہیں۔

یورپ اور افریقہ میں بھی سچے اور باکردار شخص کا انتخاب

آج برطانوی قوانین جنھیں ہم فالو کرتے ہیں یا جہاں سے ہمارے قوانین اخذ کیے گئے ہیں اُن کے مطابق وہاں کا وزیر اعظم صادق اور امین ہونا چاہیے۔ حتیٰ کہ برطانوی ہاؤس آف لارڈز میں پہنچنے والے ہر شخص میں سے کوئی ایک بھی سزا یافتہ نہیں ہوتا۔ آپ پورے یورپ کی مثالیں اُٹھا کر دیکھ لیں جہاں جہاں جمہوریت ہے وہاں ایسا تصور بھی موجود نہیں کہ کوئی ایسا شخص اقتدار پر بیٹھا ہو جس پر کئی کیسز بھی چل رہے ہوں۔ اگر کہیں آرٹیکل 62، 63 جیسا قانون لاگو نہیں ہے تو اُن میں افریقی ممالک سرفہرست ہیں، اور کئی ممالک میں تو آرٹیکل 62 یا 63 نام کی کوئی چیز ہی نہیں ہے، کیوں کہ وہاں یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ اعلیٰ عہدوں پر فائز لوگ قانون سے بالا کوئی کام نہیں کریں گے اور کریں گے تو خود بخود قانونی احتساب کی زد میں آجائیں گے۔

تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔

تاریخ میں یہ کہیں نہیں ملتا کہ جو لیڈر جمہوری طریقے سے منتخب ہوا وہ پاکباز اور سچا نہیں تھا، ہاں بعد میں اگر وہ کرپٹ ہو گیا یا دولت کے نشے نے اُسے اندھا کر دیا یا وہ اپنوں کو نوازتا رہا تو یہ ایک الگ بات ہے، اس کی بھی مثالیں دنیا میں موجود ہیں جن میں یوگینڈا کے عیدی امین، تھائی لینڈ کے تھاکسین اور انڈونیشیا کے سابق صدر جنہوں نے کرپشن اور قتل و غارت گری کے ریکارڈ قائم کیے۔

حضور اکرم نورِ مجسم ﷺ کا ارشاد پاک ہے۔ "لَاایمَانَ لِمَنْ لَّااَمَانَۃَ لَہٗ وَلَادِیْنَ لِمَنْ لَّا عَھْدَ لَہٗ" اس کا ایمان نہیں جو امانت دار نہیں اور اس کا دین نہیں جو وعدے کی پاسداری نہ کرے"۔

حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا "میری امت اس وقت تک بھلائی پر رہے گی جب تک وہ امانت کو مالِ غنیمت اور صدقہ کو تاوان نہ سمجھے"

آج بھی اگر حکمران لوٹی ہوئی دولت واپس خزانے میں جمع کروادیں تو معاملہ ٹھیک ہو سکتا ہے

آپ ﷺ کا ارشاد پاک ہے۔ "جس نے تجھے امین بنایا اس کو اس کی امانت واپس کردے جس نے تیرے ساتھ خیانت کی لیکن تو اس کے ساتھ خیانت نہ کر"۔ (مکاشفۃ القلوب)

تاریخ میں صادق اور امین امیدوار کا انتخاب

اس حوالے سے جب میں نے دنیا میں جمہوریت کی تاریخ کو کھنگالا تو معلوم ہوا کہ 5 سو سال قبل مسیح میں بھی جب کونسل اور اسمبلی کا وجود ہوتا تھا تو اُس وقت بھی عوام ایسے قائد کو منتخب کیا کرتے تھے جو نسبتاً دوسرے لوگوں سے ایماندار، صاف گو اور ذہین ہوتے تھے۔ پھر رومن ایمپائر وجود میں آئی، ہندوستان میں پنچایت سسٹم وجود میں آیا، جرمن قبائلی نظام بنا، آئس لینڈ کی پارلیمنٹ بنی، ان سب میں ایک چیز مشترک تھی کہ چنا جانے والا شخص ذہین اور ایماندار ہو تاکہ لوگ اُس کی تقلید کریں۔

تاریخ میں یہ کہیں نہیں ملتا کہ جو لیڈر جمہوری طریقے سے منتخب ہوا وہ پاکباز اور سچا نہیں تھا، ہاں بعد میں اگر وہ کرپٹ ہو گیا یا دولت کے نشے نے اُسے اندھا کر دیا یا وہ اپنوں کو نوازتا رہا تو یہ ایک الگ بات ہے، اس کی بھی مثالیں دنیا میں موجود ہیں جن میں یوگینڈا کے عیدی امین، تھائی لینڈ کے تھاکسین اور انڈونیشیا کے سابق صدر جنہوں نے کرپشن اور قتل و غارت گری کے ریکارڈ قائم کیے۔

ہندوستان میں مغل دور حکومت میں ایسے ایسے نالائق حکمران مسلط رہے جنھیں رعایا سے زیادہ اپنے اقتدار کی فکر لگی رہتی تھی، پھر ان کا جو حال ہوا، تاریخ کا ہر طالب علم اس سے واقف ہے۔ مطلب یہ کہ اگر آپ جمہوری حکمرانی کے حامی نہیں ہیں تو آپ کا حال بیشتر مغل شہنشاہوں جیسا ہوتا ہے۔

62 اور 63 کی شق کے حوالے سے تو جب پوری دنیا میں جہاں جہاں جمہوریت ہے وہاں وہاں سبھی قائدین پر وہاں کے قانون کے مطابق صادق اور امین ہونا لازم ہے تو یہاں کیوں نہیں ہو سکتا، قانون تو بنا دیا گیا مگر اداروں کے کمزور ہونے کی وجہ سے اس پر عملدرآمد مشکل ہو گیا۔ میرے خیال میں تو آرٹیکل 62 صرف پارلیمنٹیرینز کے علاوہ جنرلز، ججز، جرنلسٹس اور بیوروکریٹس پر بھی لاگو ہونا چاہیے۔ وہ اس آرٹیکل کے احاطے سے کیوں باہر ہیں۔ کیا ان کے بارے میں فرض کر لیا گیا ہے کہ وہ تو ہوتے ہی راست گو، ایماندار، فسق و فجور سے پاک اور پابندِ صوم و صلوۃ۔ یا ان کے لیے یہ سب ہونا اتنا ضروری نہیں، ان سب کو قانون کے تحت لانے کیلئے قانون سازی کی ضرورت ہے۔

الیکشن کمیشن پابند ہے کہ وہ کسی بھی امیدوار کے بارے میں یہ اطمینان کرے کہ وہ آرٹیکل 62 میں صادق اور امین کی شرائط پر پورا اترتا ہے۔ گویا یہ تو طے ہے کہ کمیشن کے ارکان اور کاغذات کی جانچ پڑتال کرنے والے پریزائیڈنگ افسر صادق اور امین ہیں۔

اس فرسودہ نظام میں جہاں ہر سرکاری عہدہ رکھنے والے کو صادق اور امین ہونا چاہیے وہاں جھوٹے، کرپٹ افسران کو لگا دیا گیا ہے، ہم اکثر و بیشتر مغربی ممالک کی برائی کرتے نہیں تھکتے۔ میں اکثر ان ممالک میں آتا جاتا رہتا ہوں لیکن میں نے ان ممالک کے بارے میں ایک ہی چیز اخذ کی ہے کہ مغربی معاشروں میں تو جھوٹ بولنا ایک مسلمہ برائی ہے۔ صدر نکسن جیسا مدبر، مفکر اور منفرد حکمران محض ایک جھوٹ بولنے کی وجہ سے امریکی صدارت سے فارغ ہو گیا۔

آرٹیکل 62، 63 کو آئینِ پاکستان سے نکالنے کی کوششوں کو ناکام بنانا ہو گا عین ممکن ہے ایک ایسا حکمران ہمارے اوپر نہ آجائے جو کہ مال کے ساتھ ہمارے دین کو بھی ملکی سلامتی کا بھی سودا کر دے۔ لیکن میں قارئین سے یہ سوال ضرور کرتا ہو کہ جس کرپٹ ترین معاشرے میں کھربوں ڈالر کی کرپشن ہوئی ہو، وہاں ان لوگوں کو پھر حکمران اور امام بنا کر اپنے ووٹ سے انتخاب نہ کریں۔ اور کرپشن کرنے والوں لٹیروں کو دوبارہ اقتدار کے ایوانوں میں نہ بھیجیں۔ اپنے ووٹ کی قدر کریں

زہر الریاض میں ہے کہ قیامت کے روز انسان کو لایا جائے گا۔ اسے اللہ کے حضور پیش کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے فلاں کی امانت ادا کی تھی؟ وہ کہے گا اے میرے "خالق نہیں"۔ اللہ پاک حکم دے گا اور فرشتہ اسے واصل جہنم کرے گا اسے امانت کو دوزخ میں رکھا ہوا دکھایا جائے گا وہ اس طرف ستر سال تک گرتا رہے گا پھر وہ واپس لوٹے گا کنارے پر پاؤں پھر پھسل جائے گا پھر گرے گا۔ بالآخر آ قا ﷺ کی شفاعت سے اللہ پاک اس پر کرم فرمائے گا اور امانت والا راضی ہو جائے گا۔ (مکاشفۃ القلوب)

نا اھل کو ووٹ نہ دینے کیلئے قسم توڑنا جائز ھے ۔

جو الیکشن کے دوران میں لوگ قسم دیتے دلاتے ہیں کہ ووٹ ہمیں دوگے تو اگر وہ شخص شرعا ووٹ کا مستحق نہ ہو تو اس قسم کو توڑ دینا چاہیے اور نا اہل کو ووٹ نہ دینا چاہیے۔ تبیان القرآن، سعیدی صاحب

جھوٹی گواہی دے کر مستحق لعنت و عذاب

اسی طرح اسمبلیوں اور کونسلوں وغیرہ کے انتخاب میں کسی امیدوار کو ووٹ دینا بھی ایک شہادت ہے، جس میں ووٹ دہندہ کی طرف سے اس کی گواہی ہے کہ ہمارے نزدیک یہ شخص اپنی استعداد اور قابلیت کے اعتبار سے بھی اور دیانت وامانت کے اعتبار بھی قومی نمائندہ بننے کے قابل ہے۔

اب غور کیجئے کہ ہمارے نمائندوں میں کتنے ایسے ہوتے ہیں جن کے حق میں یہ گواہی سچی اور صحیح ثابت ہوسکے، مگر ہمارے عوام ہیں کہ انہوں نے اس کو محض ہارجیت کا کھیل سمجھ رکھا ہے۔ اس لئے ووٹ کا حق کبھی پیسوں کے عوض میں فروخت ہوتا ہے کبھی کسی دباؤ کے تحت استعمال کیا جاتا ہے کبھی ناپائیدار دوستوں اور ذلیل وعدوں کے بھروسہ پر اس کو استعمال کیا جاتا ہے۔

اور تو اور لکھے پڑھے دیندار مسلمان بھی انا اہل لوگوں کو ووٹ دیتے وقت کبھی یہ محسوس نہیں کرتے کہ ہم یہ جھوٹی گواہی دے کر مستحق لعنت و عذاب بن رہے ہیں۔

سفارش:

نمائندوں کے انتخاب کے لئے ووٹ دینے کی ازروئے قرآن ایک دوسری حیثیت بھی ہے جس کو شفاعت یا سفارش کہا جاتا ہے کہ ووٹ دینے والا گویا یہ سفارش کرتا ہے کہ فلاں امیدوار کو نمائندگی دی جائے اس کا حکم قرآن کریم کے الفاظ میں پہلے بیان ہوچکا ہے۔ ارشاد ہے:

(آیت) "ومن یشفع شفاعۃ حسنہ یکن لہ نصیب منھا ومن یشفع شفاعۃ سیئۃ یکن لہ کفل منھا"۔ تفسیر نکات القرآن۔

یعنی جو شخص اچھی اور سچی سفارش کرے گا تو جس کے حق میں سفارش کی ہے اس کے نیک عمل کا حصہ اس کو بھی ملے گا، اور جو شخص بری سفارش کرتا ہے یعنی کسی نااہل اور برے شخص کو کامیاب بنانے کی سعی کرتا ہے، اس کو اس کے برے اعمال کا حصہ ملے گا۔

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ امیدوار اپنے کار کردگی کے پنج سالہ دور میں غلط اور ناجائز کام کرے گا ان سب کا وبال ووٹ دینے والے کو بھی پہنچے گا۔

ووٹر جو نا اهل کو اهل قرار دیں گے برابر کے مجرم هوں گے

عوام نے جن بے دین اور نااہل لوگوں کو ووٹ دے کر اسمبلی میں پہنچایا' یا جنہوں نے خلاف شرع قانون سازی کی' وہ بھی برابر کے مجرم ہیں۔ اس لیے جو لوگ غیر متدین اور غیر صالح لوگوں کو ووٹ دے کر اسمبلی میں پہنچائیں گے' وہ بھی برابر کے مجرم ہوں گے۔ اس لیے نااہل شخص کو ووٹ دینا بالکل جائز نہیں ہے۔ یہ اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کے ساتھ خیانت ہے' ظلم ہے' اور خلاف شرع قانون بنانے کا ذریعہ ہے۔ تبیان القرآن، سعیدی

رشتہ دار اور کسی عزیز یا برادری ازم پر ووٹ دینے کی ممانعیت:

امیدوار اگر ہماری برادری یا قبیلے کا ہے تو ہمارے ووٹ پر اس کا حق بنتا ہے۔ یا امیدوار ہماری اپنی پارٹی کے ٹکٹ پر کھڑا ہوا ہے تو اس کو ووٹ دینا امیر کا حکم ہے۔ اس کی صلاحیت اور امانت و دیانت قابل اعتماد نہیں ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ رشتہ داروں کا حق ادا کرنا اور امیر کی اطاعت کرنا بھی اللہ کا ہی حکم ہے۔ اس مسئلہ کا حل سورۃ النساء کی آیت نمبر۔ 135 میں موجود ہے جہاں ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ انصاف پر قائم رہو خواہ وہ ہمارے اپنے یا والدین یا قرابت داروں کے خلاف ہو۔ اس کے علاوہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا فرمان ہے کہ کسی کی بھی کوئی اطاعت نہیں ہے اللہ کی معصیت میں۔ یعنی اگر کسی رشتہ دار کا حق ادا کرنے سے یا امیر کی اطاعت کرنے سے اللہ کے کسی حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہے تو یہ دونوں چیزیں ساقط ہو جائیں گی اور اللہ کا حکم قائم رہے گا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کہیں فلاں پارٹی کی حکومت نہ بن جائے اس لیے کم برائی والے (LESSER EVIL) کو ووٹ دے دو۔ یہ خود فریبی ہے۔

کسی کی حکومت کے آنے یا نہ آنے کے متعلق قیامت میں ہم سے جواب طلب نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس پر ہمارا اختیار نہیں ہے۔ وہاں ہم سے صرف یہ پوچھا جائے گا کہ ایک اہل اور دیانتدار شخص کے حق میں ووٹ کیوں نہیں دیا تھا یا ایک نااہل اور بددیانت کو ووٹ کیوں دیا تھا۔

جن ممالک میں مسلمانوں کی اکثریت ہے وہ دل سے چاہتے ہیں کہ ان کے ملک میں اسلامی نظام نافذ ہو، مگر جب حکومت منتخب کرنے کا وقت آتا ہے تو ہمیشہ غلط فیصلہ کرتے ہیں۔ مولانا کا ارشاد ہے کہ اسمبلی کا ممبر اس شخص کو چُنو جو کتاب اللہ کا عالم اور حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سنت اور خلفائے راشدین (رض) کے دور کو سب سے زیادہ جاننے والا ہو۔ جو شخص کتاب و سنت اور آثار صحابہ سے واقف نہیں، وہ اسلامی نظام کیسے لائیگا ممبر ایسا ہونا چاہیے۔ جو قومی مفاد پر ذاتی مفاد کو قربان کردے۔ اس کے دل میں خدا کا خوف ہو اور آخرت میں محاسبے کا ڈر ہو۔ صرف ایسے لوگ ہی اللہ کا قانون جاری کر سکتے ہیں۔ وہ جب پارلیمنٹ میں جائیں تو سربراہ بھی صحیح منتخب کریں گے اور قانون بھی ٹھیک ٹھیک وضع کریں گے۔

حکومت کا کالا اقدام اور یھودیوں نصانیوں کادباؤ

’نواز شریف حکومت نے یہودیوں نصانیوں کے دباؤمیں آ کر اپنے ایمان کو خیر باد کہہ دیا ہے۔ رسول ﷺ کے ساتھ خلوص کو خیر باد کہہ دیا ہے، جو حکومتی لوگ اسکے ذمہ دار ہیں ان کے منافق بے ایمان ہونے میں کوئی شک نہیں۔ مسلمانوں پر فرض ہے کہ ان عالمِ کفر کے نمائندوں کا تختہ الٹ دیں۔ ان کی جگہ محمدِ عربی ﷺ کے سچے غلاموں کی حکومت لائیں۔ اور اس ملک کو بین الاقوامی یہود ونصری کے نرغے سے محفوظ کریں۔ اور یہاں پیغمبرِ اسلام ﷺ کا پیارا نظام نافذ ہو۔

’غازیٔ ملت ممتاز قادری شہید رضی اللہ عنہ کی پھانسی دینے کی جلدی مچائی گئی تو اب آسیہ ملعونہ کو رہا کرکے مغرب کے حوالے کرنے کی مہم تیزی پکڑ گئی ہے۔ آسیہ ملعونہ کی رہائی کیلئے سرگرم عیسائی رہنما شمعون گل کے مطابق آسیہ ملعونہ کی جان کو خطرہ ہے، پوپ پاکستان آئے گا تو نواز حکومت آسیہ ملعونہ کو رہا کردے گی۔ وفاقی وزیر کامران مائیکل کا کہنا ہے آسیہ ملعونہ کی آزادی پاکستان بھر کے عیسائیوں کیلئے خوشی کا باعث ہو گی اور پوپ کی بات کو ٹالنا حکومت کیلئے آسان نہ ہو گا کیونکہ یورپی یونین کے ساتھ اچھے تعلقات نہ رہ سکیں گے‘۔

خلاصہ کلام

ووٹ ایک امانت اور فیصلہ ہے۔ رہا بائیکاٹ تو وہ حالات پر مبنی ہے۔ امیدوار کی اہلیت: کسی ممبری کے انتخابات کے لئے جو امیدوار کی حیثیت سے کھڑا ہو وہ گویا پوری ملت کے سامنے دو چیزوں کا مدعی ہے ایک یہ کہ وہ اس کام کی قابلیت رکھتا ہے جس کا امیدوار ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ دیانت وامانت داری سے اس کام کو انجام دے گا۔ اب اگر واقعی وہ اپنے اس دعویٰ میں سچا ہے یعنی قابلیت بھی رکھتا ہے اور امانت و دیانت کے ساتھ قوم کی خدمت کے جذبہ سے اس میدان میں آیا تو اس کا یہ عمل کسی حد تک درست ہے اور بہتر طریقہ یہ تھا کہ کوئی شخص خود مدعی بن کر کھڑا نہ ہو بلکہ مسلمانوں کی کوئی جماعت انکو اس کام کا اہل سمجھ کر نامزد کردے اور جس شخص میں اس کام کی صلاحیت ہی نہیں وہ اگر امیدوار ہو کر کھڑا ہو تو یہ بات ہر گز مناسب نہیں بلکہ حقیقت میں وہ اہلیت ہی نہیں رکھتا ہے۔ اس کا ممبری میں کامیاب ہونا ملک وملت کے لئے خرابی کا سبب تو بعد میں بنے گا پہلے تو وہ خود پوری قوم کا مجرم ہو کر عذاب جہنم کا مستحق بن جائیگا۔ اب ہر وہ شخص جو کسی مجلس کی ممبری کے لئے کھڑا ہوتا ہے اگر اس کو کچھ آخرت کی بھی فکر ہے تو اس میدان میں آنے سے پہلے خود اپنا جائزہ لے لے اور یہ سمجھ لے کہ اس ممبری سے پہلے تو اس کی ذمہ داری صرف اپنی ذات اور اپنے اہل و عیال ہی تک محدود تھی لیکن کسی مجلس کی ممبری کے بعد جتنی خلق خدا کا تعلق اس مجلس سے وابستہ ہے ان سب کی ذمہ داری کا بوجھ اس کی گردن پر آتا ہے اور وہ دنیا و آخرت میں اس ذمہ داری کا جواب دہ ہے۔ ووٹرز کی ذمہ داری: جب یہ بات واضح ہو گئی کہ ووٹ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ تو خود بخود ظاہر و ثابت ہو گیا کہ اگر ووٹر نے ووٹ کو جو شہادت و گواہی ہے، چھپایا یا جھوٹ بولا یا معاوضہ لیا تو جرم وگناہ ہو گا۔ للذا ووٹر کی ذمہ داری ہے کہ وہ شہادت و گواہی دے لیکن مستحق کے حق میں۔ وہ سفارش کرے لیکن نیک و باکردار کے حق میں وہ وکالت کرے لیکن ایسے امیدوار کی جس کے دل میں خوفِ خدا اور عشقِ رسول ﷺ نہ ہو انکو ووٹ نہ دیا جائے۔

قائداعظمؒ اور اسلامی جمہوریت

قائداعظمؒ پیشے کے اعتبار سے وکیل تھے۔ان کی تربیت ''قانون کی حاکمیت'' کے اصول کے تحت ہوئی تھی۔وہ شخصیتوں کی حکمرانی کی بجائے قانون کی حاکمیت پر یقین رکھتے تھے۔چنانچہ جمہوریت ان کیلئے عقیدے کی حیثیت رکھتی تھی۔اگرچہ اُنہوں نے یہ ظاہر نہیں کیا کہ وہ پارلیمانی نظام جمہوریت کو زیادہ پسند کرتے تھے یا صدارتی نظام جمہوریت کو۔تاہم بنیادی امور و معاملات کے بارے میں ان کے خیالات اور ان کی رائے بالکل واضح تھی۔وہ کامل یقین رکھتے تھے کہ حکومت عوام کے براہ راست انتخاب کردہ نمائندوں کو بنانی چاہئے' شہریوں کو بنیادی حقوق کے تحفظ کی ضمانت ہونی چاہئے اور یہ کہ عدلیہ کو عاملہ سے آزاد ہونا چاہئے۔اپنے اس ذہنی پس منظر اور نقطۂ نظر کے ساتھ قائداعظمؒ نے اسلام کا مطالعہ کیا اور اس اطمینان بخش نتیجے پر پہنچے کہ عمر بھر وہ جن اصولوں کی علمبرداری کرتے رہے ہیں' اسلامی جمہوریت کی بنیاد بھی انہیں اصولوں پر قائم و دائم ہے۔قائداعظمؒ اسلام کے محقق یا ماہر خصوصی نہیں تھے اور اسی لئے اُنہوں نے یہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی کہ اسلامی اصولوں کو تاریخ میں آنے والی حقیقتوں نے کس طرح اور کیونکر تباہ و برباد کردیا۔ان کا مقصد اسلامی جمہوریت کے اصولوں کا احیاء تھا، اسلامی تاریخ کی پیچیدگیوں کی تشریح نہیں تھا۔قائداعظمؒ بخوبی آگاہ تھے کہ اسلام کی وساطت سے رسول اکرمؐ نے دنیائے عرب میں ایک دینی و سیاسی انقلاب کی تکمیل کردی تھی۔منتشر و متحارب قبائل باہم متحد ہوگئے اور عرب ایک واحد جماعت یعنی امت کی حیثیت میں دنیا میں ابھرے۔

قائداعظمؒ نے کراچی بارایسوسی ایشن کو 25 جنوری 1948ء کو خطاب کرتے ہوئے پیغمبر اسلامؐ کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا۔اُنہوں نے فرمایا:۔''تیرہ سو سال قبل ہی حضورؐ نے جمہوریت کی بنیاد رکھ دی تھیں۔رسول اکرمؐ عظیم مصلح تھے۔عظیم رہنما تھے۔عظیم واضع قانون تھے۔عظیم سیاست دان تھے اور عظیم حکمران تھے۔۔۔۔۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جب ہم اسلام کی بات کرتے ہیں تو بہت سے لوگ اسے پسند نہیں کرتے۔اسلام رسوم' روایات اور روحانی تصورات کا مجموعہ نہیں ہے' اسلام ہر مسلمان کیلئے ضابطہ حیات بھی ہے جس کے مطابق وہ اپنی روز مرہ زندگی' اپنے افعال و اعمال اور حتیٰ کہ سیاست و معاشیات اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں بھی عمل پیرا ہوتا ہے۔اسلام سب کیلئے انصاف' رواداری' شرافت' دیانت اور عزت کے اعلیٰ اصولوں پر مبنی ہے۔توحیدِ ربانی اور مساواتِ انسانی اسلام کے بنیادی اصول ہیں۔اسلام میں انسان، انسان میں کوئی فرق نہیں ہے۔مساوات' آزادی اوراخوت اسلام کے اساسی اصول ہیں''۔اسلامی جمہوریت کے بنیادی اصولوں کی وضاحت قائداعظمؒ نے سبی دربار (بلوچستان) میں 14 فروری 1948ء کو اپنی تقریر میں یوں کی:۔''میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات کا واحد ذریعہ اس سنہری اصولوں والے ضابطہ حیات پر عمل کرنا ہے جو ہمارے عظیم واضع قانون' پیغمبر اسلامؐ نے ہمارے لئے قائم کر رکھا ہے۔ہمیں اپنی جمہوریت کی بنیادیں سچے اسلامی اصولوں اور نظریوں پر رکھنی چاہئیں۔اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے ''مملکت کے امور و مسائل کے بارے میں فیصلے مشوروں اور باہمی بحث و تمحیص سے کیا کرو''۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ

قائداعظمؒ کن معنوں میں یہ چاہتے کہ پاکستان میں اسلامی جمہوریت قائم و رائج ہو؟

شہریوں کے بنیادی حقوق کو وہ کتنی اہمیت دیتے تھے؟ وہ عدلیہ کو عاملہ کے ماتحت بنانا چاہتے تھے یا الگ اور آزاد؟ کیا وہ یہ سمجھتے تھے کہ پاکستان میں یک شخصی حکمرانی یا یک جماعتی حکومت قائم ہونی چاہئے؟ وہ بالواسطہ انتخاب کے نظام کے حق میں تھے یا بلاواسطہ انتخاب کے حق میں؟

اس امر پر فقہا کا اجماع ہے کہ سر برآوردہ شخصیت یا ملت کے چند سر کردہ اشخاص کی جانب سے خلیفہ کا انتخاب یا نامزدگی یا تعیناتی یا تقرر قانونی طور پر جائز اور درست تبھی تھا اور صرف اس وقت مسلم و موثر سمجھا جاتا تھا جب پوری کی پوری امت اس کے ہاتھ پر بیعت کرے۔ پوری امت کے اظہارِ وفاداری کی صورت ہی میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے ساتھ 'اسے خلافت کے ممتاز عہدے پر فائز سمجھا جاتا تھا۔ یہ درست ہے کہ اسلام کے اوائل دور میں عوامی رائے یا توثیق محض رسمی بیعت کی صورت میں حاصل کی جاتی تھی لیکن یاد رہے کہ اس زمانے میں جو نمایاں اور سر برآوردہ لوگ خلیفہ کا انتخاب یا نامزدگی یا تقرر کرتے تھے' وہ آنحضورؐ کے صحابہ کرامؓ تھے جن پر امت کو کامل اعتماد اور بھروسہ تھا۔ خلافت کے خاتمے کے بعد مسلم مفکرین نے اسلامی جمہوریت کا جو اصول اس اجماع سے اخذ کیا وہ یہ ہے کہ حکومت عوام کے براہ راست چنے ہوئے نمائندوں کو بنانی چاہئے۔ چنانچہ اسی بنا پر علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا کہ مسلم ممالک میں قانون ساز اسمبلیوں کی تشکیل و ترتیب اسلام کی اصل روح کی طرف مراجعت ہے۔ قائداعظمؒ اس نقطۂ نظر سے پوری طرح باخبر تھے۔ اُنہوں نے فروری 1948ء میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے لوگوں کے نام ایک تقریر ریکارڈ کرائی تھی۔ اس تقریر میں اُنہوں نے اسی نقطۂ نظر کی ترجمانی یوں کی:۔ ''پاکستان کا دستور بھی بننا ہے اور یہ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی بنائے گی۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس دستور کی شکل وہیئت کیا ہوگی لیکن اتنا یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ جمہوری نوعیت کا ہوگا او اسلام کے بنیادی اصولوں پر مشتمل۔ ان اصولوں کا اطلاق آج کی عملی زندگی پر بھی اسی طرح ہو سکتا ہے جس طرح تیرہ سو سال پہلے ہوا تھا۔ اسلام اور اس کے نظریات سے ہم نے جمہوریت کا سبق سیکھا ہے۔ اسلام نے ہمیں انسانی مساوات' انصاف اور ہر ایک سے رواداری کا درس دیا ہے۔ ہم ان عظیم الشان روایات کے وارث اور امین ہیں اور پاکستان کے آئندہ دستور کے معماروں کی حیثیت سے ہم اپنی ذمہ داریوں اور فرائض سے بخوبی آگاہ ہیں''۔ اس سے ایک ماہ قبل 25 جنوری 1948ء کو قائداعظم نے کراچی بار ایسوسی ایشن سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔ ''کسی کو ایسی جمہوریت' مساوات اور آزادی سے خوف کیوں لاحق ہو جو انصاف' رواداری اور مساوی سلوک کے بلند ترین معیار پر قائم کی گئی۔۔۔ان کو کہہ لینے دیجئے۔ ہم دستورِ پاکستان بنائیں گے اور دنیا کو دکھائیں گے کہ یہ رہا ایک اعلیٰ اور مثالی نمونہ!''

4 جولائی 1947ء کو نئی دہلی میں ایک پریس کانفرنس ہوئی۔ قائداعظم نے اخبار نویسوں کے سوالات کے جواب دیئے۔ بعض سوالات پاکستان کی ریاست کی نوعیت و ماہیت کے بارے میں بھی تھے۔ مثلاً:۔

سوال: پاکستان سیکولر ریاست ہوگا یا تھیوکریٹک؟

مسٹر جناح: آپ مجھ سے ایک مضحکہ خیز سوال کا جواب پوچھ رہے ہیں۔ میں نہیں جانتا تھیوکریٹک ریاست کیا چیز ہے۔۔۔؟

(اخباری نمائندے نے بزعم خویش اطلاع بہم پہنچائی کہ تھوکریٹک ریاست وہ ہوتی ہے جہاں ایک خاص مذہب کے لوگوں مثلاً مسلمانوں کو تو مکمل شہریت حاصل ہو لیکن غیر مسلموں کو مکمل شہری قرار نہ دیا ہو)

مسٹر جناح: پھر تو جو کچھ میں پہلے کہہ چکا ہوں' وہ چکنے گھڑے پر پانی ڈالنے کے مترادف ہے۔ (قہقہہ) جب آپ جمہورت کی بات کرتے ہیں تو میں یہی خیال کرتا ہوں کہ آپ نے اسلام کا مطالعہ نہیں کیا۔ ہم نے جمہوریت تیرہ سو سال پہلے سیکھ لی تھی۔ اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ قائداعظمؒ پاکستان میں اسلامی ریاست کے روایتی نمونے کا ازسرِ نو کے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ اسلامی ریاست کے حوالے سے پاکستان کے بارے میں ان کا تصور یہ تھا کہ یہاں وفاقی پارلیمانی طرز کی جمہوریت ہوگی جس میں باقیماندہ اختیارات مشمولہ اکائیوں کے پاس ہوں گے، ریاست کی نظر میں تمام شہری بلالحاظِ ذات و عقائد برابر ہوں گے، انہیں یقین تھا کہ یہ اصول کسی طور بھی دینِ اسلام کے احکامات سے متصادم نہیں ہیں۔ انہوں نے بارہا اس امر کا اعادہ کیا کہ پاکستان کوئی مذہبی ریاست نہیں ہوگی۔ المختصر' قائداعظم ایک ایسی جدید جمہوری اسلامی فلاحی ریاست کے علمبردار تھے جس میں ایک بااختیار مقنّنہ باہمی مشاورت کے ذریعے شرعی احکامات کی تشریح و توضیح کرکے وقت کے تقاضوں کے مطابق قانون سازی کرسکے گی۔ بالفاظ دیگر انہوں نے کبھی یہ نہ سوچا تھا کہ پاکستان میں اسلامی ریاست کی متروک ماہیئت نافذالعمل ہوگی۔ یہ بات قابل غور ہے کہ جہاں انہوں نے سیکولرازم کے داعیوں سے نظریاتی بُعد برقرار رکھا تھا، وہاں انہوں نے "مولویوں اور مولانائوں" کا پیش کردہ اسلامی ریاست کا نمونہ بھی مسترد کردیا تھا۔ قائداعظمؒ نے 5فروری 1938ء کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے انہیں اپنی قیادت میں آل انڈیا مسلم لیگ کی حاصل کردہ کامیابیوں سے آگاہ کرنے کے ساتھ ساتھ اس مسئلے کے حوالے سے اپنے نقطۂ نظر کی بھی وضاحت کردی تھی۔ انہوں نے فرمایا تھا:۔ "مسلم لیگ نے جو کچھ کیا ہے وہ یہ ہے کہ اس نے آپ کو' مسلمانوں کے رجعت پسند عناصر سے آزادی دلادی ہے اور یہ تاثر پیدا کردیا ہے کہ جو لوگ خود غرضی پر مبنی کھیل رہے ہیں' وہ غدار ہیں۔ اس نے آپ کو مولویوں او مولانائوں کے ناپسندیدہ عنصر سے بھی نجات دلادی ہے۔ میں مولویوں کے بارے میں من حیث الجماعت بات نہیں کررہا ہوں۔ ان میں بعض ایسے ہیں جو اتنے ہی محب وطن اور مخلص ہیں جتنا کوئی دوسرا ہوسکتا ہے لیکن ان میں ایک طبقہ ایسا ہے جو ناپسندیدہ ہے۔ برطانوی حکومت' کانگرس' رجعت پسند عناصر اور نام نہاد مولویوں سے رہائی پانے کے بعد کیا میں نوجوانوں سے اپیل کرسکتا ہوں کہ وہ ہماری خواتین کو بھی نجات دلادیں۔ ایسا کرنا ضروری ہے۔ میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم مغرب کی برائیوں کی تقلید کریں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ وہ بھی نہ صرف ہماری سماجی بلکہ سیاسی زندگی میں بھی حصہ لیں"۔ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ انسانی تاریخ میں پہلی مرتبہ شہریوں کے بنیادی حقوق کے تحفظ کی تحریری ضمانت ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے دستور میں دی گئی تھی لیکن قائداعظمؒ اپنے ہم عصر مسلم مفکرین کی طرح یہ یقین رکھتے تھے کہ انسان کے بنیادی اور قابل انتقال حقوق کے تحفظ کی تحریری ضمانت سب سے پہلے قرآن مجید نے دی تھی۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے دستور کا تصور بھی آنے سے پہلے، براعظم امریکہ کے دریافت ہونے سے بھی بہت پہلے' جدید مغربی تہذیب کی پیدائش سے بھی بہت پہلے۔ قرآن مجید نے انسان کے جن بنیادی حقوق کے تحفظ کی ضمانت دی ہے' وہ اسلامی جمہوریت کے بنیادی اصول ہیں۔ کسی فانی انسانی طاقت میں اتنی جرات نہیں ہوسکتی کہ ان پر ابہام پر پردہ ڈال دے یا ان کو مسخ یا مسترد کردے کیونکہ یہ احکام الٰہی کا جزو ہیں۔ انسان کے مندرجہ ذیل بنیادی حقوق قرآن وسنت میں آسانی سے دستیاب ہوسکتے ہیں:۔

-1 قانون کے روبرو تمام شہریوں کی مساوات نیز مرتبے اور مواقع کی برابری۔ -2 ضمیر اعتقاد اور مذہب کی آزادی۔ -3 جان کے تحفظ کا حق۔ -4 ملکیت کے تحفظ کا حق۔ -5 کوئی کسی کے برے اعمال کی سزا نہیں بھگتے گا۔ -6 شخصی آزادی۔ 7۔ اظہار رائے کی آزادی -8 نقل و حرکت کی آزادی۔ 9۔ اجتماع کی آزادی۔

10- نجی زندگی کے تحفظ کا حق۔ 11- زندگی کی بنیادی ضروریات حاصل کرنے کا حق۔ 12۔ عزت کے تحفظ کا حق۔ 13- مناسب عدالتی کارروائی کے مطابق فیصلے کا حق۔

قائداعظمؒ ان قرآنی حقوق سے بخوبی آگاہ تھے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اُنھوں نے مساوات وحریت اور مذہبی آزادی کو نسبتاً زیادہ اہمیت دی۔ مساوات کے حق کے سلسلے ہیں وہ قرآن مجید کی اس آیت سے پوری طرح واقف تھے: ''اے انسانو! اپنے رب کا حکم بجالانے میں کوتاہی مت کرو جس نے تم کو ایک واحد روح سے پیدا کیا اور پھر اس سے مادہ تخلیق کی اور پھر ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں۔'' (4-1) مذہبی آزادی کے سلسلے میں قائداعظم اس قسم کی آیات قرآنی سے بخوبی آگاہ تھے: ''دین کے معاملات میں کوئی زبردستی نہیں'' (156-2)۔ غیر مسلم مذہبی اقلیتوں کے تحفظ اور رواداری کے متعلق قائداعظمؒ قرآن مجید کی اس ہدایت سے ناآشنا نہیں تھے ''اگر اللہ نے طاقتور حملہ آوروں کے تدارک کیلئے ایک جماعت (یعنی مسلمانوں کی) پیدا نہ کی ہوتی تو نصاریٰ کے کلیسا' یہود کے عبادت خانے' خانقاہیں اور مسجدیں جن میں اللہ کی پرستش بکثرت کی جاتی ہے' منہدم ہوگئے ہوتے۔'' (22-4) قائداعظمؒ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غیر مذاہب کے لوگوں کیلئے رواداری کا سلوک کرنے کی تلقین کی ہے' بلکہ انہیں یہ حکم بھی دی گیا ہے کہ انکی حفاظت میں غیر مسلموں کی جو عبادت گاہیں ہیں' ان کا تحفظ ان کا فرض ہے۔ قائداعظمؒ کے نزدیک پاکستان کے مطالبے اور اسے حاصل کرنے کی جدوجہد کی حقیقی وجہ یہ تھی کہ متحدہ ہندوستان میں ان بنیادی انسانی حقوق کے سلب ہونے کا شدید خطرہ پیدا ہوگیا تھا۔ اپنی اس تقریر میں جو اُنہوں نے چٹاگانگ کے جلسۂ عام میں 26 مارچ 1940ء کو کی تھی، آپ نے ارشاد فرمایا:۔ ''جب آپ یہ کہتے ہیں کہ پاکستان کی بنیاد معاشرتی اسلامی مساوات، انصاف اور اسلامی سوشلزم کے اصولوں پر رکھی جائے جو بنی نوع انسان کی اخوت و مساوات (برابری) پر زور دیتے ہیں تو آپ میرے اور لاکھوں مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ یونیورسٹی سٹیڈیم' لاہور میں ایک عظیم الشان جلسۂ سے' جو 30 اکتوبر 1947ء کو منعقد ہوا تھا' خطاب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا تھا:۔''اسلام کے اصولوں نے ہر مسلمان کو یہ سکھایا ہے کہ وہ بلالحاظ رنگ و نسل اپنے پڑوسیوں اور اقلیتوں کی حفاظت کرے۔ 11 اگست 1947ء کو پاکستان دستور ساز اسمبلی کے مشہور خطبہ صدارت میں قائداعظمؒ نے اعلان کیا:۔ ''آپ آزاد ہیں۔ آپ عبادت کیلئے اپنے مندروں میں جانے میں آزاد ہیں۔ آپ اپنی مسجدوں میں جانے میں آزاد ہیں۔ آپ مملکت پاکستان میں اپنے عقیدے کے مطابق اپنی عبادت گاہوں میں جانے میں آزاد ہیں۔ آپ خواہ کسی مذہب' فرقے یا عقیدے سے تعلق رکھتے ہوں' امور مملکت کو اس سے کوئی سروکار نہیں۔۔۔۔ ہم اس زمانے میں آغاز کر رہے ہیں جبکہ دو فرقوں کے درمیان کسی قسم کا امتیاز روا نہیں ترجیح نہیں دی جاتی۔ ہم اس بنیادی اصول سے آغاز کر رہے ہیں کہ ہم سب ایک ہی مملکت کے شہری ہیں اور برابر کے شہری۔۔۔۔ پس ہمیں اس نصب العین کو ہر وقت اپنے سامنے رکھنا چاہئے اور آپ وقت کے ساتھ ساتھ دیکھیں گے کہ نہ ہندو رہے گا اور نہ مسلمان مسلمان' مذہب کے معنوں میں نہیں کیونکہ یہ تو ذاتی عقیدے کا معاملہ ہے' بلکہ سیاست کے معنوں میں جب ہر شخص مملکت کا شہری ہوتا ہے''۔

نوٹ: یہ تمام موضوع قائداعظم کے اسلامی افکار سے لیا گیا ہے۔ جن کو اس موجوع پر مزید پڑھنا ہو ہو مذکورہ کتاب پڑھیں۔

ووٹر کو کیا سوچنا چاہیئے امید وار کیسا ہو

ان کے منشوروں میں اسلام کتنا پیچھے اور ائین اور جمہوریت و پارلیمنٹ کی بالادستی کتنی آگے آ گئی ہے ؟

کیا اس ووٹنگ سے اسلام کی طرف کچھ پیش رفت ہوتی نظر اتی ہے ؟؟

کیا اللہ کی حاکمیت عملا نافز ہونے کا کوئی ایک فیصد چانس بھی دکھتا ہے آپ کو ؟؟

اور اسلام کو ایک طرف کریں تو بھی ... کیا کرپشن، بیروزگاری، اور ایسے ہی دوسرے مسائل حل ہونے کی امید ہے آپ کو اس الیکشن ہے ؟؟

ہم جس دور سے گذر رہے --- وہ واقعی پُر فتن دور ہے --- اور جن حالات سے ہمارا ملک گذر رہا ہے اس میں اسطرح کی بحث چھیڑ دینا نہایت ہی سنگین نتائج کی طرف ہمیں لے جائے گا ---

اور شاید ہم اب اس کے متحمل نہیں ہیں --- کیونکہ اگر ملک بچے کا تو ہی ہم اس قابل ہو پائیں گے کے اسلام کو بچائیں --- اچھا دوسری بات اگر ووٹ ڈالنا درست اسلام کے خلاف ہے تو بھائی ایسی لا تعداد معاملات ہمارے ملک میں رائج ہیں جن کو قطعی طور پر اسلام نے منع کیا ہے --- ہم ووٹ کے کاسٹ پر بات کر رہے ہیں --- لیکن بغیر ولی کی شادی جو کورٹ میں ایک دستخط پر ہو رہی ہیں اور اور خاندانوں کے شیرازے بکھر رہے ہیں اُس طرف ہماری کوئی توجہ نہیں جا رہی --- اسلام بس ووٹ کاسٹ کرنے کی حد تک نہیں ہے --- سود کو اسلام نے اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کے سے تعبیر کیا ہے --- وہاں ہماری زبانیں بند ہیں --- بھائی بلوچستان ہاتھوں سے جا رہا ہے --- چلیں فرض کر لیتے ہیں --- کے خلافت ہماری میراث ہے تو پہلے علماء کو تو جمع کریں --- عید کا چندہ سے لیکر مسجدوں میں جمع ہونے والے چندوں تک میں وہ ایک دوسرے سے اختلاف کر رہے ہیں --- اور ہم سوچ رہے ہیں کے ووٹ دیں یا نہ دیں --- دیکھیں ہم یہ ہی سوچتے رہیں گے اور قادیانی اور رافضی بازی مار جائیں گے --- اور ایک بار یہ اور مضبوط ہو گئے تو تمام اسلامی تنظموں کو کالعدم قرار دے کر یہ ہماری جڑوں کو کاٹ دیں گے جیسا پچھلے دس سالوں سے ہو رہا ہے --- اب ہم بات کرتے ہیں طالبان آئزیشن کی تو ایک مثال ہمارے سامنے ہے کے برطانیہ کی ایک صحافی خاتون نے ان کی پناہ سے نکلنے کے بعد اسلام قبول کیا اور آج تک وہ دین کی خدمت کر رہی ہیں --- لیکن اس کے بعد کیا ہوا ؟؟؟ --- ہم اپنے بچوں کو آج مدرسے بھیجنے سے کتراتے ہیں --- وجہ ایک ایسی چھاپ لگادی گئی ہے کہ کہیں وہاں پر اس کا برین واش کر کے اسے کسی خود کش حملے کے لئے استعمال نہ کر لیا جائے --- یہ زمینی حقائق ہیں جو غلط بھی ہو سکتے ہیں --- اتفاق ضروری نہیں لیکن ایک عام تاثر یہ ہی پروان چڑھ رہا ہے --- نظام کو بدلنا ہے تو پہلے علماء کو اپنے اختلافات کو ختم کرنا ہو گا --- اور جب تک وہ اختلافات ختم نہیں ہونگے اس وقت تک ہم کبھی بھی ملک میں اسلامی نظام کو نافذ نہیں کر پائیں گے --- کچھ دنوں پہلے کراچی کی دیواروں پر یہود آل سعود کے نعرے لکھے گئے ہر مکتبہ فکر نے باقاعدہ ان کے خلاف مہم شروع کی جو یوٹیوب پر موجود ہے --- لیکن آج تک کسی نے سودی نظام کے لئے اپنی کمر کسی ؟؟؟ ----

ہماری دین اسلام سے محبت قابل تحسین ہے۔۔۔اس میں کوئی دوسری رائے نہیں۔۔۔میں صرف یہ ہی کہوں گا۔۔۔ ووٹ کوئی ڈالے یا نہ ڈالے۔۔۔لیکن اچھے لوگ بھلے اُن میں کوئی برائی دکھائی دے جو دوسرے زیادہ بروں سے بہتر ہو ہم کو ان کے ساتھ کھڑا ہونا چاہئے۔۔۔ کیونکہ یہ وقت کی اہم ضرورت ہے۔۔۔اور میری دلی خواہش یہ بھی ہے جماعۃ الدعوہ بھی الیکشن میں حصہ لے کیونکہ جس طرح شیعہ دوسری تنظیموں کا پلیٹ فارم استعمال کرکے اقتدار میں آکر اسمبلیوں میں بیٹھ کر فتنے وفساد برپا کرتے ہیں تو ہمارے علماء کو بھی چاہئے کے اس طرح آئیں اور یہ نہ سوچیں کے یہ کافر کا دیا ہوا نظام ہے۔۔۔ کیونکہ کافر نے ہی وہ مشین بھی دی ہے جس سے گیہوں کاشت ہوتا اور وہ بیج جس سے وہ گہوں اگتی ہے۔۔۔لہٰذا پاکستان ابھی کسی خانگی خلفشار کا قطعی طور پر متحمل نہیں ہے۔۔۔آج ملک آپ کی پہچان ہے۔۔۔ یہ زمینی حقیقت ہے۔۔۔ویزہ نہ ملے تو آپ عمرہ یا حج کو نہیں جاسکتے۔۔۔ حالانکہ صاحب استطاعت ہیں؟؟؟۔۔۔

باقی ہم نہ کسی کو کہہ سکتے ہیں اور نہ سمجھا سکتے ہیں۔۔۔لیکن آج وقت کی اہم ضرورت اپنی اپنی مسجد کا تحفظ ہے۔۔۔واللہ قومیت کے نام پر روٹیاں چھینی جارہی ہیں۔۔۔ یہ جانتے ہوئے کے واللہ خیر الرزاقین۔۔۔ مسلمان ہی ہیں۔۔۔ یعنی سب چلتا ہے۔۔۔ تو پھر جب سب چلتا ہے تو یہ کیوں نہیں چل سکتا؟؟؟۔۔۔

ہم پاکستانی ہیں اور پاکستان کے آئین نے یہاں کے ہر شہری کو ووٹ دینے اور امیدوار بننے اور دیگر انتخابی عمل میں شرکت کا بھرپور حق دیا ہے ۔اب اس حوالے سے جائزہ لینا ہے کہ بحثیت ایک شہری اس انتخابی عمل میں شرکت کی شرع میں کیا گنجائش ہوسکتی ہے۔ ووٹ، ووٹر کے حوالے سے ماقبل میں بحث ہوچکی ہے۔اس کی روشنی میں یہ سمجھ آجاتا ہے کہ انتخابی عمل میں شرکت کرنا کبھی تو محض جائز ہوجاتا ہے اور کبھی یہ عمل مستحب اور کبھی کبھار واجب تک ہوجاتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ پاکستان میں حکومت الیکشن کی بنیاد پر بنتی ہے۔ جس پارٹی کو الیکشن میں کامیابی ہوتی ہے وہی پارٹی حکومت بناتی ہے۔اور یہ کامیابی کبھی کبھار ایک ووٹ کی اکثریت کی وجہ سے بھی ہوتی ہے۔ کبھی کبھار ایک ووٹ کی کمی کی وجہ سے بھی حکومتیں گر جاتی ہے۔یہی حکومتیں قانون سازی کرتی ہیں۔ ملکی نظام چلانے کے لیے پالیسیاں بناتی ہیں۔ بین الاقوامی معاملات بھی یہیں حکومتیں اور پارلیمنٹ سلجھاتی ہیں۔اگر تمام دیندار لوگ ووٹ کے عمل سے بائیکاٹ کریں تو بے دین اور اسلام دشمن لوگ اسمبلیوں میں جاکر قرآن و حدیث اور تعلیماتِ اسلامی کے خلاف قانون سازی کریں گے اور لامحالہ یہ نہ مسلم مملکت کے لیے مناسب ہے اور نہ ہی عام و خاص مسلمانوں کے لیے۔ایسی صورت حال میں جمہوری طریقے سے لڑے جانے والے الیکشن میں ووٹ ڈالنے کے عمل کو محض مباح نہیں، بلکہ واجب اور فرض کا درجہ بھی دیا جاسکتا ہے۔

امت مسلمہ کے موجودہ مسائل ،اور درپیش چیلنجز اور انکا تدارک

1۔فکری وتہذیبی مسائل :

دوسری اقوام سے مختلف، ملت اسلامیہ کی قوت وتوانائی اور عزم وحوصلہ کا اصل سرچشمہ اساسیات دین اور اس کی اسلامی تہذیبی اقدار اور اخلاقی ضابطے ہیں۔ لہٰذا اس قوت کو مضمحل اور کمزور کردینا صرف فکری ونظریاتی یلغار ہی سے ممکن ہے۔

مستشرقین کا ایک طویل عرصہ شیطانی پروگرام

باطل قوتوں نے صدیوں اس کے لیے محنت اور تیاری کی ہے۔مستشرقین کا ایک بڑا طائفہ ایک طویل عرصہ متعدد پہلوؤں سے اسلام کے مطالعے اور تحقیق وتصنیف میں غیر معمولی محنت، کاوش اور جانفشانی کے ساتھ مصروف کار رہا ہے۔ دنیا کی تقریباً تمام یونیورسٹیوں میں اسلامک اسٹڈیز کے شعبے قائم کئے گئے ہیں جن میں دراسات اسلامی کے مآخذ ومصادر بیشتر یہودی ونصرانی مفکرین، اسکالرز اور مصنفین کی کتابیں رہی ہیں اور ایسے ہی اساتذہ کی سرپرستی ونگرانی میں اسلامک اسٹڈیز میں ڈاکٹریٹ کے طلبہ (مسلم وغیر مسلم ریسرچ اسکالرز) اسلامیات پر تحقیق کرتے اور پی ایچ ڈی کی اسناد حاصل کرتے رہے ہیں۔ بیشتر یہی اسکالرز ہیں جو صدی دو صدی سے اسلام کی تشریح وتعبیر کر رہے ہیں۔ یہ جدید دور میں جدید اسلام کے ترجمان متصور کیے جاتے ہیں اور نئی نسلوں کی علمی وفکری رہنمائی بیش تر انہی کے اور ان سے فیض یافتہ دانش وروں کے ہاتھ میں ہے۔

باطل قوتوں کے مسلم امہ پر اثرات

اس فکری یلغار کے مقاصد متعدد اور اس کے اثرات بے شمار اور وسیع۔ ذیل میں اختصار سے ان میں سے صرف چند کا مجمل تذکرہ کیا جارہا ہے۔

1۔امت مسلمہ کے پاؤں اساسیات دین کی زمین سے اکھڑ جائیں وہ عقائد وعبادات کی رسمیات ومظاہر تک سمٹی رہ کر نظریات وافکار، اخلاق وکردار اور اطوار وتہذیب کی وسیع تر زمین پر پہلے تشکیک وتذبذب، پھر مرعوبیت واحساس کمتری اور بالآخر شکست خوردگی سے دوچار ہو کر ایک پست حوصلہ ومغلوب قوم بن کر رہ جائے۔ اگر کچھ فعال ومتحرک ہو بھی تو صرف دفاعی سطح پر۔

2۔قرآن وسنت کے بجائے دیگر ذرائع علم سے ملت رہنمائی اخذ کرنے کی خوگر بن جائے۔

3۔اسلام کی اخلاقی تعلیمات اور تہذیبی اقدار، ملت کو تاریک خیالی، قدامت پسندی محسوس ہونے لگیں۔ وہ انہیں بنیاد پرستی اور شدت پسندی پر محمول کرنے لگے اور یہ یقین کرنے لگے کہ جب تک اسلام اور شریعت اسلامی کی جدید تعبیر نہ ہو، یہ عصر جدید کا ساتھ دینے والا، عہد حاضر کے ساتھ چلنے والا دین ہر گز نہ رہ سکے گا۔

4۔ عورت کے مقام و حیثیت، خاندان، معاشرت اور تمدن میں اس کے رول سے متعلق اسلام کے اعلیٰ وارفع اصولوں، تعلیمات اور قوانین کو مسلمانوں کی نگاہ میں صرف غیر معتبر ہی نہیں بلکہ حقیر بنادیا جائے۔

5۔ باطل قوتوں کے مظالم، استبداد، استحصال اور استعمال کی مزاحمت کرنے والی قوت بازو کو جس جس منبع اور جس جس مخرج سے غذااور توانائی بہم پہنچ سکتی ہو، اسے فکری یلغار اور پروپیگنڈا مشینری سے اتنا بدنام کر دیا جائے کہ خود ملت کی صفوں سے ایسے مفکر، دانش ور علماء، صحافی، قائد اٹھ کھڑے ہوں جو باطل کوششوں کے مزاحمت کاروں کے خلاف ایسے بیانات، فتوے اور تحریریں جاری کرنے لگیں کہ ان کی نظر میں اسلام کے چہرے پر لگے بدنامی کے داغ، دھل جائیں۔

6۔ اسلام کے احیاء و غلبے کے لیے سرگرم تحریکات اسلامی کو..... جو باطل کے لیے خطرہ اور چیلنج ہیں.... اس قدر بدنام کر دیا جائے کہ عام مسلمان ان سے دور رہنے ہی میں عافیت محسوس کریں۔

باطل قوتوں کی فکری و تہذیبی یلغار اور اس کے مسلم امہ پر اثرات :

یوں تو ملت اسلامیہ اپنی پوری تاریخ میں طرح طرح کی سازشوں اور فتنوں سے نبرد آزما ہوتی رہی ہے تاہم ان کی کیفیت، نقصانات اور دائرہ ہائے اثر زمان و مکان، ہر دو اعتبار سے محدود اور عارضی ہو رہے ہیں، لیکن بین الاقوامیت، عالم گیریت اور مواصلاتی تیز رفتاری و ہمہ گیری کے موجودہ دور میں فکری حملوں، سازشوں اور فتنوں میں وسعت، زود اثری اور تیز رفتاری آ گئی ہے۔ تقریباً 200 سال کے دور انحطاط میں ایک طرح کی سیاسی غلامی نے فکری اثر پذیری اور غلامی کے لیے ملی رجحان کو ہموار کیا ہے۔ نتیجے کے طور پر فکر و نظریہ اور علم و دانش کا کوئی بھی گوشہ اور اخلاقیات و معاشرت، علوم و عمرانیات، تہذیب و ثقافت اور معاشیات و اقتصادیات کا کوئی بھی پہلو ایسا نہیں ہے جو ان حملوں کی زد میں اور اس یلغار سے کم یا زیادہ متاثر نہ ہوا ہو۔

اسلامی ریاستوں پر امت کے بجائے قومت کا تصور کا غلبہ

مسلمانوں کو امت متحدہ اور ملت واحدہ بنائے رکھنے کا راز 'اسلامی قومیت' کے تصور میں مضمر تھا۔ اس پر جغرافیائی وطنی قومیت کے تصور کی فکری یلغار ہوئی، ملت نے اسے بحالت اکراہ ہی گوارا نہیں کیا بلکہ بہ شرح صدر اسے پسند اور قبول بھی کر لیا۔ اب وطنی قومیت پرستی اس کا متوازی یا ذیلی دین بن گئی اور وطن ایک ایسا خدا بن گیا ہے جس کا تعارف اقبال نے 'ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے' کے الفاظ میں کرایا تھا۔

اسلامی نظام کی جگہ دوسرے نظاموں کی بالادستی

"اجتماعی نظام اور تمدنی ساخت کی صورت گری میں فیصلہ کن رول ادا کرنے میں انسان اور انسانوں کا مجموعہ خود کفیل وخود مختار ہے اور اس کا یہ کام، نیز اس کے لیے یہ کام جمہور کریں گے"۔ یہ ایک سراسر باطل فکر ہے اور اسلام سے براہ راست متصادم ہے۔ اس فکر پر اگر کہیں ایک نظام 'بالقوۃ' قائم ونافذ ہو تو اسلام اسے گوارا کرنے اور اس کی کچھ خوبیوں سے استفادہ کا موقع تو دیتا ہے لیکن اسے بہ رضا ور غبت 'بالحق' تسلیم کر لینے کی اجازت نہیں دیتا۔ لیکن اس فکر کی شدید و متواتر یلغار نے مسلمانوں کو نہ صرف اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ خدا کے منصب پر جمہور کے تمکن کو بطور امر واقعہ گوارا کر لیں بلکہ اس موقف پر بھی پہنچا دیا کہ وہ اسے قانوناً بھی سند قبولیت دے دیں۔ اس فکری یلغار نے مسلمانوں کے بڑے بڑے اہل علم و دانش کو بھی یہ باور کرا دیا کہ یہی صورت حال ملت اسلامیہ کی آخری اور مطلوبہ منزل ہے۔

ادیان باطل اور رواداری کا غلط تصور

دین کی جامعیت اور ہمہ جہتی کے تصور کو خارجی یلغار نے سمیٹ کر نہایت ہی غیر فعال اور محدود کر دیا تو خود ملت کی نگاہ میں اسلام کی امتیازی حیثیت تقریباً معدوم ہو گئی اور یہ دیگر ادیان کے گویا مساوی دین قرار دیا۔ (إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ) کا درست ترجمہ تو برقرار رہا لیکن اس کی معنویت کھو گئی۔ بڑے بڑے ذہین وزیرک مسلمانوں کے نزدیک بھی یہ بات درست قرار پائی کہ دین حق اور ادیان باطلہ کے درمیان خوش خلقی ، خیر سگالی اور پر امن بقائے باہمی بحال رہنا چاہیے۔ یہ ایک نظریاتی المیہ ہے کہ سورۃ الکافرون جو ادیان باطلہ سے بے زاری و براءت کا اظہار واعلان تھی اس کی ایسی تاویل کی جانے لگی کہ تمام ادیان اسلام کے نزدیک ٹھیک ہیں۔ اس طرح کلام الٰہی کو بھی مساوات بین الادیان کا ترجمان قرار دے کر اسے سیکولرازم کی اس تعبیر کا حامی بنا دیا گیا جس کے مطابق سارے ادیان یکساں احترام کے مستحق ہیں۔ نتیجتاً فریضہ دعوت کو ملی ایجنڈے میں اور کار دعوت کو ملی سر گرمیوں میں جگہ ہی نہیں ملی ... الا ماشاء اللہ ! فکری یلغار کا یہ مقصد پورا ہونے لگا کہ ملت اسلامیہ اپنے دعوتی کردار سے محروم ہو جائے اور ملکی و عالمی منظر نامے پر کمزور و باطل ادیان کو قوی و توانا دین حق کی پیش رفت کا خطرہ چیلنج باقی نہ رہ جائے۔

اسلامی تحریکوں کو بدنام کرنے کی کوشش:

فکری یلغار کے مذکورہ بالا اثرات نے اسلام کا اصل چہرہ ایسا گرد آلود اور دھندلا بنا دیا ہے کہ اس کے حقیقی چہرے سے ملت کا سواد اعظم ایک اجنبیت اور غیر انسیت محسوس کرنے لگا ہے۔ اس صورت حال پر حضور ﷺ کی یہ پیشین گوئی، گویا صادق آنے لگتی ہے "اسلام جب آیا تو اجنبی تھا۔ ایک وقت آئے گا جب یہ پھر سے اجنبی بن جائے گا...."۔ یہ یوجہ ہے کہ تحریکات اسلامی ،اسلام کا حقیقی چہرہ پیش کرنے کی وجہ سے ہر جگہ خود افراد ملت کے ذریعے مطعون، معتوب و مغضوب ہیں۔ بڑا دلچسپ المیہ ہے کہ ایک طرف باطل قوتوں کی چیرہ دستویں سے گلہ وشکوہ بھی ہے اور دوسری طرف تحریکات اسلامی پر الزام واتہام، ان کی کردار کشی اور مخالفت ومزاحمت بھی۔

تعلیم پر ضرب کاری:

فکری یلغار نے اسلام کے تصور علم پر کاری ضرب لگائی ہے جس کے نتیجے میں مسلم عوام ہی نہیں خواص کے نزدیک بھی حقیقی علم کی تعریف و تعبیر اور مقصدیت کا حلیہ بگڑ گیا ہے۔ اسی مناسبت سے نظریہ تعلیم اور تعلیم یافتگی کا مقصد عین، خالص مادہ پرستانہ بن کر رہ گیا ہے۔ اب ایسی باتیں سنانے والی بھی کم یاب ہیں اور سننے و ماننے والے بھی کم یاب، کہ "علمے کہ رہ بحق ننہ نماید جہالت است" (وہ علم جو حق کی طرف راہ نمائی نہ کرے، جہالت ہے) اور "اللہ سے کرے دور، وہ تعلیم بھی فتنہ"۔ للہٰذا بیش تر ملی تعلیمی سرگرمیوں، ملت کی تعلیمی پس ماندگی دور کرنے کی تقریباً تمام تحریکوں اور تعلیمی کاروانوں کو اسی خدا بے زار اور دین بے زار نظریہ تعلیم سے قوت محرکہ و توانائی ملتی ہے۔ کبھی اسلام کے تئیں کچھ رعایت کا خیال آ جاتا ہے۔ تو طلب العلم فریضۃ.... کی حدیث اور سورہ علق کی ابتدائی پانچ آیتوں کا حوالہ بھی دے دیا جاتا ہے لیکن بالآخر تان ٹوٹتی ہے کیریئر، روزگار، تمول، دولت مندی، مادی خوش حالی، معاشی ترقی کے انہی اہداف پر جنھیں غیر اسلام نے متعین و مقرر کیا ہے۔ اس کا ایک نتیجہ تو یہ ہے کہ ہماری تعلیم یافتہ نسلوں کی کھیپ کی کھیپ مادہ پرستوں کی بھیڑ میں گم ہوتی جا رہی ہے اور دوسرا نتیجہ یہ ہے کہ جدید تعلیم یافتگی کا، یہ گویا لازمہ سا بن گیا ہے کہ یا تو مدارس، اسلامی درسگاہوں اور دینی تعلیمی جامعات کی تحقیر کی جائے، یا ان کے نصاب تعلیم کی جدید کاری کے نام پر یہ کہہ کر سیکولرائز کرنے کا غلغلہ بلند کی جائے کہ ان تعلیمی اداروں کے فارغین کسی کا کے نہیں رہ جاتے اور بس ملا، مولوی، امام اور مؤذن بن کر رہ جاتے ہیں جو جدید و اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کی نگاہ میں گویا ایک حقیر، بے کار اور اپاہج طبقہ ہے۔

معاشی تصورات پر زد:

مضبوط معیشت اور بہتر معاشی حالت کسی بھی قوم کے لیے ایک خیر عظیم کا درجہ رکھتی ہے لیکن دیگر قوموں کے برعکس ملت اسلامیہ کی یہ امتیازی پوزیشن ہے کہ اس کی معیشت اسلامی عقائد و اخلاقیات سے وابستہ اور اسلامی پیمانہ ہائے رد و قبول سے مشروط ہے۔ کسب حلال کے ساتھ ملت میں کروڑ پتیوں، ارب پتیوں کی بھیڑ لگ جانے سے بہر حال اور بدرجہا بہتر ہے۔ اس پس منظر میں ایک زبردست فکری یلغار ہے جس نے عوام و خواص کے بڑے حصے کو مذکورہ فرق کے تئیں غفلت و بے اعتنائی سکھائی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ سودی قرض کے سرمایے سے صنعت کاری تدابیر بتائی جا رہی ہے۔ کوئی دانش ور سودی معیشت کو مباح بتا رہا ہے تو کوئی پسندیدہ اور کوئی ناگزیر۔ سودی معیشت و اقتصادی کے حق میں کتابوں کی تصنیف و اشاعت ہو رہی ہے۔ قرآن اور احادیث کی سخت تنبیہ اور وعید سے بچنے کے لیے سود اور ربا میں فرق ثابت کیا جا رہا ہے۔ دار السلام اور دار الکفر کی فرسودہ فقہی بحثیں زندہ کی جا رہی ہیں۔ مسلمانان ہند و پاک پر خارجی اور داخلی، ہر دو سطح سے ان کی 'معاشی پس ماندگی' کے اعداد و شمار کی یورش ہے اور اس کے ساتھ، دولت مندی، اور انتہائی دولت مندی کی حرص و آز کی تیز و تند لہریں ہیں۔ اس مجموعی کیفیت کے درمیان زندگی کی صالح خدا پرستانہ تعبیر کمزور پڑ رہی ہے اور اس کی جگہ مادہ پرستانہ تعبیر کو فروغ مل رہا ہے۔

ملتِ اسلامیہ معدنی و زمینی وسائل سے مالا مال ہے!

اُمت مسلمہ کے تمام علاقے طرح طرح کے قدرتی وسائل سے مالا مال ہیں جن میں سر فہرست پٹرول ہے۔ ہر کوئی جانتا ہے کہ آج اگر دنیا میں بڑے پیمانے پر پٹرول کا ذخیرہ کہیں پایا جاتا ہے تو وہ خلیج عرب ہے۔ جدید تحقیقات کے مطابق زمین میں پٹرول کا پہلا ڈیم بھی یہی ہے۔ اس کا علاوہ بحر قزوین سے قوقاز تک پھیلے ہوئے علاقے اور عراق و شام میں بھی پٹرول وافر مقدار میں موجود ہے۔ وسطی ایشیا کے یہ ذخائر عالمی سطح پر نہایت اہمیت کے حامل ہیں۔ اسی طرح جنوبی سوڈان، افریقہ کی چوٹیوں اور مصر سے الجزائر تک پھیلے ہوئے طویل علاقے میں بھی پٹرول کے متعدد ذخائر پائے جاتے ہیں جن کی اہمیت بھی محتاج بیان نہیں۔ یہ تمام علاقے جدید دنیا میں دولت کے اساسی ذخائر ہیں اور یہی وہ ذخائر ہیں جو ہر میدان میں ، چاہے سیاسی ہو، اقتصادی یا تزویراتی قوت وطاقت کا سرچشمہ ہیں۔

پھر انہی کے ساتھ عالم اسلام کا وہ حصہ بھی واقع ہے جو مشرق میں افغانستان، پاکستان، مشرقی فلپائن سے لے کر بحر اطلس کے کنارے تک اور مغرب کی سمت مغربی ساحلوں سے ملتا ہوا موریطانیا اور مغرب سینگال تک پھیلا ہوا ہے جبکہ شمال میں یہی علاقہ وسطی ایشیا قوقاز، بلقان اور شمالی افریقہ تک اور جنوب میں جنوبی ایشیا، انڈونیشیا اور وسطی افریقہ تک کے وسیع وعریض علاقے پر محیط ہے۔ ان تمام علاقوں پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ عالم اسلام مختلف قدرتی معدنیات کی عظیم دولت سے مالا مال ہے جو تزویراتی اعتبار سے بے پناہ اہمیت کی حامل ہیں۔ ان ممالک میں سے اکثر نہ صرف اہم صنعتی معدنیات کا ذخیرہ اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں بلکہ ساتھ ہی ساتھ وہ سامانِ خورد ونوش اور زرعی پیداوار میں بھی متموّل ہیں۔

اس پر مستزاد یہ کہ یہ اسلامی ممالک اہم ترین بحری، برّی اور فضائی آمدورفت کے راستوں پر وسیع اختیارات رکھتے ہیں۔ حیران کن بات یہ ہے کہ دو چار اہم ترین مختصر بحری راستے؛ (1) ہرمز (2) بابِ مندب (3) نہر سویز اور (4) جبل طارق؛ جن پر عالمی معیشت کا کلی انحصار ہے، اُمت مسلمہ ہی کے پاس ہیں۔ یہ چاروں مختصر بحری راستے ایسی فضائی شکل بناتے ہیں جو دنیا کے نظامِ مواصلات کو چہار اطراف سے باہم ملائے ہوئے ہے۔

لیکن انتہائی تعجب کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ان تمام انعامات واحسانات کے باوجود مسلمانوں کے بیشتر ممالک بھوک وافلاس اور جہالت و پسماندگی کے شکار ممالک کی فہرست میں شامل ہیں۔ پٹرول کی دولت سے مالا مال ان ممالک میں سے بیشتر عالمی ادارہ 'اوپیک' کے ممبر بھی ہیں، تاہم اس کے باوجود ان ممالک کی اکثریت خطِ غربت سے بھی نیچے کی زندگی گزار رہی ہے۔ مسلمانوں کے وسائل کی بہتات کا اندازہ کرنے کے لیے یہ ایک مثال ہی کافی ہے کہ یورپ کی 65 فیصد قدرتی گیس کی کھپت الجزائر سے آتی ہے۔ یہ بھی جانتے چلئے کہ اسلام کے آنگن اور اس کے گھر جزیرۂ عرب میں جو مسلمانوں کے سب سے اہم قدرتی سرمایہ کا حامل ہے، دنیا کے 75 فیصد پٹرول کا ذخیرہ پایا جاتا ہے۔ وہاں ایک کروڑ 60 لاکھ بیرل پٹرول یومیہ نکالا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں جو ذخائر جنوبی عراق میں پائے جاتے ہیں، وہ پانچ ملین بیرل پٹرول ایک دن میں نکالنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ واضح رہے کہ گیس کا استخراج اس کے علاوہ ہے۔ نیز پٹرول وگیس کے محفوظ ذخائر جو ایران، الجزائر، شام اور سوڈان میں پائے جاتے ہیں، وہ بھی مشہور ومعروف ہیں۔ ایسے ہی پٹرول کا دوسرا بڑا ذخیرہ بحر قزوین کے گردوپیش میں پایا جاتا ہے۔ سبحان اللہ ! کیسا تعجب خیز اتفاق ہے کہ خطۂ ارض کی امیر ترین قوم آج دنیا کی فقیر ترین قوم بن چکی ہے۔

ہمارے دشمن ہمارے ہی مال کے ذریعے ہمارے خلاف لڑ رہے ہیں

اس سے بھی تعجب خیز بات مغربی اقوام، جن کا سرغنہ امریکہ ہے، کی وہ تاریخ ساز چوریاں ہیں، جن کا تجربہ وہ مختلف اسلامی ممالک میں کر چکے ہیں۔ یہ ہمارے وہی صلیبی اور صہیونی دشمن ہیں جنہوں نے آج ہم پر چہار اطراف سے چڑھائی کر رکھی ہے۔ افسوس! یہ لوگ ہمارے ہی مال سے ہمیں ہلاک کرتے اور بہت سہولت و بلا تکلیف ہمارا مال لے جاتے ہیں، پھر اسے ہمیں ہی نیست و نابود کرنے میں استعمال کرتے ہیں۔ یہ دشمن اپنے جنگی جہازوں، ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں کو چلانے کے لیے ہم ہی سے پٹرول لیتے ہیں، پھر اس کے ذریعے ہمارے ہی بچوں اور عورتوں کو قتل کرتے ہیں۔ آج مسلمانوں کے اس پٹرول سے مسلمانوں کی بجائے خود اسلام کے صہیونی دشمنوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے اور وہ اسے اپنی تعیّشات میں اور ہمیں برباد کرنے میں کھپا رہے ہیں۔

ہمارا سرمایہ تو پہلے سر چشموں ہی سے چوری ہو جاتا ہے!

دراصل ہمارا قیمتی سرمایہ ہمارے مصادر ہی سے چوری ہو جاتا ہے۔ یہ اس طرح کہ ہمارے صلیبی دشمن مختلف کمپنیوں کی صورت میں تیل اور پٹرول کے نکالنے، اس کی خرید و فروخت، تجارت اور تمام چھوٹے بڑے مراحل کی خود نگرانی کرتے ہیں اور پھر اس کی آمدنی ملکی بینکوں کا چکر کاٹتے ہوئے انہی کے بینک کھاتوں میں اضافے کا باعث بنتی ہے۔ ذیل میں ہم اس تاریخی چوری کے اہم مراحل پر ایک نگاہ ڈالتے ہیں:

چوری کا پہلا مرحلہ: چوری کا پہلا مرحلہ تیل نکالنے والی مغربی کمپنیوں کے ساتھ ہمارے خائن حکمرانوں اور افسران کے معاہدوں کی صورت میں شروع ہوتا ہے۔ مسلمانوں کے یہ ظالم حکمران ان معاہدوں کے ذریعے 40 تا 600 فیصد آمدنی اپنے ذاتی اموال میں لے جاتے ہیں جبکہ بقایا منافع ان کمپنیوں کے حصے میں آتے ہیں جبکہ بیچاری اُمت خالی ہاتھ بیٹھے تماشہ دیکھتی ہے۔

چوری کا دوسرا مرحلہ: چوری کا دوسرا مرحلہ خارج شدہ کیمیکل میں دھاندلی کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ چونکہ ان تمام مراحل کی نگرانی یہ کمپنیاں خود ہی کرتی ہیں لہٰذا ان کے لیے اپنے انجینئر اور ماہرین کے ذریعے دھاندلی کرنا نہایت آسان ہوتا ہے۔ نیز اگر کہیں نگرانی پر مامور ماہرین مقامی حکومتوں میں سے ہوں تو انہیں رشوت کے ذریعے خاموش کرا لیا جاتا ہے۔ اس طرح یہ کمپنیاں متعدد ممالک میں جعل سازی کرنے میں کامیاب رہی ہیں۔

چوری کا تیسرا مرحلہ: اب آتا ہے چوری کا تیسرا مرحلہ، جس میں اس مواد کی حد بندی، اس کی قیمت کا تعین اور عالمی سطح پر اس کی خرید و فروخت کی جاتی ہے۔ اس مرحلے پر اس مواد کی انتہائی کم قیمت لگائی جاتی ہے (جو بذاتِ خود وسائل چوری کرنے کا ایک جدید انداز ہے)۔ سمجھنے کے لیے بس ایک مثال ہی کافی ہے کہ خود مغرب کے 26 عالمی اقتصادی تعلیمی اداروں کے مطابق ایک بیرل خام پٹرول اور اس سے نکلنے والے صنعتی مواد کی اصل تصور شدہ قیمت کم از کم 260 ڈالر فی بیرل ہونا ضروری ہے جبکہ حقیقت حال یہ ہے کہ اب تک پوری تاریخ میں کبھی بھی یہ

قیمت 45 ڈالر سے تجاوز نہیں کرسکی۔ اکثر اوقات تو اس کی قیمت 20 ڈالر کے ہی ارد گرد رہی حتیٰ کہ بسا اوقات یہ قیمت 10 ڈالر تک بھی جا گری ہے!!!

یہ سارا مکروہ کھیل ہمارے ممالک پر قابض صلیبی سرمایہ دار اور عالمی تجارتی منڈی کے یہودی ساہوکار کھیلتے ہیں۔ ہمارے قیمتی سرمایہ اور ہمارے ممالک کی کرنسیوں کی قدر یہی گھٹاتے بڑھاتے ہیں۔ لیکن اس سے بھی المناک حادثہ یہ ہے کہ ہم پر قابض چور حکمران، ان کے حکام و خدام، ان کے بھائی بیٹے اور معاونین و مصاحبین چند ٹکوں اور محدود ذاتی مفادات کے حصول کی خاطر اس قیمتی دولت کو عالمی سطح پر مقرر کردہ حصص کے مقابلے میں بھی انتہائی ارزاں قیمت، مثلاً 3 ڈالر فی بیرل تک میں بیچ دیتے ہیں۔ یوں نصف ملین بیرل پٹرول سے محض ڈیڑھ ملین ڈالر کی آمدنی حاصل ہوتی ہے جو اس حکمران طبقے کی آوارگی، عیاشی اور جوئے بازیوں کے چند ہفتوں کے اخراجات ہی کو کفایت کرپاتی ہے۔

چوری کا چوتھا مرحلہ: بات یہاں بھی ختم نہیں ہوتی، آگے چوری کا چوتھا مرحلہ آتا ہے۔ اس مرحلے میں اس حاصل شدہ آمدنی کو ہماری خائن حکومتیں ہمارے بینک کھاتوں کے نام پر صلیبی بینکوں میں منتقل کردیتی ہیں۔ جو ہمارے لئے محض الیکٹرونک حساب و کتاب میں اعداد و شمار اور صفروں کی تعداد میں اضافے کا باعث بنتا ہے۔ اس کے بعد ہمارے حکمرانوں کو بھی اس کی اجازت نہیں ہوتی کہ ان بینکوں سے اپنی ہی رقم ایک مقرر شدہ حصے سے زائد نکلوا سکیں تا آنکہ وہ اس رقم کا اکثر حصہ مغرب ہی کی صنعتی مصنوعات اور انہی کے بنائے ہوئے اسلحہ کو خریدنے میں لگا دیں۔

پھر یہ سامانِ حرب بھی اربابِ مغرب اپنی من پسند قیمت پر بیچتے ہیں۔ اس نکتے کو واضح کرنے کے لیے ہم ایک مثال پیش کرتے ہیں۔ کویت کے قومی اسمبلی کے ایک رکن کے امریکہ میں صرف کھانے کے اخراجات کروڑوں ڈالر تک پہنچتے تھے۔ جہاں مصارفِ طعام میں 30 ڈالر تو صرف چند پتوں کی قیمت تھی جو بطورِ سلاد استعمال کئے جاتے ہیں۔

جو تھوڑا بہت حاصل ہوتا ہے، وہ بھی ہمارے فاسق حکمران اُڑا دیتے ہیں! اب آخر میں دیکھئے کہ ہمارے قیمتی وسائل میں سے خود ہمارے ہاتھ کیا آتا ہے۔ حقیقی آمدنی کی مضحکہ خیز حد تک قلیل نسبت اور اس کا بھی بیشتر حصہ ہمارے حکمران سوئٹزرلینڈ، امریکہ و یورپی ممالک کے بنکوں میں موجود اپنے خفیہ کھاتوں میں جمع کروا دیتے ہیں، جو حقیقت میں یہود ہی کے ادارے ہیں۔ یوں ہمارے 'بے حد و حساب وسائل' سے حاصل شدہ 'انتہائی کم آمدنی' ان حکمرانوں کے اپنے اخراجات اور بعض بنیادی منصوبوں کو ہی بمشکل پورا کرپاتی ہے اور عوام کے ہاتھ عملاً کچھ بھی نہیں لگتا۔

محض پٹرول ہی نہیں، تمام معدنی وسائل چوری کئے جاتے ہیں!

جہاں تک ہمارے دیگر معدنی وسائل کا تعلق ہے تو وہ بھی ایسے ہی ہتھکنڈوں سے بھاری مقداروں میں چوری کرلئے جاتے ہیں اور بالعموم دھاتوں، پتھروں اور خام مال کی صورت میں ہی برآمد کردیئے جاتے ہیں۔ نہ ہی انہیں اپنے یہاں صنعت میں لگایا جاتا ہے اور نہ اپنے علاقوں کے لیے ان سے کوئی خاص فائدہ اُٹھایا جاتا ہے۔ بیشتر مسلم ممالک مقامی ماہرین کو استعمال کرتے ہوئے یہ معدنیات اپنے یہاں ہی صنعتی استعمال میں لاسکتے ہیں، لیکن ہماری گمراہ حکومتوں کو سوائے ان قیمتی معدنیات کو کانوں سے نکالنے اور برآمد کردینے اور کچھ نہیں سوجھتا۔

چوری اور عیاری کی انہی تاریخ ساز وارداتوں کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جو قدرتی وسائل اور عظیم نعمتیں عطاکی تھیں، وہ ان سے چھنتی چلی جارہی ہیں۔ آج مسلم سرزمینوں کی صورتِ حال یہ ہوچکی ہے کہ وہاں حکومت کے حصول، وسائل کی لوٹ مار اور مغربی آقاؤں کو ان وسائل کی حوالگی کے لیے ہر دم ایک سیاسی و عسکری کشمکش جاری رہتی ہے! جس کے نتیجے میں آنے والی ہر حکومت یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتی ہے کہ وہ اُمت کے وسائل لوٹنے اور اِن وسائل کو کفار کے حوالے کرنے میں سابقہ حکومتوں سے زیادہ مخلص اور چاق وچوبند ہے!! پھر آخر یہی کشمکش مغربی اقوام کے حملوں، حرص وہوس پر مبنی خونی جنگوں، ہلاکتوں، خوف، بھوک اور افلاس کا سبب بنتی ہے۔

بلادِ اسلامیہ میں امیر اور غریب ممالک کی تفریق

اسی طرح ہماری کوتاہیوں اور سامراج کی کوششوں کی بدولت خود بلادِ اسلامیہ میں بھی دولت مند اور غریب و پسماندہ ممالک کی تفریق پیدا ہوچکی ہے۔ بعض اسلامی ممالک مثلاً بنگلہ دیش، افغانستان اور افریقہ کے بعض مسلم ممالک میں فی کس سالانہ آمدنی اوسطاً 100 ڈالر یعنی یومیہ ایک ڈالر کا چوتھائی حصہ ہے جبکہ دوسری جانب خلیجی ممالک میں عام فرد کی اوسط آمدنی بیسیوں ہزار ڈالر سالانہ ہے۔ حتیٰ کہ کویت و قطر جیسے بعض ممالک میں عام فرد کی مالی خوشحالی کی سطح دنیائے کفر کے مقابلے میں بھی نہایت اعلیٰ ہے۔

پھر بعض مسلم ممالک کی عمومی غربت کے باوجود، ان پر قابض طبقے کی حالت یہ ہے کہ محض ان کے گھر ہی کروڑوں ڈالر مالیت کے ہیں جبکہ بعض گھروں کی قیمتیں اس سے بھی تجاوز کرجاتی ہیں۔ ان کے گھروں کا شمار دنیا کے مہنگے ترین گھروں میں ہوتا ہے جبکہ ان کی رعایا کی اکثریت بے روزگار اور بھوکوں مر رہی ہے۔ افسوس صد افسوس!

اُمت کے مال میں تمام مسلمانوں کا حق ہے!

اُمتِ مسلمہ کے سرمایہ میں تمام مسلمان حصہ دار ہیں۔ ہم میں سے ہر کوئی جانتا ہے کہ ہمارے دین کی اساسی تعلیمات اور اس کے بنیادی اُصولوں میں سے ایک یہ ہے کہ اُمت مسلمہ ایک اُمت ہے۔ اس کی حفاظت و عہد کا ذمہ ایک ہے۔ پوری اُمت جسدِ واحد کی طرح ہے۔ آقائے دو عالم ﷺ نے تو یہاں تک فرمایا کہ

«لیس المومن الذی یشبع و جارہ جائع» (الأدب المفرد للبخاری: 112)

''وہ مومن ہی نہیں جس نے خود تو سیر ہو کر رات گزاری جبکہ اس کا ہمسایہ بھوکا رہا''

اس اُمت کی ثروت، اثاثہ جات اور سرمایہ ان کے فاسق وظالم حکمرانوں کی بجائے تمام مسلمانوں کی ملکیت ہوتے ہیں، یعنی اُمتِ مسلمہ کی دولت اور سرمایہ جات کسی خاص طبقے کے لیے نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کے لیے ہیں۔ لیکن آج مغربی سامراج نے ہمیں 57 ملکوں کی صورت

میں تقسیم کر دیا ہے اور ان ممالک کے حکمران مسلمانوں کے ثروت و سرمایہ کو لوٹنے اور غربت عام کرنے میں مصروف ہوگئے ہیں۔ دیکھئے کہ اسلام کے قرونِ اولیٰ کی نسبت آج اُمت کا حال کیا ہو چکا ہے!!

اس سلسلے میں عہد فاروقیؓ سے ایک مثال ملاحظہ فرمایئے:

صحابہ کرام کا طرزِ عمل ہمارے سامنے ہے۔ جب عراق کی فتح کے بعد مال و غنائم کی کثرت ہوئی تو حضرت عمرؓ نے زمین کی وسعت و آسودگی کو دیکھتے ہوئے صحابہ کرامؓ کو جمع کرکے مشورہ لیا کہ میرے خیال میں عراق کے اطراف کی زمین مسلمانوں کے بیت المال کے لیے چھوڑ دینی چاہیے تاکہ بعد میں آنے والوں کے لیے بھی کچھ سرمایہ بچ جائے۔ باوجودیکہ بعض صحابہ نے اس سے اختلاف کیا اور یہ رائے دی کہ اس زمین کو مجاہدین میں تقسیم کر دینا چاہیے، اور ان کے پاس اس بارے میں کتاب وسنت سے دلائل بھی تھے، تاہم حضرت عمرؓ کا موقف کچھ اور تھا۔ اس کے بارے میں درج ذیل آثار ملاحظہ کیجئے:

»

عن أسلم قال: سمعت عمر يقول: اجمعوا لهذا المال، فانظروا لمن ترونه وإني قد قرأت آيات من كتاب الله، سمعت الله يقول: ﴿ما أَفاءَ اللّٰهُ عَلىٰ رَسولِهِ مِن أَهلِ القُرىٰ﴾ إلىٰ قوله ﴿وَالَّذينَ جاءو مِن بَعدِهِم﴾ والله! ما من أحد من المسلمين إلا وله حق في هٰذا المال أعطي منه أو منع حتى راع بعدن»

... فقد فكر رضی اللہ عنہ فی (وَالَّذِينَ جاءِو مِن بَعدِہِم)، وقال رضی اللہ عنہ: "واللہ لئن بقیت لہم لیأتین الراعی بجبل من صنعاء حظہ من ہذا المال وہو یرعی مکانہ"»

... وقال رضی اللہ عنہ: "ماعلیٰ وجہ الأرض مسلم إلا ولہ فی ہذا الفیء حق إعطیہ إو منعہ إلّا ماملکت إیمانکم"» (کنز العمال: 11547)

''جناب اسلم کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا عمرؓ کو فرماتے سنا کہ: ''(آؤ!) اس مال (کی تقسیم) کے حوالے سے اکٹھے ہو جاؤ اور اپنی رائے دو کہ اسے کن میں تقسیم کرنا چاہیے؟ اور میں نے تو کتاب اللہ کی وہ آیات پڑھ رکھی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جو (مال بطورِ فے) اللہ بستی والوں سے اپنے رسولؐ کی طرف پلٹادے) سے لے کر (اور وہ لوگ جو اُن کے بعد آئے، اُن کا بھی اس مالِ فے میں حق ہے) اللہ کی قسم! اس مال میں ہر ایک مسلمان کا حق ہے، حتیٰ کہ اس چرواہے کا بھی جو عدن (یمن) میں رہتا ہے۔ چاہے اسے دیا جائے یا اس سے روک لیا جائے۔''

..... آپؓ نے آیت کے ٹکڑے ''اور وہ لوگ جو اُن کے بعد آئے'' کے بارے میں سوچا اور پھر فرمایا: ''اللہ کی قسم! اگر میں باقی رہا تو صنعا کے پہاڑوں سے میرے پاس ایک چرواہا آئے گا اور اس مال میں اس کا بھی حق ہو گا چاہے وہ محض انہی (دور دراز) پہاڑیوں میں بکریاں ہی چراتا ہو (اور جہاد وغیرہ میں شرکت نہ کرتا ہو)۔''

.....اور آپؓ نے کہا: قطعہ زمین پر رہنے والے ہر مسلمان کا اس مالِ فے میں حق ہے، چاہے اسے دیا جائے یا روک لیا جائے، سوائے غلاموں او رلونڈیوں کے''

حضرت عمرؓ نے بطورِ مثال فتح عراق سے حاصل شدہ مال میں یمن کے رہنے والے فقیر کا بھی حق بیان کیا حالانکہ یمن مفتوحہ عراق سے بہت دور تھا۔ آپؓ نے بیت المال میں داخل کردہ دولت حتیٰ کہ اطرافِ عراق کی زمینوں میں سے بھی اہل یمن کے لیے حصہ مقرر کیا۔ شریعت کی اسی تعلیم کو سامنے رکھتے ہوئے بتایئے کہ ملت اسلامیہ کے علاقوں میں زیر زمین پائی جانے والی اس وافر دولت اور قدرتی وسائل کے اس عظیم ذخیرے کے ساتھ کیا معاملہ ہونا چاہیے ؟ کیا پوری اُمت ان وسائل پر حق نہیں رکھتی ؟

لیکن افسوس کہ اہل مغرب کی استعماری سیاست نے ہمیں وطنی ریاستوں National States میں تقسیم کرکے پہلے اس اُمت کو کمزور کیا۔ پھر انہوں نے چوریوں، ڈاکوں کے ذریعے اس نحیف و ناتواں اُمت کے سرمایہ کے بڑے حصے پر قبضہ کرلیا اور بچے کھچے مال پر رسہ کشی کرنے کے لیے مسلمانوں پر مسلط حکمرانوں کو آزاد چھوڑ دیا۔ یقیناً یہ تاریخ انسانی میں غیر منصفانہ تقسیم اموال کی بدترین مثال ہے۔

اللہ ربّ العزت کے عطا کردہ یہ بیش بہا وسائل ہم سے ضائع ہونے کے نہایت خطرناک نتائج برآمد ہوئے۔ ہمیں اقتصادی، اجتماعی اور سیاسی سبھی میدانوں میں انتہائی تباہ کن اثرات کا سامنا کرنا پڑا۔ بلاد اسلامیہ میں اسلام کے فروغ کے لئے اموال کی کمی کا رونا رویا گیا اور ہم پر مال و دولت کے ذریعے مغرب کی کافرانہ تہذیب مسلط کردی گئی۔ مسلمانوں کے انہی رہن شدہ اموال کو قرضوں کی صورت میں ہمیں دے کر، اہل مغرب نے ہم پر اپنی پالیسیاں مسلط کیں۔ اللہ نے تو ملتِ اسلامیہ کو اموال وسائل سے کبھی محروم نہ کیا بلکہ سب سے بڑھ کر دیا، لیکن ہماری کوتاہیاں اور ہمارے حاکموں کی عیاشیاں امت کے لئے ذلت ورسوائی کو عام کر گئیں۔ اپنے اَموال کے ضیاع اور غیروں کے دستِ نگر ہونے کا نتیجہ خلافتِ اسلامیہ کو کھونے کی شکل میں بھی برآمد ہوا۔ پھر خلافت سے محرومی کے سبب ہماری دنیا بھی ہاتھوں سے جاتی رہی اور ہر میدان میں اہل اسلام کی زندگی اجیرن ہوگئی۔ یہاں تک کہ مسلمان بالعموم ظلم وجبر، ذلت ونکبت، خوف وافلاس اور طرح طرح کی بیماریوں میں گھر کر رہ گئے۔

عامہ المسلمین کی غربت اور فاسق حکمرانوں کی ثروت

یہ داستانِ غم، مسلمانوں کے بیت المال اور ان کے وسائل و سرمایہ کی چوری تک محدود نہیں بلکہ اس سے بھی بڑی مصیبت یہ ہے کہ ہمارے سروں پر مسلط مغرب کے ایجنٹ حکام، ان کے مصاحبین و خدام، بہت سے بڑے بڑے تجار اور اس طاغوتی نظام کو سہارا دینے اور قائم رکھنے والے کارندے مسلمانوں کی بچی کھچی آمدنی میں ناحق تصرفات کرکے رہی سہی کسر بھی پوری کردیتے ہیں۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہوگا کہ خلیجی ممالک کی گیس اور پٹرول کی یومیہ آمدنی کروڑوں ڈالر سے بھی متجاوز ہے جسے یہ حکام جن کی تعداد بعض ممالک میں بیس سے زائد نہیں، اپنی عیاشیوں میں اُڑا دیتے ہیں۔ اس طرح ان تمام ممالک پر قابض حکام جو مجموعی طور پر چند سو سے زائد نہیں، اسلام کے مفاد کے لئے مخصوص اور اُمت کا مال جو شرعاً تمام مسلمانوں کی ملکیت ہے، آپس میں بانٹ لیتے ہیں۔

ایک مثال ملاحظہ فرمایئے ! ان حکام کی زندگیوں پر تحقیق کرنے والے اداروں کے مطابق ان میں سے بعض حکام کا صرف ایک دن کا خرچہ تیس لاکھ ڈالر (یعنی تقریباً 19 کروڑ روپے) تک پہنچتا ہے۔ یہ خطیر رقم اِن کے ان محلات کے روزمرہ مصارف پر خرچ ہوتی ہے جو امریکہ، مختلف یورپی ممالک اور مشرقی ساحلوں پر پھیلے ہوتے ہیں۔ نیز اسی رقم سے ان محلات میں ہونے والے لہو و لعب، آوارگیوں، بدکاریوں، جوئے بازیوں اور فسادات کے اخراجات بھی پورے کئے جاتے ہیں۔ اسی ایک مثال پر آپ ملت اسلامیہ کے دیگر حکام کو بھی قیاس کر سکتے ہیں۔

ذرائع ابلاغ پر نشر ہونے والی ایسی ہی ایک دل سوز خبر ایک عرب شہزادے فیصل بن فہد کی تھی جس نے جوئے کی ایک میز پر 10 کھرب ڈالر (یعنی تقریباً چھ سو کھرب روپے) ہارے اور پھر اسی صدمے کی وجہ سے اس کی حرکتِ قلب بند ہو گئی اور وہ مر گیا۔

دبئی، متحدہ عرب امارت کی ذیلی ریاستوں میں سے ایک اہم ریاست ہے۔ اس ریاست کے اقتصادی معاملات کو یہاں کا حاکم 'مکتوم خاندان' اپنے ذاتی کاروبار کے طور پر چلاتا ہے۔ حالانکہ یہ اسلام اور اہل اسلام کی سرزمین ہے جس کے شرعی طور پر یہ حکمران محض مفاد اسلامیہ کے تحفظ اور نفاذ اسلام کے لئے نگران سے زیادہ کچھ نہیں۔ جبکہ اس کے برعکس دبئی بطورِ 'دبئی کارپوریشن لمیٹڈ' (Dubai Inc.) کام کرتا ہے۔ یہاں کا سربراہ محمد بن راشد المکتوم دبئی کو سرمایہ کاروں اور سیاحوں کی جنت بنانے اور اپنی دولت بڑھانے کی خواہش میں کروڑوں اربوں ڈالر کی لاگت سے نت نئے تعمیراتی منصوبے شروع کرتا رہتا ہے۔

دبئی میں محمد بن راشد کی خاص فرمائش پر تعمیر کردہ مشہور 'برج العرب' ہوٹل پایا جاتا ہے جو دنیا کا واحد 'سیون سٹار' ہوٹل ہے۔ اس ہوٹل کی تعمیر سے قبل ساحل سے ذرا ہٹ کر پانی میں ایک چھوٹا سا مصنوعی جزیرہ بنایا گیا اور اس جزیرے پر ہوٹل کی عمارت کھڑی کی گئی۔ اس ہوٹل میں کوئی کمرہ کرایہ پر لینا ممکن نہیں، کیونکہ یہاں اکیلے کمرے کا تصور ہی نہیں ہے۔ اس میں تو دو دو منزلہ رہائش گاہیں ہی دستیاب ہیں جن میں ہر قسم کی عیاشی کا سامان میسر ہے۔ ان میں سے سستی ترین رہائش گاہ کا کرایہ بھی آج سے دو سال قبل 4.5 ہزار ڈالر (یعنی تین سے 4 لاکھ روپے) یومیہ سے شروع ہوتا تھا، جبکہ خصوصی رہائش گاہوں کا کرایہ 13 ہزار ڈالر (یعنی 9 لاکھ روپے سے زائد) یومیہ تھا۔ اس ہوٹل میں آنے والوں کی خدمت کے لیے سربراہِ دبئی کی خاص فرمائش پر 16 رولز رائس گاڑیاں کمپنی سے خصوصی طور پر تیار کروائی گئیں جن سب کا رنگ باہر سے سفید ہے اور گاڑیوں کے اندر ہر شے نیلے رنگ کی ہے۔ یاد رہے کہ یہ ہوٹل مکتوم خاندان کی ذاتی ملکیت ہے۔

اجارہ داری اور صارفیت کا فتنہ :

انڈسٹریلائزیشن کی غیر معمولی ترقی، صنعت و حرفت کی بے پناہ وسعت اور مصنوعات کے بے تھاہ سمندر سے ایک فکری سونامی کی زبردست لہریں اٹھ رہی ہیں جسے صارفیت (Consumerism) کہا جاتا ہے۔ یہ ایک خاموش اور غیر محسوس فکری یلغار ہے کہ انسان کو جتنا زیادہ سکون و آرام درکار ہو، مارکیٹ میں دستیاب اتنی ہی زیادہ مصنوعات خرید خرید کر اٹھا لائے اور اپنے گرد ان کے ڈھیر لگا دے۔ اس کی حقیقی ضرورت کیا ہے اور کتنی ہے اس سے قطع نظر، خریداری کا فیصلہ اس بات پر ہو کہ اس کی قوت خرید کتنی ہے اور دکانوں میں، سپر مارکیٹوں میں اور پلازاؤں میں کتنی اشیائے صرف دستیاب ہیں، فیشن اور ڈیزائنز فیشن کے کتنے آئٹمز، کتنے اور کیسے ملبوسات، تکثیر حسن و جمال کے کیسے کیسے کاسمیٹکس، مکان کی زیبائش اور

ڈرائنگ روم کی آرائش کی کتنی اشیاکاؤنٹروں ، ہینگروں اور شوکیسوں سے دل ودماغ ہیجان بپا کر رہی ہیں ۔ مسلمانوں کو اسراف اور بخل کے درمیان ایک معتدل و متوازن زندگی جینے کی تعلیم دی گئی تھی ۔ اسراف کرنے ولاے کو قرآن میں شیطان کا بھائی کہا گیا تھا۔ سادگی اور قناعت کی زندگی کے وعظ وتذکیر کے سلسلے جاری کیے گئے تھے لیکن صنعت کاروں وسرمایہ داروں اور بڑے بڑے تجارتی اداروں کی طرف سے پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا کے توسط سے ہر وقت ہر آن والی اشتہاری یلغار نے مسلمانوں کی بھی فکر و نظر کی چولیں ہلا کر رکھ دیں ، اور ملت پر کنزیومرزم کا فتنہ پوری طرح مسلط ہو گیا توخوش نصیب گھرانہ ہی ہو گا جو اس سے محفوظ وماموں ہو گا

دہشت گردی کاالزام اور تاویلیں :

آج سے چند سال سے قبل دنیا کے کئی ملکوں اور خطوں میں مسلمان ، دشمن طاقتوں کے ظلم واستبداد اور استعمار کے خلاف وطنی و قومی جذبے سے حربی مزاحمت کرتے رہے تھے۔ پھر ان مزاحمتی تحریکات کو اسلامی ڈائمنشن دیا گیا اور فطری طور پر اس مزاحمت کو جہاد سے موسوم کیا گیا۔ پہلے دشمن طاقتیں اس مزاحمت کو 'دہشت گردی' کہا کرتی تھیں یا 'مسلم دہشت گردی' اب اسے 'اسلامی دہشت گردی' یا 'جہادی دہشت گردی' کا نام دے دیا گیا ۔ یہ اصطلاحات مسلم ان ٹلکچوئلز، زعماء اور علماء کے اعصاب پر فکری یلغار بن حملہ آور ہوئیں۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ اہل علم ودانش نے بیش تر، اسے سچ مچ دہشت گردی ہی باور کر لیا، خواہ دل سے ، خواہ زبردست دباؤ کے تحت ۔ وہ اسلام کی مدافعت کے نام پر ، لغوی معنوی میں لفظ جہاد کی تعریف تشریح و تعبیر میں لگ گئے اور اس کے اصطلاحی مفہوم کو دبادیا، چھپا جانے لگا یا اس کی ایسی تاویلات کی جانے لگیں جو دشمن طاقتوں کو پسند آجائیں۔ اس کے لیے یہ بھی کیا گیا کہ بارہ تیرہ صدی قبل مرتب کی گئی ایسی شرائط کی تکمیل حقیقی اسلامی جہاد قرار پانے کے لیے لازم بتائی گئی جو اول قرآن واحادیث میں منصوص نہیں ہیں اور دوسرے، موجودہ دور اور حالات و کوائف میں ان کی کوئی معنویت (Relevance)ہی باقی نہیں رہی ہے۔ اس فکری یلغار نے انہیں اتنا مرعوب اور خوف زدہ کر دیا کہ بقول مولانا مودودیؒ، اسلام کے یہ وکلا اسلامی نقطہ نظر کو ایسے رنگ میں پیش کرنے لگے جو دشمنان اسلام کو پسند آجائے۔

دہشت گردی کی وہ قسم جس میں بے قصور اور عام شہری مارے جائیں، سب سے زیادہ مسلمانوں کو ذریعے مذمت کی مستحق ہے خواہ مجرم کوئی بھی ہو، بلکہ اگر مجرم مسلمان ہو تو اس کی اور زیادہ مذمت اور سخت سزا کا مطالبہ مسلمانوں کو، دیگر قوموں سے بڑھ کر کرنا چاہیے ۔ لیکن دشمنان اسلام کی مذکورہ بالا حکمت عملی اور فکری یلغار سے متاثر، مسلم دانش ور ، صحافی ، علماء اور قائدین کی اکثریت نے ایک یکسر غلط رویہ اختیار کیا۔ وہ کوئی حادثہ ہونے کے فوراً بعد مجرم کی مذمت اور اس کے حوالے سے اسلام کا دفاع اس طرح کرنے لگ گئے گویا انہوں نے تفتیش کرکے یہ یقین کر لیا ہو کہ حادثے کے مجرم مسلمان ہی ہیں حالانکہ نہ عالمی سطح پر، اور نہ ملکی سطح پر یہ کوئی ڈھکی چھپی بات رہ گئی ہے کہ بیش تر حادثوں میں کچھ دیگر مسلم دشمن عناصر، تنظیمیں اور ایجنسیاں ملوث ہوتی ہیں اور حادثے کے بعد آناً فاناً مسلمانوں کے نام سے میڈیا اور ملک گونج اٹھتا ہے۔ اس رویے کا اثر یہ ہوا کہ دہشت گردی کے حوالے سے پوری ملت کی، اغیار کی نظروں میں مجرمانہ تصویر بنانے اور اسے احساس جرم میں مبتلا کر دینے میں خود ہی ایک بڑا رول ادا کرنے لگے اور کسی بھی مسلمان کو، کسی بھی جگہ اور ہر حادثے کے بعد پکڑ لیے جانے کی فضا ہموار کر دی آج کل پوری دنیا میں یہی کچھ ہو رہا ہے۔

مسلم عورت باطل قوتوں کا خصوصی ہدف:

مسلم سماج میں کچھ عورتیں، کچھ مخصوص امور میں سچ مچ مظلوم و مقہور ہیں تاہم بحثیت مجموعی مسلم عورت دنیا بھر کی عورتوں میں سب سے زیادہ محسوس طور پر، باعزت، باعصمت، باوقار، محفوظ و مامون اور مطمئن ہے۔اس کی یہ عمومی پوزیشن، نیزاس کی وہ کشش جس کی تحریک پر غیر مسلم خواتین دائرہ اسلام میں مسلسل کھینچتی چلی آرہی ہیں، دشمنان اسلام کو فطری طور پر ایک آنکھ نہیں بھاسکتی۔اس پوزیشن کی بقااور اس کی بحالی میں وہ شہوانیت، اباحیت، فحاشی، بے لگام جنسی لذتیت اور موت کا پیش منظر دیکھ رہے ہیں۔لہٰذاانہوں عورت کے تعلق سے اسلامی اصول، اخلاقیات اور قوانین کے خلاف زبردست منصوبہ بندی کرکے، نقشہ کار بناکر طریقہ کار متعین کرکے اسلام پر حملے اور ملت اسلامیہ پر فکری یلغار کے دہانے کھول دیے۔معلوم ہوا کہ ایسے بے شمار موجود ہیں جو دشمنوں کی سازشوں کو یا تو سمجھنے کی صلاحیت اور ظرف نہیں رکھتے، یا قصداً سمجھنا نہیں چاہیے، یا دشمنوں سے اتنے زیادہ مرعوب ہیں کہ اس کمزوری کا مداواہ وہ مسلم سماج اور اسلامی تہذیب کو تبدیل کردینے میں تلاش کردیتے ہیں۔

آج مغرب الزام دیتا ہے کہ اسلام عورتوں کے معاملے میں انصاف نہیں کرتا۔اسے خبر ہی نہیں کہ اس دین کے نام لیواؤں کا خدا توانہیں حکم دیتا ہے: ”عورتوں کے بھی حقوقہیں جیسا کہ مردوں کے حقوق ان پر ہیں۔“ ([13]) ”اور ان کے ساتھ اچھی طرح رہو، سہو۔“([14]) ”مردوں کاوہ حصہ ہے جو وہ کمائیں اور عورتوگاوہ حصہ ہے جو وہ کمائیں۔“([15])ان کا نبی ﷺ ان سے کہتا ہے: ”عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔“([16])(29)

اسلام نے تعلیم کو کبھی ایک طبقے تک محدود نہیں رکھا۔خواتین نے جب آپ ﷺ سے تعلیم کے لیے ملنے کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے ان کے لیے علیحدہ وقت مقرر کردیا اور الگ جگہ کا تعین فرمادیا۔([17])(30)

اسلام خواتین کے بارے کہیں رکاوٹ نہیں ڈالتا۔انہیں برابری کا حق دے کر ان کی پوری حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ہاں، اپنی تعلیمات کی روشنی میں اتنا ضرور تجویز کرتا ہے:

1۔اسلامی نظام تعلیم میں لڑکیوں کے لیے تعلیم کا انتظام الگ ہونا چاہیے۔

2۔ان کے لیے نصاب تعلیم الگ ہونا چاہیے کیونکہ ان کی عملی زندگی مردوں سے مختلف ہوتی ہے۔([18])(31)

اب اگر ان اصولوں کو سامنے رکھ کر اسلامی معاشرہ خواتین کو حصول علم کا ہر موقع فراہم کرتا ہے اور انہیں پورا تحفظ فراہم کرتا ہے تو اس کی ’روشن خیالی‘ میں کہاں کمی رہ جاتی ہے۔البتہ یورپ اگر اہل ایمان کی قندیل ایمانی کو بے حیائی اور فحاشی کی تعلیم کی مدھم کرنا چاہتا ہے تو یہ اس کی خام خیالی ہے:

2۔ سماجی و ثقافتی مسائل:

ہماری سماجی و ثقافتی مسائل میں خاندانی نظام کی شکست و ریخت، عالمی میڈیا کی ثقافتی یلغار، لسانی اور گروہی اختلافات، قوم پرستی، مادہ پرستی، نام نہاد ترقی پسندی، مغرب زدگی اور مغرب سے محاذ آرائی سر فہرست ہیں۔ جدیدیت یعنی (Modernization) سے انکار نہیں۔ ہمیں اکیسویں صدی کے تقاضوں کا ساتھ بہر حال دینا ہے لیکن اپنے سماجی ڈھانچے کو بھی محفوظ رکھنا اور ثقافتی اقدار کا بھی تحفظ کرنا ہے۔ ان حالات میں ہمیں رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ کو ایک نئے انداز سے اپنانے کی ضرورت ہے۔

آپ ﷺ کی بعثت ایک ایسے معاشرے میں ہوئی تھی جس کی حالت ہر اعتبار سے ابتر تھی۔ آپ ﷺ نے مکی زندگی میں بالخصوص اور مدنی زندگی میں بالعموم سماجی اور ثقافتی اصلاح کی طرف خصوصی توجہ دی۔ آپ ﷺ نے اس امر کی طرف خصوصی توجہ دی کہ افراد ذہنی اور اخلاقی طور پر اتنے پاکباز ہوں کہ ریاست اور قانون کی کم سے کم مداخلت کے باوجود بھی وہ صحیح راستے پر چلیں۔ ([1])

اسی طرح آپ ﷺ کا طریقہ تربیت یہ بھی تھا کہ لوگ ایمان قوت سے مالا مال ہوں اور مادہ پرستی سے متنفر ہوں۔ پھر باہمی ہمدردی احسان وایثار، شجاعت و حمیت صبر و استقامت، عفو و در گزر، حلم و بردباری، سخاوت و فیاضی حسن اخلاق صدق و توکل، رواداری اور حسن ظن جیسے اخلاقی اوصاف سے متصف ہوں۔ لوگوں کا رخ ایسی تعلیمات کی طرف موڑا جائے جس سے یہ صفات ان میں بدرجہ اتم پیدا ہو جائیں۔ ([2])

فرقہ پرستی، گروہی اور لسانی اختلافات نے ہمارے اتحاد و اتفاق کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ ان اختلافات کے باعث آپس کا لین دین اور محبت و اخوت کے عنصر کو ملیا میٹ کر دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے تمام اختلافات کو مٹا کر آفاقیت اور انسان دوستی کا درس دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"انسان آدم کی اولاد ہے اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا۔" ([3])

آپ ﷺ نے تعصب پر جان دینے، تعصب کی طرف بلانے اور تعصب پر جنگ کرنے والوں کے بارے میں فرمایا کہ وہ ہم میں سے نہیں۔ ([4]) آپ ﷺ نے مومن کی جان و مال اور آبرو کو ایک دوسرے کے لیے حرام قرار دیا۔ ([5]) تعلیم و تربیت کی طرف حضور ﷺ کی توجہ کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ نے "انما بعثت معلما" ([6]) فرما کر تمام عمال حکومت اور علماء کو تعلیم، تبلیغ اور تزکیہ و تربیت کی طرف خصوصی توجہ دلائی اور سب کو عوام کی تعلیم و تربیت کے لیے یکساں ذمہ دار قرار دیا۔ ([7])

آج ہمیں اپنے سماجی اور ثقافتی مسائل کے حل کے لیے بھی آنحضرت ﷺ کے ان اقدامات پر بھرپور عمل کی ضرورت ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے جدید آلات سے ہی فلاح اور اصلاح کا کام لیا جائے۔ اسلامی پروگرام اخلاقیات پر مبنی ڈرامے اور فلمیں، نصاب تعلیم کی تشکیل نو، اساتذہ کی تربیت، حکمرانوں کا طرز عمل، رشوت، سفارش، اقرباء پروری کا خاتمہ، عدل و انصاف کی ترویج، میرٹ کا تقدس اور پولیس کی اصلاح ایسے اقدامات ہو سکتے ہیں جن سے ہمارے سماجی اور ثقافتی مسائل کو حل کرنے میں کماحقہ مدد مل سکتی ہے۔

بلاشبہ آج کی دنیا معاشی مسابقت کی دنیا بن چکی ہے۔ ترقی یافتہ مغربی ممالک دنیا بھر کو بالعموم اور عالم اسلام کو بالخصوص اپنی صنعتی پیداوار کی کھپت کے لیے اپنی منڈی بنانے کی تگ ودو میں مصروف ہیں مگر امت مسلمہ کا المیہ یہ ہے کہ بیشتر اسلامی ممالک بے شمار مادی وسائل کے باوجود اندرونی اور بیرونی طور پر ان گنت اقتصادی مسائل کا شکار ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اسلام کی معاشی تعلیمات اسی معاشرے میں روبہ عمل آسکتی ہے جو اخلاقی طور پر مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر استوار ہو لیکن اخلاق سے عاری معاشرے میں ان تعلیمات کو کیسے نافذ کیا جائے؟ یہ سوال آج بھی اپنی جگہ بہت اہم ہے یہی وجہ ہے کہ ہمارے روشن خیال مفکرین یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں:

”وہ مسلم ممالک جہاں زکوۃ اور عشر کا مرکزی اور حکومتی نظام قائم ہوا ان کے معاشرے میں اس نظام سے ذرہ برابر تبدیلی نہیں بلکہ اس کا نقصان یہ ہوا کہ یہ ادارے بعض حکمرانوں کے سیاسی استحکام میں ایک وسیلہ اور ذریعہ کی حیثیت سے استعمال ہوئے یا سیاسی حکومت کو اخلاقی جواز مہیا کرنے میں۔ اسلام کو خاص طور پر قانون وراثت، نظام زکوۃ، آبادی اور ملکیت زمین کے مسائل پر تخلیقی کام کرنا ہوگا۔ خاص طور پر جاگیردارانہ نظام کے ان پہلوؤں پر جہاں وہ مذہب کے نام پر اپنا جواز پیدا کرتے ہیں۔“([8])

آنحضرت ﷺ جس معاشرہ میں مبعوث ہوئے اس میں تعلیم تقریباً ناپید تھی لیکن آپ ﷺ کا علم کی مجالس میں بیٹھ کر لوگوں کو حصول علم کی ترغیب دلانا، صفہ جیسا ادارہ قائم کرنا، ہر مسلمان (مرد، عورت) کو علم حاصل کرنے کی تلقین کرنا اور خود کو معلم کہلوا کر معلم کی تعظیم و توقیر میں اضافہ کرنا۔ آپ ﷺ کی ایسی تعلیمات ہیں جن سے سیرت النبی ﷺ میں حصول علم اور تعلیم و تعلم کی اہمیت وافادیت کو بخوبی سمجھا جاسکتا ہے پھر قرآن پاک کی کتنی ہی آیات ہیں جن سے علوم و فنون کی جانب راہنمائی ملتی ہے۔ تسخیر کائنات اور مظاہر فطرت کی بوقلمونیوں کی جانب توجہ مبذول ہوتی ہے اور یہ بات بلاخوف و تردید کی جاسکتی ہے:

اسلامی معیشت اور وسائل

عیش و عشرت اور کاہلی۔

اسلامی ممالک نہ تو کوئی مشترکہ معاشی منڈی رکھتے ہیں، نہ موثر بینکاری نظام، نہ باہمی امداد تعاون کا کوئی موثر نظام ہے نہ ایک دوسرے کے وسائل سے استفادہ کرنے کا کوئی لائحہ عمل۔ امت مسلمہ کا بیش بہا سرمایہ اور قیمتی وسائل مغربی ممالک کے رحم و کرم پر ہیں۔ اقتصادی مسائل ہی کے حوالے سے امت مسلمہ کا ایک اہم مسئلہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں ہماری پسماندگی بھی ہے۔

اگر ہم اپنے اسلام کے کارناموں کا جائزہ لیں، تاریخ، فلسفہ، سائنس، فلکیات، ادب، طب اور فنون لطیفہ غرضیکہ وہ کونسا علم وہنر کا شعبہ ہے جس میں مسلمانوں کے کارہائے نمایاں تاریخ کا حصہ نہیں۔ صرف سائنس ہی کو لیجئے۔ خوارزمی، جابر بن حیان، ابن الہیثم، موسیٰ بن شاکر، الکندی، بوعلی سینا اور نہ جانے اور کتنے سائنسدان، ریاضی دان، کیمیادان اور ماہرین طب اس امت نے پیدا کیے مگر اکیسویں صدی میں داخل ہوتے ہوئے

اس میدان میں امت مسلمہ کی زبوں حالی محتاج بیان نہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ سیرت النبی ﷺ ہی سے خوشہ چینی کرتے ہوئے علم و ہنر کا راستہ اپنایا جائے۔

عیاشی، سستی اور کاہلی نے تو جیسے ہمارے زوال پر مہر لگادی ہو۔ہماری عیاشی و کاہلی نے معاشرے کو کھوکھلا کرکے ہمیں اخلاقی و معاشی پسماندگی کی طرف دھکیل دیا۔ عیش و عشرت میں دین سے ایسے دور ہوئے کہ بربادی نے ہمیں سنبھلنے کا موقع بھی نہ دیا۔ عیش و عشرت میں ہم نے اللہ کی طرف مسلمانوں کو ملنے والے انعام (زرعی و معدنی وسائل) کا بھی غلط استعمال شروع کردیا۔ہمارے معدنی وزرعی وسائل بھی دشمنوں کے ہاتھ اونے پونے فروخت ہو رہے اور خاتمے کی طرف رواں دواں ہیں۔آپ ﷺ کی حیات مبارکہ سے دیکھا جائے تو آپ ﷺ نہ صرف اپنے کام خود کرتے بلکہ دوسروں کے کام میں بھی ہاتھ بٹاتے۔ کرپشن و بددیانتی اور احساس کمتری۔ کرپشن اور بددیانتی نے ہمیں احساس کمتری کا شکار کردیا ۔کرپشن کے گرم بازار کی گرماہٹ نے ہمارے ایمان کی کمزوری کو عیاں کردیا ہے۔ہماری بدیانتی کو استعمال کرتے ہوئے بے دین لوگوں نے ہمیں اپنے تابع کرنے کے لئے ہمیں سود پر قرض کے کھیل میں دھکیل دیا اور سود کے حرام مال نے ہمارے خون میں تبدیلیاں شروع کردیں۔اس تبدیلی نے ہماری خود مختاری کو ختم کرکے ہمیں تابع رہنے کی عادت ڈال دی۔یوں ہم احساس کمتری کے سفر پر گامزن ہیں۔

دیگر عوامل

اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس کی سیاسی فکر منفرد دانشورانہ روایت کی حامل ہے کیونکہ اس میں مذہب اور سیاست میں ایک رشتہ موجود رہا ہے اور سیاست اور ریاست کو ملا کر ایک مشن بنایا گیا۔

اسلامی ریاستوں میں حکمرانوں نے زکوٰۃ کے نام پر ٹیکس جمع کیے اور اُن کی فوجیں جہاد کے لیے وقف تھیں۔جس سے ساری دنیا میں فتوحات ملیں مگر جب ریاستیں الگ الگ ہو گئیں اسی طرح فوجیں بھی اپنی قوتیں کھوتی گئیں۔

مسلم دنیا میں سنہ آٹھ سو پچاس کے آس پاس یہ تبدیلی آئی کہ اقتدار سلطان اور علما میں تقسیم ہو گیا جس میں سلطان فوجی معاملات اور امن و امان چلاتا تھا جبکہ علما سماجی، عائلی اور تجارتی معاملات چلاتے تھے۔

سیاسی اقتدار کی مذہب سے یہ علیحدگی عثمانی سلطنت میں زیادہ واضح طور پر سامنے آئی لیکن اسلام کا عسکری پہلو موجود رہا اور علما نے سلطنت کی بیرونی جارحیت پر کوئی اعتراض نہیں اٹھایا۔ اینٹنی بلیک کا کہنا ہے کہ یورپ کے کلیسا کی طاقت کے مقابلہ میں اسلام میں علما کو کم طاقت ملی البتہ وہ زیادہ دیرپا ثابت ہوئی۔

اسلامی سیاسی فکر کی تاریخ میں نو قبائلیت اور پدرسری معاشرہ کی جدلیات موجود رہی اور یہ آج بھی قائم ہے۔اسی سے سیاست اور مذہب کا رشتہ اور سلطان اور علما کا رشتہ جنم لیتا ہے۔

اسلامی سیاسی فکر میں دانشمندانہ اخلاق، سیاسی حقیقت پسندی اور انتظامی معاملات سے آگاہی کی روایت موجود رہی ہے جس کا اظہار مسلمان مفکر ابن مقفّیٰ کے ہاں ہوتا ہے اور اسلام میں عملی معاملات میں میزان (توازن) اور اعتدال (درمیانہ راستہ) کے تصورات پائے جاتے ہیں اور غزالی کے ہاں ان کا اظہار ہوا ہے۔

امتِ مسلمہ کے سیاسی مسائل

آج جب ہم عالم اسلام پر نگاہ ڈالتے اور مختلف شعبہ ہائے حیات میں اپنی کارکردگی کا موازنہ مادّی طور پر ترقی یافتہ اور خوشحال دنیا سے کرتے ہیں تو ایک حوصلہ شکن تصویر سامنے آتی ہے۔ اس تصویر کا سب سے اذیت ناک پہلو یہ ہے کہ دنیا کے مختلف ملکوں میں مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا ہے۔ انہیں بدترین قسم کی سفاکی اور بربریت کا نشانہ بنایا جارہا ہے۔ مقبوضہ کشمیر میں بھارت کی سات لاکھ فوج حق خودارادیت کا مطالبہ کرنے والے عوام کو نشانہ ستم بنارہی ہے۔ اب تک ستر ہزار سے زائد کشمیری قتل کئے جاچکے ہیں۔ نوجوانوں کی ایک پوری نسل ختم کردی گئی ہے۔ بستیاں قبرستانوں میں تبدیل ہورہی ہیں۔ اقوامِ متحدہ کی قرار دادیں کاغذ کے ناکارہ پرزے قرار دی جارہی ہیں۔ ظلم کی سیاہ رات ہے کہ ڈھلنے میں نہیں آرہی اور اکیسویں صدی کا سورج بے بسی سے انسانیت سوز مظالم کا یہ دلدوز منظر دیکھ رہا ہے۔ فلسطین کے عوام آزاد فلسطینی ریاست کے مبنی برحق مطالبے کے لئے آواز بلند کر رہے ہیں اور انبیاء کی سرزمین کے کوچہ و بازار نوجوانوں کے لہو سے رنگین ہورہے ہیں۔ اسرائیل، انسانی تاریخ کے شرمناک مظالم کا اِرتکاب کر رہا ہے اور نہتے فلسطینیوں کی بستیوں پر آتش و آہن کی بارش ہورہی ہے۔ کوسووکے مسلمانوں کی حالتِ زار اور بوسنیا کے عوام پر ٹوٹنے والی قیامت کے زخم بھرنے میں نہیں آرہے۔ افغانستان اپنی آزادی و خودمختاری کا تاریخ ساز معرکہ لڑنے اور سرخرو ہونے کے باوجود ابھی تک استحکام اور ترقی و خوشحالی کی نویدِ جانفزا سے محروم ہے۔ اقوامِ متحدہ کی قراردادوں پر عملدرآمد کے سلسلے میں امتیازی رویے نے اس عالمی ادارے کے ساتھ وابستہ توقعات مجروح کی ہیں۔ مہذب دنیا خاموشی سے یہ تماشا دیکھ رہی ہے کہ مشرقی تیمور کے بارے میں اقوامِ متحدہ کی قرارداد کو فوری طور پر عملی جامہ پہنادیا جاتا ہے لیکن فلسطین اور کشمیر کے بارے میں اسی ادارے کی قراردادیں نصف صدی سے معرضِ التوامیں پڑی ہیں۔ اقوامِ متحدہ کی اس امتیازی رِوش سے عالمی ضمیر کے اندر بھی کوئی خلش پیدا نہیں ہورہی اور صورتِ حال کا سب سے افسوسناک پہلو یہ ہے کہ ان مسائل اور مصائب کے بارے میں امتِ مسلمہ بھی پوری طرح ہم آواز اور ہم قدم نہیں۔

ٹیکنالوجی اور جدید تصورات کے بروئے کار لانے کی ضرورت

جب ہم دنیا کے موجودہ معاشی، سیاسی، سماجی، ثقافتی اور تہذیبی منظر نامہ پر نظر ڈالتے اور پھر پیچھے مڑ کر اپنے ماضی کی تاریخ میں جھانکتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ اُسلوبِ حیات میں غیر معمولی تبدیلیاں آچکی ہیں۔ ایسے تغیرات مسلسل رونما ہورہے ہیں جن کا قبل ازیں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ابلاغِ عامہ اور ترسیل معلومات کے ایسے ایسے ذرائع اور وسائل ایجاد ہورہے ہیں جن سے ہماری گذشتہ نسلوں کو سابقہ پیش نہیں آیا۔ اس اِبلاغی انقلاب اور اِطلاعاتی پھیلاؤ کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ آج رُوئے زمین کا کوئی بھی خطہِ تہذیب و ثقافت، عقائد و نظریات اور اَخلاق واَقدار کو ان ہمہ گیر تبدیلیوں

کے اثرات سے بچا کر نہیں رکھ سکتا۔ مغرب کی اس منہ زور یلغار کے سامنے بند باندھنے کی کوئی حکمتِ عملی اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتی جب تک ہم خود اسی تکنیکی مہارت سے آراستہ ہو کر اپنی تہذیب و ثقافت کے توانا پہلوؤں کو دنیا کے سامنے نہیں لاتے۔ محض وعظ و تلقین یا غیر حقیقت پسندانہ دفاعی حربوں کے ذریعے اس یلغار کو روکنا ممکن نہیں۔ ہمیں چاہئے کہ ہم قرآن وسنت کی تعلیمات، اسلام کے انسانیت نواز پیغام اور اپنی روشن تہذیبی اَقدار کو پوری قوت اور خود اعتمادی کے ساتھ دنیا پر آشکارا کریں۔ یہ عصر جدید کے تقاضوں سے ہم آہنگ اُسلوبِ تبلیغ ہے جس کے لئے ہمارے اہل علم و دانش اور انفارمیشن ٹیکنالوجی کے ماہرین کو زبردست محنت کرنا ہوگی۔

تہذیبوں کی کشمکش محض ایک مناظرہ نہیں ہوتی جس میں دلیل اور جوابی دلیل کی قوت ہی کو کافی سمجھ لیا جائے۔ تہذیبوں کا عروج و زوال ایک ہمہ گیر سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی سرگرمی سے عبارت عمل ہے جو برس ہا برس کے بعد تشکیل پاتا ہے۔ آج مغربی تہذیب کے پھیلاؤ اور قوتِ تسخیر کا بنیادی سبب دراصل جدید علوم اور سائنس پر اس کی گرفت ہے جس نے اسے سیاسی اور اقتصادی طور پر مستحکم بنا دیا ہے اور یہی وہ پہلو ہے جو پوری ملتِ اسلامیہ کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔

یہ عظیم کانفرنس عظیم شہر لاہور میں منعقد ہو رہی ہے جس میں بیسویں صدی کے عظیم مسلم مفکر حضرت علامہ محمد اقبال ■ آسودۂ خاک ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مرقد پر اپنی رحمتوں کی بارش نازل فرمائے۔ حکیم الامت فرماتے ہیں

تابش از خورشید عالم تاب گیر

برقِ طاق افروز از سیلاب گیر

ثابت و سیارۂ گردوں وطن

آں خداوندانِ اَقوامِ کہن

ایں ہمہ اے خواجہ! آغوشِ خواند

پیش خیز و حلقہ در گوش تواند

جستجو را محکم از تدبیر کن

انفس و آفاق را تسخیر کن

"اے مردِ مسلمان! دنیا کو روشن کرنے والے سورج سے حرارت اور چمک دمک لے لے۔ پانی کے سیل رواں سے اپنے گھروں کو روشن کرنے والی بجلی پیدا کر۔ آسمان پر بسنے والے ساکن اور متحرک اَجرام فلکی، جنہیں زمانہ قدیم کی قومیں اپنا معبود خیال کرتی تھیں، تمہاری کنیزیں اور تمہارے حلقہ بگوش غلام ہیں۔ تو تلاش و جستجو کا عمل جاری رکھ، اسے اپنی تدابیر سے مضبوط اور نتیجہ خیز بنا اور اس ارض و سما کو تسخیر کر"

جدید علم وسائنس امتِ مسلمہ کی کاوشوں کا ہی ثمرہ ہے!

سائنس، ٹیکنالوجی، عصر حاضر کے علوم و فنون اور علم و حکمت کے مختلف شعبوں پر عبور مسلمانوں کا خاصہ رہا۔ قرآنی تعلیما ت میں کائنات کے سربستہ رازوں کی تحقیق و جستجو کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ اسلام کی نظریاتی اَقدار اور سائنسی ارتقاکے درمیان کبھی تصادم و پیکار کی فضا پیدا نہیں ہوئی بلکہ جدید سائنسی علوم پر دسترس اسلام کی متحرک اور روشن خیال فکر کا حصہ رہی۔ ساتویں سے چودھویں صدی عیسوی تک ہم اسلام کے اس پہلو کو معراج کمال پر دیکھتے ہیں۔ یہی وہ دور ہے جب کیمیا، طبیعات، علم الہندسہ، فلکیات، طب، فلسفہ اور تاریخ کے شعبوں میں جابر بن حیان، الکندی، الخوارزمی، الرازی، ابن الہیثم، البیرونی، الغزالی، ابن رشد اور ابن خلدون جیسے عالی قدر مفکرین، سائنس دان اور اہل حکمت و دانش دکھائی دیتے ہیں۔ اسلام کی فکر انگیز تعلیمات سے آراستہ ان شخصیات نے اپنی تحقیقات اور افکار کے ذریعے کائنات کے اَسرار و رموز کے مطالعہ وتحقیق کا ذوق و شوق پیدا کیا۔ فروغِ علم کے اس زرّیں عہد میں علم و حکمت کا جو عظیم خزانہ سامنے آیا، اس کی مثال یونان سمیت کسی خطہ اَرضی کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ فکر تازہ کی اسی لہر نے یورپ سمیت دنیا کے کئی خطوں کی نسل نو کو علم و فن کی نئی بلندیاں سر کرنے کا سلیقہ عطا کیا۔ افسوس کہ علم و حکمت کا یہ کارواں تاریخ کے ریگزاروں میں کھو گیا اور سلطنتِ علم کی فرمانروائی چھنتے ہی ہمہ پہلو زوال ہمارا مقدر ہو گیا۔ علامہ اقبال ■ نے اسی المیے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ اک عارضی شے تھی

نہیں دنیا کے آئینِ مُسلّم سے کوئی چارا

مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آباء کی

جو دیکھیں انکو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سی پارہ

سلطنتِ علم کی فرمانروائی سے محرومی، سیاسی زوال کا پیش خیمہ بنی۔ سیاسی زوال نے تہذیبی جاہ وجلال کی چکا چوند ماند کر دی۔ ان سارے عوامل نے یکجا ہو کر مسلمان خطوں کو معاشی پسماندگی کی تاریکیوں میں دھکیل دیا اور معاشی پسماندگی کے سبب مسلمانوں کے کم و بیش سارے علمی مراکز سامراج کی غلامی کی زنجیروں میں جکڑے گئے۔

اُمہ میں بیداری اور زندگی کی لہر

بیسویں صدی کے نصفِ اوّل میں سیاسی بیداری کی لہر اٹھی اور بہت سے اسلامی ممالک نے سامراج سے آزادی حاصل کر لی۔ اس سے بجا طور پر یہ توقع کی جانے لگی کہ آزاد اسلامی ممالک میں ایک بار پھر اسلام کے حقیقی تصور کی کارفرمائی ہوگی۔ دانش کدے پھر سے آباد ہوں گے۔ علم و حکمت کے سرچشمے پھر سے پھوٹ پڑیں گے اور تحقیق و جستجو کی دشت ویراں پھر سے ہری ہو جائے گی، لیکن یہ خواب پوری طرح شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکا۔ بلاشبہ بعض اسلامی ممالک نے اس میدان میں قابل ذکر پیش رفت کی۔ صنعت و حرفت اور سائنس اور ٹیکنالوجی کے بعض شعبوں میں قابل قدر ترقی کی مثالیں بھی سامنے آئیں۔ خود پاکستان نے بے سروسامانی اور شدید دباؤ کے باوجود اپنے دفاعی ایٹمی پروگرام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا اور عالم اسلام کی پہلی ایٹمی قوت کے طور پر سامنے آیا۔ بعض برادر اسلامی ممالک نے تیز رفتار صنعتی اور معاشی ترقی کی اچھی مثالیں قائم کیں۔ لیکن ان مثبت اور حوصلہ افزا پہلوؤں کے باوجود، عالم اسلام اجتماعی طور پر سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں مغربی اَقوام کے ہم قدم نہیں ہو سکا۔

علم و تحقیق سے بے اعتنائی کا نوحہ

آج انڈونیشیا سے مراکش تک پھیلے ہوئے اسلامی ممالک کی آبادی دنیا کی مجموعی آبادی کے بیس فیصد کے لگ بھگ ہے لیکن اس آبادی کا تقریباً چالیس فیصد حصہ ناخواندہ ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے شعبوں میں ۵۶ اسلامی ممالک کی مجموعی افرادی قوت صرف ۸۰ لاکھ کے لگ بھگ ہے جو اس شعبے میں مصروفِ کار عالمی آبادی کا صرف تقریباً چار فیصد ہے۔ تحقیق اور ترقی یعنی ریسرچ اینڈ ڈویلپمنٹ کے میدان میں ان اسلامی ممالک کا حصہ عالمی افرادی قوت کے ایک فیصد سے بھی کم ہے۔ ساری اسلامی دنیا میں یونیورسٹیوں کی تعداد تقریباً ۳۵۰ ہے جن میں مجموعی طور پر سالانہ صرف ایک ہزار PHDs فارغ التحصیل ہوتے ہیں۔ ان ممالک میں یونیورسٹی کی سطح پر سائنس اور ٹیکنالوجی کی تعلیم حاصل کرنے والے طلباء و طالبات کی تعداد صرف ۲۰ فیصد ہے اور یہ وہ ممالک ہیں جن کی افرادی قوت سوا ارب انسانوں کے لگ بھگ ہے۔ جن کی آزاد مملکتیں تقریباً تین کروڑ مربع کلومیٹر پر محیط ہیں۔ جو تیل کے مجموعی ذخائر کے تین چوتھائی حصے کے مالک ہیں۔ جن کے پاس لامحدود معدنی دولت ہے۔ جو بے پناہ زرعی استعداد کے حامل ہیں اور جہاں کے لوگ جفاکش، ہمت شعار اور بے مثال ذہنی صلاحیتوں کے مالک ہیں۔

کیا یہ لمحہ فکریہ نہیں کہ ان تمام اسلامی ممالک کی سالانہ مجموعی قومی پیداوار صرف بارہ ہزار بلین ڈالر ہے۔ رقبے اور آبادی کے لحاظ سے کہیں چھوٹے ممالک فرانس، جرمنی اور جاپان کی مجموعی قومی پیداوار بالترتیب ۱۵ ہزار بلین، ۲۴ ہزار بلین اور ۵۵ ہزار بلین امریکی ڈالر ہے۔ یعنی مجموعی طور پر صرف ان تین ممالک کی مجموعی قومی پیداوار ۹۴ ہزار بلین ڈالر بنتی ہے۔ دنیا کی مجموعی برآمدات میں ہمارا حصہ ساڑھے سات فیصد اور مجموعی عالمی معیشت میں ہمارا حصہ پانچ فیصد سے بھی کم ہے۔ ہم پر تقریباً سات سو بلین ڈالر کا قرضہ ہے جو دنیا کے مجموعی قرضوں کا ۲۶ فیصد ہے۔

ایک اور افسوسناک پہلو یہ ہے کہ ہمارے ذہین اور اعلیٰ پیشہ ورانہ صلاحیتوں کے مالک نوجوان حالاتِ کار کی ناموزونیت اور محدود امکانات کے باعث ترکِ وطن کر جاتے ہیں۔ پاکستان، مصر، ایران، شام، بنگلہ دیش، ترکی، الجزائر، لبنان اور اُردن اسی سنگین مسئلے سے دوچار ہیں۔ صرف پاکستان سے

میڈیکل کے شعبے سے وابستہ ۶۰ فیصد گریجویٹس وطن چھوڑ جاتے ہیں۔یہ ایک نہایت ہی اہم مسئلہ ہے اور اگر ہم نے اس پر توجہ نہ دی تو حالات کی سنگینی میں اضافہ ہوتا چلا جائے گااور آنے والا منظر زیادہ دلکش نہیں ہوگا۔

اسلامی اتحاد ویکجہتی کا فقدان

اتحاد کا معنی و مفہوم بہت آسان اور واضح ہے۔اس سے مراد ہے مسلمان فرقوں کا باہمی تعاون اور آپس میں ٹکراؤاور تنازعے سے گریز۔اتحاد بین المسلمین سے مراد یہ ہے کہ ایک دوسرے کی نفی نہ کریں، ایک دوسرے کے خلاف دشمن کی مدد نہ کریں اور نہ آپس میں ایک دوسرے پر ظالمانہ انداز میں تسلط قائم کریں۔

مسلمان قوموں کے درمیان اتحاد کا مفہوم یہ ہے کہ عالم اسلام سے متعلق مسائل کے سلسلے میں ایک ساتھ حرکت کریں، ایک دوسرے کی مدد کریں اور ان قوموں کے درمیان پائے جانے والے ایک دوسرے کے سرمائے اور دولت کو ایک دوسرے کے خلاف استعمال نہ ہونے دیں۔

اتحاد کا مطلب مختلف فرقوں کا اپنے مخصوص فقہی اور اعتقادی امور سے اعراض اور روگردانی نہیں ہے بلکہ اتحاد بین المسلمین کے دو مفہوم ہیں اور ان دونوں کو عملی جامہ پہنانے کی ضرورت ہے۔پہلا مفہوم یہ کہ گوناگوں اسلامی مکاتب فکر، جن کے اندر بھی کئی ذیلی فقہی اور اعتقادی فرقے ہوتے ہیں، دشمنان اسلام کے مقابلے میں حقیقی معنی میں آپس میں تعاون اور ایک دوسرے کی اعانت کریں اور ہم خیالی اور ہمدلی برقرار کریں۔

دوسرے یہ کہ مسلمانوں کے مختلف فرقے خود کو ایک دوسرے کے قریب لانے کی کوشش کریں، ہم خیالی پیدا کریں، مختلف فقہی مکاتب کا جائزہ لیکر ان کے اشتراکات کی نشاندہی کریں۔علما و فقہا کے بہت سے فتوے ایسے ہیں جو عالمانہ فقہی بحثوں کے ذریعے اور بہت معمولی سی تبدیلی کے ساتھ فرقوں کے ایسے فتوے میں تبدیل ہو سکتے ہیں جو ایک دوسرے کے بہت قریب ہوں۔

ہمارے ذاتی مفادات اور خواہشات نے ہمارے اتحاد واتفاق کی دھجیاں اڑادیں۔ہم اپنے مفادات کی دوڑ میں اپنے بھائی چارے کو روندتے چلے گئے۔اب بھی ایسی دوڑ اور راستے پر گامزن ہیں۔یہی وجہ ہے کہ کبھی مسلم دنیا کا معنی خیز اتحاد معرض وجود میں نہیں آیا۔کفار اس کا فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

تفرقہ بازی۔

ہم رنگ و نسل اور فرقوں و مسلکوں کی تفریق میں ایسا گھرے ہیں کہ ایک لڑی میں پرونا تو ہمیں آتا ہی نا ہو۔ہم خود ایک دوسرے کو کافر قرار دے کر انتشار کو فروغ دے رہے ہیں۔دشمن ہمارے انتشار کو پروان چڑھا کر ہمیں کھوکھلا کرنے کی راہ پر گامزن ہے۔آج ہم اتنے شدت پسند ہو چکے ہیں کہ ایک دوسرے پر کفر کے فتوے جاری کردیتے ہیں۔معاملات کو سلجھانے کی بجائے مزید الجھاتے ہیں۔یوں ہمارے انتشار کا سفر جاری ہے۔

ہم اپنے ماضی پر نظر دوڑائیں تو مسلمانوں کا ایک اہم اصول انصاف تھا۔اسلام نے ہمیشہ سے ظلم وزیادتی کو ختم کرنے اور انصاف کو رائج کرنے کی کوشش کی۔اسی انصاف کی بدولت مسلمانوں نے دنیا پر حکومتیں قائم کیں اور کامیابی سے چلائیں۔ مسلمانوں نے ہمیشہ سے اقلیتوں کو تحفظ فراہم کیا اور ان کے ساتھ صلح و انصاف کے ساتھ رہے۔تاریخ گواہ ہے کہ جس حکومت میں انصاف کی دھجیاں اڑائی گئیں ان کا خاتمہ ہی ان کا مقدر ٹھہرا۔انصاف کا دامن چھوڑنے پر مسلمانوں کی حکومتیں بھی ختم ہوئیں ۔جیسے مغلیہ سلطنت۔ہمارے ہاں بے جانا انصافی نے ہمارے معاشرے اور نظریے کو کھوکھلا کر دیا ہے۔

بہت سے ایسے مزید فیکٹر بھی ہیں جو ہماری بربادی کا سبب ہیں۔بے دین طاقتوں کی سازشوں کا عمل دخل بھی اس وقت کامیاب ہوتا ہے۔جب ہم کمزور اور کھوکھلے ہوں۔ہمیں اپنے ذاتی مسائل کو سمجھنا ہوگا۔ہم دشمنوں کی سازشوں کا مقابلہ تب ہی کر سکیں گے۔جب ہم اسلام کے جھنڈے کو مضبوطی سے تھام کر ایمان،اتحاد اور تنظیم کو فروغ دیں گے۔جب انصاف کا بول بالا ہوگا

تفرقہ بازی کی روک تھام کیلئے اقدامات

حکومت عوام میں پائی جانے والی نفرتوں کو دور کرنے کے لیے سرکاری سطح پر :

......لاؤڈ اسپیکر پر بے جا کو سختی سے روکے۔

......مناظرہ بازی کے رواج کا سختی سے سد باب کرے (مناظرہ بازی کے چسکے نے ہمیں رسوائیوں کے سوا کچھ نہیں دیا۔

.....منافرت اور انتشار پھیلانے والے لٹریچر پر کڑی پابندیاں عائد کرے۔

.....مختلف ذرائع ابلاغ کے ذریعے مسلم عوام کے اندر تہذیبی شعور (Civic sense)بیدار کرنے کا خصوصی اہتمام کرے تاکہ ہر گھر کے اندر اور باہر طہارت ،جو ایمان کی ایک بنیاد شرط ہے، پوری ہوتی نظر آئے۔

آج امت مسلمہ پر لازم آتا ہے کہ وہ اپنی اعلیٰ اسلامی ،معاشرتی اور انسانی صفات کا عملی مظاہرہ کرے اور حقوق انسانی کے تحفظ کا وہ نمونہ پیش کرے جو اس کے اسلاف نے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔ عفو ودر گزر ، صبر واستقلال اور عدل وانصاف کے ذریعے وہ معاشرہ تشکیل دے جس کی مثال سرکار دو جہاں ﷺ اور آپ کے صحابہؓ نے دنیا کے سامنے پیش کی تھی۔

اسلام کی روحانی اقدار کو اجاگر کرنے کیلئے اسلام نے روحانیت کی تعلیم کو 'الاحسان' کے لفظ سے موسوم کیا ہے۔اسلام میں عبادات کا مقصد ہی انسان کو روحانی تسکین فراہم کرنا اور اسے اللہ کے قریب تر لے جانا ہے۔

دل کی اصلاح بدن کی اصلاح کی ضامن ہو سکتی ہے۔آج انسان کے دل اور بدن میں کوئی ہم آہنگی نہیں پائی جاتی۔اس ہم آہنگی کا واحد ذریعہ اللہ کا ذکر اور صحیح معنوں میں عبادات کی بجاآوری ہے۔اس سلسلے میں قرآن اور سیرت کا مطالعہ اور صوفیا و اولیا اللہ کے طریقے پر

چلنا حد درجہ معاون ثابت ہو سکتا ہے لیکن کاش امت مسلمہ اس کا احساس کرے۔ آج ہم قرآن اور محبت مصطفیٰ ﷺ پر عمل کرکے اور سیرت ﷺ کے مطالعے کی دعوت دیتے ہوئے کیوں شرماتے ہیں؟ ہمیں قرآن وسنت کے مطالعہ کی اہمیت کا کیوں احساس نہیں ہوتا۔

تجاویز

میں عالم اسلام کے اہل علم و دانش کی اس کانفرنس کے لئے دعا گو ہوں کہ وہ اکیسویں صدی میں مسلمانوں کی ہمہ پہلو نشاۃِ ثانیہ کے لئے جامع تجاویز مرتب کرنے اور انہیں عملی جامہ پہنانے میں کامیاب ہو۔ میری تجویز ہے کہ یہ کانفرنس ایسی کمیٹیاں تشکیل دے جو اس کانفرنس کے بعد بھی اپنے اپنے متعلقہ شعبوں میں تحقیقی کام کرتی رہیں اور اس طرح اس علمی اجتماع کو ایک تسلسل حاصل ہو جائے۔

مادّی، سیاسی اور اقتصادی طور پر شکستہ حال قومیں پھر سے فتح مند ہو سکتی اور اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کر سکتی ہیں لیکن ذہنی، فکری اور روحانی اعتبار سے شکست کھا جانے والی اقوام دولتِ خودی سے محروم ہو کر تاریخ کے ظلمت کدوں میں کھو جاتی ہیں۔ میں اس نمائندہ اجتماع کے ذریعے اس حقیقت کا اظہار ضروری خیال کرتا ہوں کہ مسائل کی سنگینی، مصائب کے ہجوم اور مشکلات کی کثرت کے باوجود فرزندانِ اسلام کا مستقبل روشن اور تابناک ہے۔ ہمارے دل توحید کی دولت سے مالا مال اور ہماری روح حب رسول ﷺ کی لذتوں سے سرشار ہے۔ ہم امن کے پیامبر اور سلامتی کے سفیر ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے نظریے کی حفاظت کے لئے نقد جاں پیش کرنے کا ہنر بھی جانتے ہیں۔ ہم لامحدود قدرتی وسائل اور انتہائی ذہین، ہمت، شعار اور جفاکش افرادی قوت کے حامل ہیں۔ علم و فن سے محبت ہماری فطرت میں شامل ہے۔ ان شاء اللہ یہ ناسازگار موسم جلد ختم ہو جائیں گے اور ہمارے بال و پر ایک بار پھر اسی قوتِ پرواز سے آشنا ہوں گے جس نے صحرائے عرب کے حدی خوانوں کو دنیا کا راہنما بنا دیا تھا۔ ہمارے دلوں میں آرزو کے چراغ ہمیشہ روشن رہیں گے اور ان شاء اللہ وہ دن جلد آئے گا جب

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی!

"عہد حاضر کے مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی معاشرتی زندگی کی اصلاح اور اسلام کے اس وقت تک منکشف شدہ مقاصد سے یہ استنباط کرے کہ روحانی جمہوریت کا قیام اسلام کا آخری نصب العین ہے۔" ([2])(19)

امت مسلمہ کا وجود اقامت دین اور شہادت حق ہے۔ دنیا میں کامیاب زندگی اور آخرت میں نجات اللہ کی نازل کردہ ہدایت یعنی دین حق پر عمل پیرا ہو کر ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ اسلام زندگی کے تمام پہلوؤں کے لیے اپنا زاویہ فکر رکھتا ہے اسلامی تحریک مغرب کے سیکولر ذہن بنانا چاہتی ہے جو مغرب کے لیے نرم گوشہ رکھتا ہو یا مغرب کو اپنے لیے ماڈل سمجھتا ہو۔ لبرل تعلیمی نظام اسلام کے خلاف مغرب کی سازش ہے جو مسلمان معاشرے کو اپنے اندر ختم کرنا چاہتا ہے۔ مغرب اسلامی تحریکوں کی قیادت کو بدنام کرنے کے لیے انہیں نااہل، متروک، بے مغز، عقیدہ پرست رجعت پسند اور تاریک خیال ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔([3])(20) "اسلامی معاشرہ پچھلے پانچ سو سال سے ظاہری سیاسی حرکت کے باوجود معنوی حرکت سے محروم

ہو چکا ہے اور جمود کا شکار ہے۔ اس نے فکر کی نئی جہتوں کو دریافت نہیں کیا اور زمانہ جدید میں جو تخلیقی قوتیں کار فرماہیں اور فکر نے جو نئے نئے راستے نکالے ہیں ان کا کوئی ردعمل اسلامی مفکرین کے ہاں نہیں پایا جاتا۔

انتشار کے نتیجے میں اس نے آج تک بڑے نقصان اٹھائے ہیں۔ آج دنیا میں 50 سے زیادہ اسلامی مملکتیں موجود ہیں۔ یہ تمام بے پناہ قدرتی وسائل اور خزانوں سے معمور ہیں لیکن کتنے دکھ کی بات ہے کہ ان میں سے کوئی ایک بھی صحیح معنوں میں آزاد مملکت ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ ان میں سے کوئی مجبور ہے تو کوئی معذور۔ ان کے درمیان اتحاد و اتفاق نام کی کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ غیر مسلم آقاؤں کی خوشنودی کی ایک دوسرے کی سلامتی سے بھی کھیل جانے سے گریز نہیں کیا جاتا۔

جدید دور کے تقاضوں کے پیش نظر اب عالم اسلام پر لازم ہو گیا ہے کہ :

اسلامی ممالک کی تنظیم (O.I.C) کو ایک مضبوط اور فعال ادارہ بنایا جائے۔

اسلامی ممالک کا ایک مشترکہ فنڈ قائم کیا جائے اور اس فنڈ سے غریب مسلم ممالک کی ترقی کے لیے ہر شعبے میں ان کی امداد کی جائے۔

اسلامی ممالک کی تنظیم کے تحت ایک مشترکہ اسلامی فوج قائم کی جائے تاکہ ہر جارحیت کا متحد ہو کر بروقت سدباب کیا جاسکے۔

تمام اسلامی ممالک متحد ہو کر جدید سائنسی تعلیم کو عام کرنے کی کوشش کریں اور اس سلسلے میں کثیر تعداد میں طلبہ، اساتذہ اور ماہرین کے باہمی تبادلے سے ترقی کے میدان میں آگے بڑھنے کی مشترکہ سعی کریں۔

جدید سائنسی علوم کے حصول کی کوششوں کے ساتھ دینی اور شرعی علوم کے حصول کا حکومتی اور اسلام ممالک کی تنظیم کی سطح پر متحدہ اور مشترکہ انتظام کیا جائے۔ ماضی قریب میں غیر ملکی تسلط نے بڑے منظم طریقے سے مسلمانوں کو ان کے مذہبی علوم سے دور رکھنے کی کوشش کی ہے اور مسلمانوں نے مجرمانہ حد تک ان کے ساتھ تعاون کیا ہے۔ آج مسلمان اپنے دینی علوم حاصل کرنے میں شرم محسوس کرتا ہے؟

اسلام اعتدال کا دین ہے افراط و تفریط سے بچتے ہوئے ہمیں اپنی ثقافت اقدار کی نگہبانی بھی کرنی ہے اور حکمت و دانائی کے موتیوں کو چن کر جدید چیلنجز کا مقابلہ بھی کرنا ہے اس موجودہ معروضی صورت حال میں حسب ذیل امور کو مد نظر رکھنا ضروری ہے۔

i۔ فکری یک جہتی وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ جدید مسائل کی نوعیت اور وسعت کے پیش نظر اجتہاد ایک فرد کے بس کی بات نہیں۔ اب اجتماعی اجتہاد کے لیے ادارے تشکیل دیے جائیں جن میں تمام مکاتب فکر کے علماء، اسکالرز اور اہل دانش شامل ہوں۔ یہ ادارے مجالس قانون ساز کا باقاعدہ حصہ ہوں جہاں دوسرے ماہرین کے ساتھ انہیں بھی قانون سازی میں برابری کا حق ہو۔ بقول علامہ اقبال "علماء کو مجالس قانون ساز کا لازمی حصہ ہونا چاہیے تاکہ وہ قانون سازی کے عمل میں رہنمائی اور مدد مہیا کرسکیں۔" ([6])(23)

ii۔ ایک ایسی جدید اسلامی فلاحی ریاست کا قیام لازمی ہے جس کا ماڈل آنحضرت ﷺ اور خلفائے راشدین نے پیش کیا۔ ہمیں ان ابہامات کو بھی دور کرنا ہے جو اسلام سے متعلق غیر مسلموں کے حقوق، خواتین کے حقوق، اقلیتوں کے حقوق، تشدد پسندی، دہشت گردی، تکفیر اور فرقہ واریت کے بارے میں پائے جاتے ہیں۔

iii۔ اخلاقی اور روحانی اقدار روبہ زوال ہیں صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ مغرب بھی اخلاقی اور روحانی انتشار میں مبتال ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کا اخلاقی اور روحانی زوال ہی عصر حاضر کا سب سے خطرناک اور تباہ کن مسئلہ ہے۔ آنحضرت ﷺ نے مکی دور میں سب سے زیادہ توجہ فرد کی ذاتی اصلاح، اخلاق واعمال کی درستگی اور تزکیہ وتربیت پر مبذول فرمائی۔ اس اخلاقی انقلاب کی بنیاد خوف خدا، عقیدہ آخرت اور وحدانیت کی بالیدگی پر رکھی گئی تھی۔

iv۔ اکیسویں صدی کے چیلنجز کا مقابلہ کرنے کے لیے ہمیں اپنے سماجی و ثقافتی مسائل سے بھی نبرد آزما ہونا ہے جن میں خاندانی نظام کی شکست وریخت، عالمی میڈیا کی ثقافتی یلغار لسانی اور گروہی اختلافات قوم پرستی، مادہ پرستی اور مغرب سے مرعوبیت اور محاذ آرائی سر فہرست ہیں۔ ان مقاصد کے لیے بھی سیرت النبی ﷺ ہمارے لیے مشعل راہ ہے جس نے لوگوں کو ایمانی قوت سے مالا مال کرکے باہمی ہمدردی، ایثار و قربانی، شجاعت وحمیت، صبر واستقامت، عفو ودرگزر، حلم وبردباری، رواداری اور وسعت نظر جیسے اوصاف سے متصف کیا۔

v۔ اسلامی ممالک کو اپنی اقتصادی صورت حال پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ نظام کو ختم کرنا ہے سود کے مسئلے سے گلوخلاصی کرانی ہے۔ اسلامی ممالک کو باہمی اقتصادی روابط کو فروغ دینا ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں پیش رفت کو مزید تیز کرنا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں ایمان اور اخلاقیات کا دامن بھی تھامے رکھنا ہے۔

vi۔ اسلامی ریاستوں کو اپنے داخلی سیاسی مسائل کے حل کے لیے اور داخلی امن وامان کے قیام کے لیے بھی سیرت طیبہ ﷺ پر عمل پیرا ہونا ہوگا آج امت مسلمہ پر فرض عائد ہوتا ہے کہ ان اعلیٰ اخلاقی اقدار کو مل جل کر فروغ دے، جو اسلاف سے اس نے میراث میں پائی تھیں اور جنہیں اب کافی حد تک گنوا بیٹھی ہے اور جو تمام آسمانی مذاہب میں مشترک ہیں، صداقت، امانت، دیانت، ایفائے عہد، انصاف، باہمی محبت و شفقت اور تعظیم کی صفات نہ صرف اس کے اندر پیدا ہو جائیں بلکہ ان کے فروغ کے لیے ہر مسلمان انفرادی سطح پر بھی ان کا عملی نمونہ بن جائے۔ ہر مومن ان اوصاف حمیدہ کا اس طرح مظاہرہ کرے کہ دوسروں کے دلوں میں اس کے خلاف بھری کدورت نہ صرف نکل جائے بلکہ وہ از خود اس طرف کھیچے چلے آئیں۔ وہ دن دور نہیں کہ پھر سے اپنی کھوئی ہوئی میراث دوبارہ حاصل ہو جائے۔ اخر میں دعا گو ہوں کہ اللہ میری اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور مسلم امہ پر خصوصی کرم اور فضل فرمائے۔ آمین

حوالہ جات و فہرست کتب

([1])البقرہ177:2

([2])النساء58:4

([3])الترمذی، کتاب المناقب، باب73، ص:2054

([4])ابو داؤد، کتاب الادب، باب111، التفاخر فی لاحساب، ص:1598

([5]) صحیح مسلم، کتاب البر، رقم الحیدث:32، ص:1127

([6])ابن ماجہ، کتاب السنۃ (مقدمہ) باب17فضل العلماء، ص2491

([7])ابن سعد، الطبقات الکبریٰ

([8])المعارف (لاہور) اپریل، جون، 1994ء

([9]) عبدالرشید صدیقی، تحریک اسلامی اور اس کے عالمی اثرات، ص:73، مطبوعہ ترجمان القرآن، 2000ء

([10]) مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الایمان، باب الاعتصام بکتاب والسنۃ، ص:30، مطبعہ نور محمد کراچی، پاکستان

([11]) مجمع الزوائد، 1ء122

([12])طٰہٰ114:20

([13])البقرہ228:2

([14])النساء19:4

([15])النساء32:4

([16]) صحیح مسلم، 1ء39

([17]) مسند احمد، 13ء85

([18]) خالد علوی، انسان کامل، ص:245

([19])المائدہ 7:5

([20])المائدہ 8:5

([21])الحدید 27:57

"» (کنزالعمال: 11547

اختتامیہ

اللہ کا دین قائم ہونے کی یہی صورت ہے کہ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے کیے جائیں اور یہ کہ اس کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ جو قانون اللہ نے نازل کیا ہے وہ ان تمام قوانین سے بہتر ہے جو خود انسان اپنے لئے بناتے ہیں اپنے لئے طرز عمل اور اوضاع واطوار خود تجویز کرتے ہیں۔ صرف یہ بات نہیں ہے کہ اللہ کا قانون ان سے بہتر ہے' یہ تو ان اسباب میں سے ایک سبب ہے اور یہ بات یعنی محض بہتری سبب اول بھی نہیں ہے۔ بلکہ نفاذ شریعت ہی سبب اول ہے اور یہ اسلامی نظام کا سنگ میل اور سنگ اساسی ہے کہ جب کوئی اللہ کے قانون کے مطابق فیصلے کرتا ہے تو گویا وہ اللہ کی الوہیت اور حاکمیت پر ایمان لاتا ہے اور وہ شخص اللہ کے سوا تمام دوسرے الہوں اور حاکموں کا انکار کرتا ہے اور یہ ہے حقیقی اسلام جس کا لغوی مفہوم سر تسلیم خم کرنا ہے اور جس اصطلاحی مفہوم کو جیسا کہ تمام ادیان الٰہیہ کا یہ مفہوم رہا ہے کہ دین اللہ کیلئے خالص ہو جائے اور اس کے ساتھ کسی اور کو حاکم تسلیم نہ کیا جائے گا' نہ کسی اور کیلئے اس اہم ترین خصوصیت الٰہیہ میں شرکت روا رکھی جائے۔ اللہ تعالیٰ کے حق اطاعت کا ظہور اس طرح ہو کہ اس کے تمام بندے اس کی شریعت اور اس کے قانون کے مطیع ہوں۔

زندگی کے بسر کرنے کے لئے کچھ ضوابط کی ضرورت ہوتی ہے۔ خود انسان اور اس کے نفس کے درمیان جو تعلق ہے اسکے لئے بھی کچھ اصول اور ضوابط ہوتے ہیں۔ پھر ایک انسان اور انسان کے درمیان تعلق کے کچھ اصول ہوتے ہیں اور پھر انسان اور تمام دوسری زندہ مخلوق اور غیر زندہ اشیاء کے درمیان بھی تعلق کے ضابطے ہوتے ہیں۔ لوگوں میں سے رشتہ داروں سے تعلقات' غیر رشتہ داروں اور دور کے لوگوں کے ساتھ تعلقات' خاندان اور قوم کے لوگوں کے ساتھ تعلقات' جماعت کے ساتھ تعلقات اور پھر پوری امت کے ساتھ ایک فرد کا تعلق' دشمنوں کے ساتھ تعلق' دوستوں کے ساتھ تعلق' دنیا کی ان زندہ جیروں کے ساتھ تعلق جنہیں اللہ نے انسان کے قابو میں رکھا ہے اور ان کے ساتھ تعلق جو بے قابو ہیں اور اس وسیع و عریض کائنات کی تمام اشیاء کے ساتھ انسان کے تعلق کے اصول و ضوابط اسلامی نظام زندگی کے اندر پورے کے پورے موجود ہیں۔ پھر انسان کی زندگی کا ربط اپنے رب کے ساتھ' اپنے آقا کے ساتھ تو ایک ایسا تعلق ہے جو زندگی کی بنیادی قدر ہے۔ یہ تمام امور اس نظام کے اندر مقرر اور منضبط ہیں۔

اسلامی نظام ان تمام ضوابط اور تعلقات کو انسانی زندگی کے اندر عملاً ثابت کرتا ہے۔ وہ ان تعلقات کو قائم کرتا ہے' ان کے لئے حدود قیود متعین کرتا ہے اور ان کی پوری پوری وضاحت کرتا ہے۔ اور یہ تمام رابطے رب ذوالجلال کے عنوان سے ہوتے ہیں۔ وہ ان تمام رابطوں کے احترام کی

ضمانت دیتا ہے۔ ان کی بے حرمتی اور ان کے ساتھ مذاق کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ ان روابط کے بارے میں اسلامی نظام یہ صورت حال برداشت نہیں کرتا کہ انہیں بدلتی ہوئی خواہشات نفسانیہ کے حوالے کر دے یا ان اغراض و مقاصد کے تابع کر دے جن کا تعلق کسی ایک فرد کی خواہش اور سوچ سے ہو۔ یا کوئی جماعت ان اغراض اور خواہشات میں دلچسپی رکھتی ہو یا اقوام عالم میں سے کسی قوم میں یہ اغراض پائی جاتی ہوں یا تاریخ انسانی کی نسلوں میں سے کوئی نسل ان میں دلچسپی رکھتی ہو اور ان اسباب کی وجہ سے انہیں توڑ دینا چاہتی ہو۔ ان تمام روابط ہی میں انسان کی مصلحت ہے بشرطیکہ ان روابط کو اللہ اور رسول نے لوگوں کے لئے وضع کیا ہو' اگرچہ کوئی فرد' کوئی جماعت' کوئی قوم یا کوئی نسل یہ سمجھتی ہو کہ ان میں انسانوں کی مصلحت نہیں ہے۔

کسی اسلامی سرزمین کو اہمیت صرف اس وجہ سے حاصل ہوتی ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی حکومت قائم ہوتی ہے اور وہ اسلامی عقیدے کا گہوارا اور اسلامی نظام حیات کے لیے ایک کھیت کی حیثیت اختیار کر کے دار الاسلام قرار پاتی ہے اور " تحریک آزادی انسان "کے لیے مرکز بن جاتی ہے۔

ختم شد